بسم اللہ الرحمن الرحیم
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾
یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے
(یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے
کتاب مستطاب
جلد پنجم
فیضان الرحمن
فی تفسیر القرآن
از افاداتِ عالیہ
مفسر قرآن حجۃ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر والزمان مد ظلہ العالی
آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی
ناشر
مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ !مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید واعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان،رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار،فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرند وپرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں،صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لہٰذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں،وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں،وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بے کراں کے سامنے بے فیض ہو کر اپنے مستقبل سے بے خبر،مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس،پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ

کر معمول کی گہری نیند سو جاتے ہیں۔

''انسان''، جسم وروح سے مرکب، عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ وصفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔ رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ صفات جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفایابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور وفکر کرنا، ان کے رموز وحقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی وکامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہٗ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب وروز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ادارہ ھذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد پنجم

سورہ ابراهیم کا مختصر تعارف -- ۱۲۱

سورہ الحجر کا مختصر تعارف---------- ۱۶۰

سورۃ النحل کا مختصر تعارف

سورۂ الکھف کا مختصر تعارف ---------------------------------- ۳۹۲

❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آیات القرآن

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْہَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

میں اپنے نفس کو (بھی) بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا (اور اس پر اکسانے والا) ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار (کسی کے حال پر) رحم کرے یقیناً میرا پروردگار بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۵۳) اور بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے (ذاتی کاموں کی انجام دہی) کے لیے مخصوص کرلوں۔ پس جب (یوسفؑ آئے اور) بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو (متاثر ہوکر) کہا آج سے تم ہمارے ہاں صاحب مرتبہ اور امانت دار آدمی ہو (۵۴) آپؑ نے کہا مجھے (اس) زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے میں یقیناً (مال کی) حفاظت کرنے والا اور اس کام کو جاننے والا بھی ہوں (۵۵) اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں اختیار و اقتدار دیا کہ وہ اس میں جہاں چاہے رہے ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے (۵۶) اور البتہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے آخرت کا اجر و ثواب یقیناً (اس سے) بہتر ہے (۵۷)

تشریح الالفاظ

۱۔ وما ابری براٗ یبراٗ کے معنی بری قرار دینے کے ہیں۔ ۲۔ استخلصہ ۔استخلاص کے معنی ہیں پسند کرنا اور چن لینا ۳۔مکین کے معنی ہیں مرتبہ والا ہونا۔ ۴۔مکنا۔مکن اور امکن کے معنی ہیں اختیار و اقتدار دینا۔

تفسیر الآیات

۱۷۔ وما ابرئ نفسی۔ الآیۃ۔

جناب یوسفؑ کی فروتنی اور کسر نفسی کا تذکرہ

باوجودیکہ اپنے، بیگانے اور دوست و دشمن جناب یوسفؑ کی بے قصوری اور پاکدامنی کا اعتراف کر چکے ہیں اور آپ خود اپنے خلاف الزام کی سرکاری سطح پر تحقیق کرا کے بے گناہ بھی قرار دیئے جا چکے ہیں مگر بااین ہمہ وہ غرور کرنے اور اترانے کی بجائے اپنی فروتنی اور کسر نفسی کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ اس تمام کاروائی میں زلیخا اور دوسری زنانِ مصر کے دامِ تزویر میں نہ پھنسنے اور ان کے مذموم عزائم کو خاک میں ملانے میں میرا ذاتی کوئی کمال نہیں ہے بلکہ میری یہ پاکبازی صرف اور صرف توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی ان تمام فتنوں سے محفوظ رہنا میرے نفس کا کارنامہ نہیں کیونکہ وہ تو برائی پر بہت ابھارنے والا اور برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔اس کی فتنہ سامانی اور شر انگیزی صرف وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس پر میرا پروردگار اپنا خصوصی رحم و کرم فرمائے لہٰذا یہ سب کچھ اس کی مرحمت و رافت اور اسی کی دستگیری کا ثمرہ و نتیجہ تھا۔وہ اور بس۔ائمہ طاہرینؑ سے منقولہ دعاؤں میں وارد ہے۔ اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین الا وھلکت بارالہا! آنکھ کے جھپکنے تک بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا ورنہ میں ہلاک و برباد ہو جاؤں گا۔(زادالمعاد، مفاتیح الجنان)۔ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ توفیق الٰہی بھی انہی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو اس کے حاصل کرنے کی کدوکاوش کرتے ہیں اور اپنے دامن کو گناہوں کی کثافتوں سے آلودہ ہونے سے بچانے کی جدوجہد کرتے ہیں اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں سچ ہے۔ع توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

صفات کے اعتبار سے نفس انسانی کی چار قسمیں یا بالفاظ مناسب چار حالتیں ہیں اور ہر حالت کا مخصوص نام ہے

۱۔ نفس امارہ

جو وسوسہ اندازی سے ہر وقت آدمی کو گناہ کے دلدل میں پھنسانے اور اس کے خارزاروں میں گرفتار کرکے اس کی چادر عفت کو تار تار کرنے کی مذموم کوشش کرتا رہتا ہے۔

۲۔ نفس لوامہ

جس کی خدا نے قسم کھائی ہے **ولا اقسم بالنفس اللوامه** یہ آدمی کو گناہ کی تباہ کاریوں کی طرف متوجہ کرکے اسے اس وادی پرخار میں قدم رکھنے سے روکتا ہے اور اگر وہ گناہ کر گذرے تو وہ اس کی زجر و توبیخ اور اس کی لعنت ملامت کرتا ہے۔

۳۔ نفس ملہمہ

اس کی بھی خدا نے قسم کھائی ہے **و نفس وما سواها فالهمها فجورها و تقوها**۔ نفس انسانی ترقی کرتے کرتے جب اس منزل تک پہنچ جاتا ہے تو خداوند کریم اسے نیکی و بدی کا الہام کرتا ہے اور اس کو سمجھا دیتا ہے کہ نیکی اور اس کا انجام خیر کیا ہے؟ اور بدی اور اس کا انجام بد کیا ہے؟

۴۔ نفس مطمئنہ

یہ نفس انسانی کی آخری ارتقائی منزل کا نام ہے ارشاد قدرت ہے **يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك۔ آلاية**۔ (سورہ فجر) اس منزل پر پہنچنے کے بعد بندہ کی رضا خدا کی رضا میں اس طرح گم ہو جاتی ہے کہ وہ ہر حال میں راضی برضائے خدا ہوتا ہے وہ اسے بدنی صحت عطا فرمائے یا مرض میں مبتلا کرے اور مالی وسعت سے نوازے یا فقر و فاقہ کے شکنجہ میں کس دے وہ ہر حال میں مطمئن نظر آتا ہے اور

مرضی مولا ازهمه اولیٰ

اس کا تکیۂ کلام اور ورد زبان ہوتا ہے۔ **ذلك فضل الله يو تيه من يشاء**۔ یہ حالت مجاہدہ اور شرعی ریاضت کے ذریعہ سے یعنی واجبات شرعیہ کی ادائیگی، محرمات الہیہ سے اجتناب، سنن و مستحبات پر مداومت

اوراخلاق عالیہ اپنے اندر پیدا کرنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔اختصار کے پیش نظر یہاں اس سے زیادہ نفس انسانی کے حالات وصفات کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات علم الاخلاق کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

۱۸۔ قال اجعلنی۔ الآیۃ۔

حکام جور کی ملازمت کے جواز میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حاکم جائز یعنی وہ حاکم جس کی حکومت قانون شرع کی پابند نہ ہو اس کی ملازمت کرنے اور اس کے ذریعہ سے روزی کمانے کے جواز وعدم جواز میں فقہاء میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف بظاہر اخبار وآ ثار میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔

ا۔ چنانچہ بعض اخبار میں اس کام کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے اور ایسے شخص کو ظالموں کا مدد ومعاون قرار دیتے ہوئے اس کو جہنم کا مستحق اور اس آیت **لا ترکنوا الی الذین ظلموا افتمسکم النار**۔ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اور بعض اخبار میں وارد ہے کہ ہر جبار وسرکش حاکم کے دربار میں کوئی ایسا مومن ضرور ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے خدا کمزور اہل ایمان کا دفاع کرتا ہے (الوسائل)۔ بعض آ ثار میں وارد ہے کہ اگر ایسا شخص جو کسی جائر حاکم کی ملازمت کرتا ہے اس کی اعانت بھی کرے اور پھر حاجتمند اہل ایمان کے کام بھی انجام دے تو اس کی یہ نیکی اس کی بدی کا بدل بن جائے گی۔ (ایضاً)

۳۔ اور بعض اخبار میں ایسے ملازم کو جس کا اس ملازمت کرنے سے مقصد ہی اہل ایمان کے کام کرنا اور خلق خدا کو فیض پہنچانا ہو ایسے لوگوں کو آتش دوزخ سے آزاد کردہ قرار دیا گیا ہے (ایضاً) ان بظاہر متصادم اخبار و آ ثار کے درمیان محقق فقہاء اسلام نے یوں جمع فرمائی ہے کہ یہ اختلاف حکام جور کی ملازمت کرنے والوں کی نیت کے اختلاف پر مبنی ہے۔

لہٰذا اگر ایک شخص کا مقصد صرف حبِ دنیا اور اس کا جاہ وجلال اور مال ومنال حاصل کرنا ہو تو وہ پہلے زمرہ میں داخل ہے۔

۲۔ اور اگر اس کا مقصد مذکورہ بالا باتوں کے ساتھ ساتھ نیکی کرنا اور اہل ایمان کے کام کرنا بھی ہو تو وہ دوسرے گروہ میں شامل ہے۔

۳۔ اور اگر اس کا مقصد اقتدار میں آنے کے بعد صرف نیکی کرنا اور دوسروں کو اس کا حکم دینا، خود برائی سے رکنا اور دوسروں کو روکنا اور کمزور اہل ایمان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا اور حاجتمندوں کی حاجت برآری کرنا ہو تو وہ تیسرے طبقہ کے خوش نصیب لوگوں میں داخل ہے اگرچہ ایسے افراد یعنی علی بن یقطین جیسے خوش قسمت لوگ ہر دور میں کبریتِ احمر سے بھی کم رہے ہیں۔

جناب یوسفؑ کے واقعہ سے اس تحقیق کی تائید مزید

جناب یوسفؑ کے اس واقعہ سے بھی اس تحقیق کی تائید مزید ہوتی ہے جنہوں نے فیض رسانی خلق کی خاطر بادشاہ مصر سے خود وزارت خزانہ کا قلمدان طلب کیا تھا۔ اور ان کے ''انی حفیظ علیم'' کہنے سے کہ میں مال کی بے محل صرف کرنے سے حفاظت کرنے والا اور اس کے مقام استعمال کو خوب جاننے والا ہوں یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر خود ستائی کی نیت سے نہ ہو بلکہ صرف اظہار حقیقت کے طور پر ہو اور اپنے استحقاق کے ثبوت کے لیے ہو تو اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور یہ اس کی اپنی پاکبازی جتانے میں داخل نہیں ہے جس کی قرآن میں ممانعت وارد ہوئی ہے کہ فلا تزکوا انفسکم اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہ کرو۔

سچ ہے ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد؟ فاضل زمخشری نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''حضرت یوسف نے اجعلنی علی خزائن الارض جو فرمایا تو اس سے ان کی غرض صرف یہ تھی کہ ان کو اللہ کے احکام جاری کرنے اور حق قائم کرنے اور عدل پھیلانے کا موقع مل جائے اور وہ اس کام کو انجام دینے کی طاقت حاصل کر لیں جس کے لیے انبیاء بھیجے جاتے ہیں انھوں نے بادشاہی کی محبت اور دنیا کے لالچ میں یہ مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ جانتے ہوئے کیا تھا کہ کوئی دوسرا شخص ان کے سوا ایسا نہیں ہے جو اس کام کو انجام دے سکے'' (تفسیر کشاف، بحوالہ تفہیم القرآن ج ۲) چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جناب یوسف نے اپنے دور اقتدار میں خدمت خلق و خالق کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور عوام کی راحت رسائی و فیض رسانی کے سلسلہ میں وہ مثالی اقدام کئے کہ جن کی صفحات تاریخ میں مشکل سے کوئی مثال ملے گی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا واقعہ یوسفؑ سے استشہاد

ایک شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ نے باوجود عابد و زاہد ہونے کے مامون عباسی کی ولی عہدی کیوں قبول کی ہے؟ امام نے فرمایا اے شخص! نبی افضل ہوتا ہے یا

وصی؟اس نے عرض کیا بلکہ نبی افضل ہوتا ہے پھر پوچھا آیا مسلمان افضل ہوتا ہے یا مشرک؟ عرض کیا بلکہ مسلمان افضل ہوتا ہے۔

امام نے فرمایا بادشاہ مصر مشرک تھا اور جناب یوسف نبی تھے۔اور مامون مسلمان ہے اور میں وصی ہوں پھر جناب یوسفؑ نے خود مطالبہ کیا تھا کہ وزارت خزانہ کا قلمدان میرے سپرد کیا جائے۔ اجعلنی علی خزائن الارض فانی حفیظ علیم ۔اور پھر مجھے تو مامون نے مجبور کیا ہے۔(عیون الاخبار)

ایضاح

اس حدیث سے ہر نبی کی ہر وصی پر افضیلت مترشح ہوتی ہے اور یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے بعض علماء اسی کے مطابق ہر نبی کو ہر وصی سے افضل قرار دیتے ہیں اور بعض فضلاء اولوالعزم انبیاء کو خاتم الانبیاء کے اوصیاء سے افضل اور دوسروں کو مفضول سمجھتے ہیں اور بعض اعلام خاتم الانبیاء کے اوصیاء کو تمام انبیاء ماسلف سے افضل جانتے ہیں۔اس اختلاف افکار کے تحقیقی دلائل اور پھر تحقیقی نظریہ معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کلامی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع فرمائیں۔

۱۹۔ و کذلک مکنا ۔ الآیۃ۔

اس آیت میں خداوند کریم نے اپنی شان کریم کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ جس طرح ہم یوسفؑ کو اس کی بے داغ سیرت اور بلند کرداری کی وجہ سے کنعان کے جنگل اور اندھے کنویں سے اور پھر مصر کے قید خانہ سے نکال کر نہ صرف مصر کے خزانوں کا بلکہ پورے ملک کا مالک ومختار بنا دیا۔ہم ہر مستحق کو اسی طرح نوازنے کے لیے ہر وقت آمادہ کار اور بالکل تیار ہیں۔

ہر چہ ہست از کوتاہی اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست۔

جو آزمائش کی گھڑیوں میں راہ حق پر ثابت قدم رہتے ہیں اور کسی حال میں بھی حق وحقیقت اور صداقت ودیانت کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے خدا ان کو دنیا میں بھی ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنی مختلف نوازشوں سے نوازتا ہے اور آخرت کا اجر وثواب تو اور بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔بہرحال قید سے رہائی کے بعد جب بادشاہ مصر کی جناب یوسفؑ سے بالمشافہہ گفتگو ہوئی تو وہ آپ کی خداداد اہلیت وقابلیت سے بہت متاثر ہوا۔ اور اسی وقت وزارت خزانہ کا قلمدان ان کے حوالے کیا بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مملکت کے امور بھی ان کو تفویض کر

دیئے۔اور ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر چہ شاہ مصر جناب یوسفؑ کے عقلی، علمی اور کمالات دیکھ کر ان کا قائل تو اسی وقت ہو گیا تھا مگر پورے ایک سال تک انہیں اپنے ہاں ایک معزز مہمان کے طور پر رکھا اور اس کے بعد وزارت خزانہ کا بلند منصب ان کے حوالہ کیا۔(مجمع البیان، قرطبی)۔

آیات القرآن

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝۵۸ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۝۵۹ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ۝۶۰ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ۝۶۱ وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۝۶۲ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۶۳ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَیْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِیْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۝۶۴ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ۝۶۵ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ۝۶۶ وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ

عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُۚ وَ عَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝۶۷ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَاؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۠۝۶۸

ترجمۃ الآیات

اور (قحط سالی کے دنوں میں غلہ خریدنے) یوسف کے بھائی (مصر) آئے اور (یوسف) کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا جبکہ وہ اسے نہ پہچان سکے (۵۸) اور جب یوسف نے ان کی (خوراک) کا سامان تیار کروا دیا تو (جاتے وقت) کہا (اگلی بار) اپنے (سوتیلے) پدری بھائی کو بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ (تول) کر (غلہ) دیتا ہوں اور میں کتنا اچھا مہمان نواز ہوں (۵۹) اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر تمہارے لیے نہ میرے پاس تولنے کے لئے (غلہ) ہوگا اور نہ ہی میرے قریب آنا (۶۰) ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے باپ پر ڈورے ڈالیں گے کہ وہ (آمادہ ہو جائیں) اور ہم ضرور ایسا کریں گے (۶۱) اور یوسف نے اپنے جوانوں (غلاموں) سے کہا کہ ان کی پونجی (جس کے عوض غلہ خریدا ہے) ان کے سامان میں رکھ دو۔ تاکہ جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائیں تو اسے پہچانیں (اور) شاید دوبارہ آئیں (۶۲) اور جب وہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہا اے ہمارے باپ! ہمارے لئے (ناپ تول کر) غلہ دیا جانا بند کر دیا گیا ہے (جب تک بھائی کو ہمراہ نہ لے جائیں) اس لئے ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی (پوری) حفاظت کریں گے (۶۳) آپؑ نے کہا کیا میں اس کے بارے میں تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ بہر حال اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور

وہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (۶۴) اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی انہیں واپس کر دی گئی ہے تو کہنے لگے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ (دیکھیے) یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے (اب کی بار جو بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں گے) تو جہاں اپنے گھر والوں کے لیے رسد لائیں گے اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے (وہاں) ایک اونٹ کا بار اور زیادہ بھی لائینگے اور یہ غلہ (جواب کی بار ہم لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے (۶۵) آپؑ نے کہا میں اسے کبھی تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھ سے عہد و پیمان نہ کرو کہ تم اسے ضرور اپنے ساتھ لاؤ گے سوا اس کے کہ تم سب ہی گھیر لئے جاؤ اور بے بس ہو جاؤ) پھر جب انھوں نے قسم کھا کر اپنا قول وقرار دے دیا تو آپ نے کہا اللہ ہمارے قول وقرار پر نگہبان ہے (۶۶) اور آپؑ نے کہا اے میرے بیٹو (جب مصر پہنچو) تو ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمھیں اللہ (کی مشیت اور اس کی قضا وقدر) سے بچا تو نہیں سکتا (ہر قسم کا) حکم (اور فیصلہ) اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے (میں نے تو صرف احتیاط کے طور پر یہ تدبیر بتائی ہے (۶۷) اور جب وہ لوگ (مصر میں) اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا ان کا اس طرح داخل ہونا انہیں خدا (کی مشیت اور اس کی تقدیر) سے بچا تو نہیں سکتا تھا مگر یہ (احتیاطی تدبیر) یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انہوں نے پورا کر لیا بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحبِ علم تھا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے (۶۸)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ رحالھم۔ یہ رحل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کجاوہ، پالان، قیام گاہ، اور سفر میں ساتھ رہنے والا سامان۔

۲۔ نمیر۔ مار یمیر میرا۔ کے معنی ہیں اہل وعیال کے لیے خوراک لانا۔ ۳۔ موثقاً موثق اور میثاق کے معنی ہیں عہد و پیمان

۴۔ ما کان یغنی عنھم۔ اغنی عنه کے معنی کفایت کرنے اور فائدہ پہنچانے کے ہیں۔ ۵۔ حاجة۔حاجت کے معنی تمنااورآرزو کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۰۔ وجاء اخوۃ یوسف۔ الآیۃ۔

تعبیرخواب کے خوشحالی کے پہلے سات سال

جناب یوسفؑ کے وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالنے کے بعد شاہ مصر کے خواب کی تعبیر کا پہلا حصہ شروع ہوا۔یعنی خوشحالی کے ساتھ سال شروع ہوئے جناب یوسفؑ نے مشورہ دیا کہ چونکہ اس مدت میں خوب بارشیں ہونگی اور فصلیں پیدا ہونگی لہٰذا سب سے زیادہ توجہ زراعت کی طرف مبذول کی جائے اورزیادہ سے زیادہ غلہ اگایا جائے بنجر زمینوں کوآباد کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور غلہ کی حفاظت کے لئے موجودہ گوداموں کے علاوہ بڑے بڑے گودام تعمیر کئے گئے اورضرورت کا غلہ لے کر باقی ماندہ کوخوشوں میں رہنے دیا گیا۔جس سے گودام بھر گئے الغرض جناب یوسفؑ نے اس خوش اسلوبی سے نظام مملکت چلایا اوراس طرح امن وخوشحالی کو عام کیا کہ سارا ملک آپ کا گرویدہ ہوگیا۔

تعبیرخواب کا دوسرا حصہ قحط سالی کے سات سال

اس کے بعد خواب کی تعبیر کا دوسرا حصہ سامنے آیا اور نہ صرف مصر میں بلکہ اس کے اردگرد بہت سے مما لک میں بھی شدید قحط پڑا جو برابر سات سال تک جاری رہا چونکہ مصروالوں نے تو پہلے سے اس کے لئے منصوبہ بندی کرلی تھی اس لئے انہیں توکسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔مگر دوسرے لوگ چونکہ اس صورت حال کے لئے تیار نہ تھے اس لئے انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اورمصر کی مرفہ الحالی اور خوش حالی کے واقعات سن کرلوگوں نے ادھر کارخ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب یوسفؑ نے اطراف واکناف سے آنے والےلوگوں کے لئے غلہ کی فروخت کا خاص اہتمام کررکھا تھا اورمناسب داموں پرایک شخص کوایک اونٹ کا بار دیا جاتا تھا اس طرح نہ صرف یہ کہ ملکی معیشت مستحکم رہی بلکہ لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں جس سے مصرکوخاص شہرت حاصل ہوئی۔

کنعان جو فلسطین کا حصہ ہے جسے جناب یعقوبؑ کا وطن ہونے کا شرف حاصل ہے یہ بھی اس قحط کی زد میں آ گیا اس لئے جناب یعقوبؑ نے مصر اور اس کے حاکم کی یہی اچھی شہرت سن کر اپنے ایک بیٹے بنیامین کو اپنے پاس رکھ کر باقی اپنے دس فرزندوں کو غلہ لینے کے لیے مصر بھیجا۔

اسی قحط کے دورہ کا ایک عجیب واقعہ

اسی دور میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جس کے تذکرہ میں بہت سا سامان عبرت موجود ہے مروی ہے کہ جناب یوسفؑ کے عزیز مصر کے عہدہ پر تقرری کے بعد بادشاہ مصر نے سابقہ عزیز مصر (زلیخا کے خاوند قطیفر) کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا اور وہ انہی قحط کے سات سالوں میں انتقال کر گیا اور اس طرح زلیخا جو اب بوڑھی بھی ہو چکی تھی بالکل بے سہارا ہو گئی اور اس کے ساتھ قلاش بھی ہو گئی لوگوں نے اسے بار بار مشورہ دیا کہ وہ جناب یوسفؑ سے ملے مگر وہ کہتی مجھے ان کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آخر کار وہ اس بات پر رضا مند ہو گئی اور جہاں سے جناب یوسفؑ نے شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ گزرنا تھا وہ راستہ میں ایک جگہ بیٹھ گئی اور جب آپ کی سواری وہاں سے گزرنے لگی تو اٹھ کھڑی ہوئی اور سامنے آ کر کہا **سبحان من جعل الملوك بالمعصية عبيداً والعبيد بالطاعة ملوكا**۔ پاک ہے وہ جس نے اطاعت گذاری سے غلاموں کو بادشاہ اور عصیاں کاری سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا جناب یوسفؑ نے یہ سن کر فرمایا کیا تو وہی ہے کہا ہاں وہی ہوں؟ فرمایا آیا اب بھی تجھے مجھ میں رغبت ہے؟ کہا اب جبکہ ہر طرح مایوس ہو چکی ہوں آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟ فرمایا مذاق نہیں کر رہا بلکہ حقیقتاً پوچھ رہا ہوں اس پر زلیخا نے کہا ہاں اب بھی رغبت ہے جناب یوسف نے حکم دیا کہ اسے ان کے دولت سرا پر لایا جائے چنانچہ جب وہ وہاں حاضر ہوئی تو جناب یوسفؑ نے شکوہ وشکایت کا دفتر کھولا اور فرمایا تو نے میرے ساتھ یہ کیا اور وہ کیا۔ زلیخا بولی اے اللہ کے نبی! میری ملامت نہ کریں بلکہ میری مجبوریوں پر نظر کریں کہ میں کن کن مشکلات میں مبتلا تھی؟ پوچھا وہ مشکلات کیا تھیں؟ کہا۔

۱۔ تیری محبت کے دام میں گرفتار ہوئی کیونکہ خدا نے تیرے جیسا کوئی حسین وجمیل شخص پیدا ہی نہیں کیا تھا۔

۲۔ پورے مصر میں مجھ سے بڑھ کر کوئی عورت نہ صاحب جمال تھی اور نہ صاحب مال۔

۳۔ پھر میرا شوہر نامرد بھی تھا۔ جناب یوسفؑ نے پوچھا اب تو کیا چاہتی ہے؟ بولی میں چاہتی ہوں کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میرے شباب کو لوٹا دے چنانچہ جناب نے دعا کی اور خدا نے اس کی جوانی لوٹائی اور جب جناب یوسفؑ نے اس سے شادی کی تو اسے باکرہ پایا اس وقت یوسفؑ نے کہا کیا یہ صورت اس سے بہتر نہیں

ہے جوتو چاہتی تھی؟ پھر اس عقد و ازواج کے نتیجہ میں ان کی اولاد بھی ہوئی یعنی دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ (تفسیر قمی و مجمع البیان)۔ کذلك نجزی المحسنین۔

جناب یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو پہچان لینا مگر ان کا یوسفؑ کو نہ پہچاننا

قرآن گواہ ہے کہ جب برادران یوسفؑ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا مگر وہ لوگ آپؑ کو نہ پہچان سکے خواہ اس وجہ سے کہ خدا نے خرق عادت کے طور پر کسی خاص مصلحت کے تحت یہ خصوصی انتظام کیا تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اور خواہ اس وجہ سے کہ یہ نہ پہچاننا عام عادی نظام اسباب کے تحت تھا اور یہی حقیقت ہے کیونکہ جب بھائی جدا ہوئے تھے اور برادران یوسف نے ان کو کنویں میں ڈالا تھا اور پھر فروخت کیا تھا تو اس وقت وہ قریباً سات سال کے بچہ تھے اور اب قریباً چالیس سال کے بھرپور جوان اور پھر شاہانہ لباس میں ملبوس اور شاہی تخت و تاج کے مالک ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جسے انہوں نے پہلے اندھے کنویں میں ڈالا تھا اور پھر چند درہموں کے عوض فروخت کیا تھا وہ آج سلطنت مصر کی کرسی اقتدار پر متمکن ہے اگرچہ قرآن خاموش ہے مگر نظام فطرت کے تحت جب اتنی مدت دراز کے بعد بھائی آپس میں ملے ہوں گے تو جناب یوسفؑ سے کچھ اپنے والد ماجد کے متعلق، کچھ بھائی کے متعلق اور کچھ دوسرے گھر والوں کے متعلق بھی اس طرح کے سوالات ضرور کئے ہوں گے کہ انہیں احساس بھی نہ ہو کہ جناب یوسفؑ ان کے نجی حالات سے واقف ہیں اور باتوں باتوں میں حقائق بھی کھل کر سامنے آجائیں اور کچھ حالات ان لوگوں نے بتائے ہوں گے مثلاً یہ کہ ان کے والد بہت بوڑھے ہیں، مالی پریشانی کا سامنا ہے اور ہم ایک سوتیلا بھائی ان کے ہاں چھوڑ کر باقی دس بھائی غلّہ لینے کے لئے یہاں آئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۱۔ قال ائتونی باخ لکم۔ الآیۃ۔

جناب یوسف کا اپنے بھائیوں کو شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرانا اور پھر غلہ دیکر رخصت کرنا

اس احوال پرسی اور سوال و جواب کے بعد جناب یوسفؑ نے بھائیوں کو شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرایا اور پھر مقررہ ضابطہ کے مطابق دس اونٹ کا بار غلہ دے کر باعزت رخصت کیا چونکہ جناب یوسفؑ ایک بار تو ایک آدمی کو ایک ہی شتر کا بار دیتے تھے مگر جب وہ غلہ ختم ہوجاتا تو دوبارہ دے دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ

آئین فطرت کے مطابق ضرور چاہتے ہوں گے کہ یہ لوگ دوبارہ آئیں اوران کے سگے بھائی کو بھی ہمراہ لائیں۔ اس لئے زبانی بھی کہا کہ ائتونی باخ لکم من ابیکم۔ یعنی جب دوبارہ آنا تو اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لیتے آنا ورنہ تمہیں غلہ نہیں ملے گا اور پھر اس مقصد کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان لوگوں نے نقدی یا زیور وغیرہ کی شکل میں غلہ کی جو قیمت ادا کی ہے چپکے سے اسے ان کے سامان میں رکھ دو کیونکہ وہ گھر پہنچ کر جب سامان کھولیں گے اورانہیں اس بات کا پتہ چلے گا تو وہ ضرور دوبارہ یہاں آئیں گے الغرض وہ لوگ آئندہ اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لانے کی کوشش کرنے کا وعدہ کر کے کنعان واپس چلے گئے۔

۲۲۔ فلما رجعوا الی ابیھم۔ الآیۃ۔

برادران یوسف کا اپنے والد ماجد سے بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جانے پر اصرار کرنا

چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ ان لوگوں نے واپسی پر اپنے والد ماجد کو سب حالات سفر اور جناب یوسفؑ کے حسن سلوک کے واقعات سنائے اور پھر یہ بھی بتایا کہ مصر کے والی نے تقاضا کیا ہے کہ ہم اپنے سوتیلے بھائی کو اب کی بار ہمراہ لے جائیں۔ مگر جناب یعقوبؑ نے انکار کر دیا پھر جب ان لوگوں پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ عزیز مصر نے انکی پونجی بھی واپس کر دی ہے تو وہ اور بھی اس کے زیر بار احسان ہوئے۔ اور پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر اس کے مطالبہ کو پورا کرنے کی کوشش شروع کی اور والد سے اصرار کرنا شروع کیا کہ وہ بنیامین کو ضرور ان کے ہمراہ بھیجیں۔ باپ بیٹوں میں جو سوال و جواب ہوا وہ قرآن میں مذکور ہے۔

بالآخر وہ ان سے اللہ کے نام کی قسم لینے اور اسکی حفاظت کا پختہ عہد و پیمان لینے کے بعد بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔

۲۳۔ قال یبنی لا تدخلوا۔ الآیۃ۔

جناب یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو ایک نصیحت اور اسکی وجہ؟

جناب یعقوبؑ نے احتیاطی تدبیر اور توکل علی اللہ کے درمیان توازن قائم کرتے ہوئے بیٹوں کو حکم دیا کہ جب مصر میں داخل ہونے لگو تو سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا کہتے

ہیں کہ مصر کے چار بڑے دروازے تھے چنانچہ یہ لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں چاروں دروازوں سے داخل ہوئے (مجمع البیان)۔ جناب یعقوبؑ نے یہ نصیحت کیوں کی اس سے ان کا مقصد کیا تھا؟ مفسرین نے اسکی دوتوجیہیں بیان کی ہیں۔

ا۔ایک یہ کہ جب گیارہ تندرست وتوانا آدمیوں کا جتھہ شہر میں داخل ہوتو لوگ یہ خیال کریں گے کہ یہ آزادقبائل کے آدمی ہیں جوقحط کے دنوں میں لوٹ مار کیلئے یہاں آئے ہیں اس طرح ان کوکوئی اذیت نہ پہنچائیں یاان کی شکل وصورت اور ظاہری وجاہت کودیکھ کرکچھ شریرلوگ ان کے پیچھے نہ لگ جائیں اوران کوکوئی ضرروزیاں نہ پہنچائیں یاان کےحسن وجمال اورشان وشوکت کودیکھ کران سے حسد نہ کریں اوران کے درپے آزارنہ ہوجائیں اوردربار میں ان کی کوئی غلط سلط شکایت کرکےان کوقیدنہ کرادیں۔

۲۔دوسری یہ ہے جسے اکثرمفسرین نے اختیارکیاہے کہ جناب نے اپنی اولادکونظربدکے اثرسے بچانے کے لئے یہ نصیحت کی تھی کہ جب یہ گیارہ بھائی جوتندرست وتوانابھی تھے اورحسین وجمیل بھی اکھٹے شہرمیں داخل ہوں توکہیں کسی شخص کی ان کونظربدنہ لگ جائے اورانہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے تمام محققین اسلام کا اس بات پراتفاق ہے کہ نظربدکالگنابرحق ہے حضرت رسول خداصلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مروی ہےفرمایا: ان العین لتدخل الرجل القبر والجمل القدر۔نظربدآدمی کوقبرمیں اوراونٹ کو ہانڈی میں پہنچادیتی ہے(مجمع البیان وتفسیرقرطبی) آج کے دورمیں نظروخیال کی کرشمہ سازی تو سائیٹفک طریقہ سے ثابت ہوچکی ہے جس طرح مضردوااورغذاسے آدمی کوضررپہنچ سکتاہے اسی طرح کسی آدمی کی نگاہ کی شعاعوں اوراسکی قوت خیالیہ کے بدآثارسے بھی نقصان پہنچ سکتا ہے اورسب سے بڑھ کرمشاہدہ اس کا شاہدہے اورمسمریزم اس کامؤیدہے متعددروایات میں واردہے کہ حضرت رسول خداصلی اللہ علیہ والہ وسلم حسنین شریفین کونظربدسے بچانے کے لئے یہ دعاپڑھاکرتے تھے۔ اعیذکمابکلمات اللہ التامہ من شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ۔ (مجمع البیان وتفسیرکبیررازی)اوروہ عوذۃ تفسیروں میں مذکورہے جوجناب جبرئیل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لائے تھے۔بسم اللہ ارقیک من کل عین حاسدٍ اللہ یشفیک۔(مجمع البیان)۔یہ بھی کتب ادعیہ میں مذکورہے کہ جب کسی آدمی کوکوئی چیزپسندآئےتواسےاپنی نظرسے بچانے کے لئے یااپنےمتعلق نظربدلگنےکااندیشہ ہو۔تواس کے ازالہ کے لئے تین باریہ پڑھے ''ماشاءلاقوۃ الاباللہ العلی العظیم'' اورمعوذتین(قل اعوذبرب الفلق اورقل اعوذبرب الناس) کاپڑھنا بالخصوص جب کوئی شخص بن سنورکرگھرسے نکلے اوربدنظرلگنے کاخطرہ ہومجرب ہے(مفاتیح الجنان) بہرحال جناب یعقوبؑ نے اس احتیاطی تدبیراختیارکرنے کی نصیحت کے ساتھ یہ وضاحت

بھی کردی کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ تدبیر خدا کی تقدیر سے بچا سکتی ہے خدا کی تقدیر اٹل ہے۔تدبیر

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

کی حقانیت ایک نا قابل انکار حقیقت ہے چنانچہ جناب یعقوبؑ نے اس حقیقت کا اظہار کردیا کہ میں تمہیں اللہ کی مشیت اور اسکی تقدیر سے بچا نہیں سکتا اور خدا نے بھی وضاحت کردی کہ اسکی بتائی ہوئی تدبیر خدا کی تقدیر کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آسکتی تھی ہاں البتہ یعقوبؑ کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انہوں نے پورا کیا تھا''۔

لمحۂ فکریہ

اس واقعہ میں ارباب عقل ودانش کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ جب اللہ کا ایک برگزیدہ نبی اپنی اولاد کو اللہ کی مشیت اور اسکی قضاوقدر کی گرفت سے نہیں بچا سکتا تو پھر روایتی پیروں فقیروں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے جن کو عوام کالانعام نہ صرف اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں بلکہ ان کو خدا کی تقدیر کو بدلنے والا مانتے ہیں بہرحال جناب یعقوبؑ کی اس نصیحت سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ ایک بندہ مومن کو نہ تو صرف ظاہری اسباب پر اس طرح بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ توکل علی اللہ سے بے نیاز ہوجائے اور نہ ہی صرف توکل پر اس قدر اعتماد کرنا چاہئے کہ ظاہری اسباب سے یکسر غافل ہوجائے بلکہ ان کے درمیان حسین امتزاج پیدا کرنا چاہئے یعنی جو کام اس کے کرنے کا ہے وہ ضرور کرے سعی وکوشش کرے اور اسباب والات کو جمع کرے مگر نتیجہ خدا کے سپرد کرے جو مسبب الاسباب ہے اور یہی توکل برخدا کا حقیقی مفہوم ہے جسے سمجھنے میں نہ صرف عوام بلکہ اکثر خواص بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ **فتدبر وتشکر**

آیات القرآن

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ

صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے (حقیقی) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس جگہ دی (اور آہستگی سے) کہا میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں بس تو اس پر غمگین نہ ہو جو کچھ یہ لوگ سلوک کرتے رہے ہیں (٦٩) پھر جب اس (یوسفؑ) نے ان کا سامان تیار کرا یا تو پانی پینے کا کٹورا اپنے (سگے) بھائی کے سامان میں رکھوا دیا پھر ایک منادی نے ندا دی کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو (٧٠) وہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور (پریشان ہوکر) کہا تم نے کونسی چیز گم کی ہے؟ (٧١) انہوں نے کہا کہ ہم نے بادشاہ کے پینے کا (قیمتی) کٹورا گم کیا ہے

اور جو اسے لائے گا اسے ایک بارشتر (غلہ) انعام دیا جائے گا اور میں (منادی) اس بات کا ضامن ہوں (۷۲) انہوں نے بخدا تم جانتے ہو کہ ہم اس لئے یہاں نہیں آئے کہ زمین میں فتنہ وفساد پھیلائیں اور نہ ہی ہم چور ہیں (۷۳) انہوں (ملازمین) نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو اس (چور) کی سزا کیا ہے؟ (۷۴) انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے مل جائے وہ خود ہی اس کی سزا ہے ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں (۷۵) تب یوسفؑ نے اپنے (سگے) بھائی کی خرجین سے پہلے دوسروں کی خرجینوں کی تلاشی لینا شروع کی پھر اپنے بھائی کی خرجین سے وہ گم شدہ کٹورا نکال لیا ہم نے اس طرح (بنیامین کو اپنے پاس رکھنے) کے لئے یوسفؑ کے لئے تدبیر کی کیونکہ وہ (مصر کے) بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا ہم جس کے چاہتے ہیں مرتبے بلند کر دیتے ہیں اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک عالم ہوتا ہے (۷۶) ان لوگوں (برادران یوسفؑ) نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس پر کیا تعجب اس سے پہلے اس کے ایک حقیقی بھائی نے بھی چوری کی تھی یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور ان پر ظاہر نہیں کیا (البتہ صرف اتنا) کہا تم بہت ہی برے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے (۷۷) انہوں نے کہا اے عزیز (مصر) اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے (وہ اسکی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا) اس لئے اسکی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم آپکو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں (۷۸) یوسفؑ نے کہا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) کہ ہم اس آدمی کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی اور شخص کو پکڑیں اس صورت میں تو ہم ظالم قرار پائیں گے (۷۹)۔

تشریح الالفاظ

۱۔سقایا۔ کے معنی پانی پینے کا برتن اور پانی پلانے کے ہیں۔ ۲۔ اذن کے معنی ندا دینے اور بلانے کے ہیں۔ ۳۔صواع کے معنی ہیں پانی پینے کا کٹورا۔ ۴۔ كذلك كدنا۔ یہاں کید کے معنی تدبیر کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۴۔ ولما دخلوا علی یوسف۔ الآیۃ

برادران یوسف کا بنیامین کو ساتھ لے کر مصر میں جناب یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہونا

یہ سب بھائی اپنے والد ماجد کی ہدایت کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہو کر مصر پہنچنے کے بعد جب جناب یوسفؑ کے دربار میں پہنچے تو رسمی سلام و کلام اور احوال پرسی کے بعد ان لوگوں نے جناب یوسفؑ سے کہا کہ یہ (بنیامین) ہمارا وہ بھائی ہے جس کے ہمراہ لانے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ اس پر آپ نے خوش ہو کر کہا بہت اچھا کیا۔ پھر ان کو شاہی مہمان کے طور پر ٹھہرایا۔ اور جب کھانے کا وقت ہوا تو انہوں نے دو دو مادری بھائیوں کو اکٹھا کھانا پیش کرنے کا حکم دیا اس طرح بنیامین تنہا رہ گئے۔ تو ان کی دلجوئی کرتے ہوئے ان کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ (مجمع البیان۔ قرطبی، طبری وغیرہ) اور کھانا کھا چکنے کے بعد جناب یوسفؑ نے اسی طرح دو دو مادری بھائیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرانے کا حکم دیا اور بنیامین کو اپنی مخصوص خواب گاہ میں ٹھہرایا۔

مفسر قمی نے بیان کیا ہے کہ بنیامین جب کنعان سے اپنے بھائیوں کے ہمراہ مصر کے لئے روانہ ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کھانا پینا ترک کیا ہوا تھا اور ان سے بول چال بھی بند تھی الغرض جب جناب یوسف اور بنیامین کو تنہائی میں اکٹھا بیٹھنے کا موقع ملا تو آپؑ نے بنیامین سے پوچھا کہ تو ان لوگوں کا بھائی ہے؟ کہا ہاں کہا تو پھر ان کے ساتھ اکٹھے کیوں نہیں بیٹھتے؟ کہا یہ لوگ ایک بار میرے مادری بھائی کو اپنے ساتھ لے گئے تھے مگر واپس نہ لائے اور کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے اس دن سے میں نے ان سے علیحدہ رہنے کی قسم کھائی ہوئی ہے اس موقع پر جناب یوسفؑ نے اس سے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرا بھائی بنوں؟ کہا آپ جیسے بھائی کا کیا کہنا مگر آپ کو یعقوب وراحیل نے تو جنم نہیں دیا اس وقت جناب یوسفؑ نے اس سے معانقہ کرتے ہوئے کہا ہاں مجھے یعقوب وراحیل نے ہی جنم دیا ہے اور بالکل راز فاش کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ تیرا وہ بھائی یوسف میں ہی ہوں ان لوگوں کی کارستانی پر غمگین نہ ہو اس ناگہانی خوشخبری پر بنیامین بہت خوش وخرم

ہوااور خدا کی حمد وثنا کی (تفسیر کاشف وغیرہ) عقل شاہد ہے کہ جب مدت کے بعد یہ دونوں حقیقی بھائی اکٹھے ہوئے گے تو دونوں نے اپنی اپنی داستان غم اور روئیداد الم ضرور سنائی ہوگی۔ جناب یوسفؑ نے اندھے کنویں میں ڈالے جانے سے لے کر تخت مصر پر فائز ہونے تک کے واقعات سنائے ہوں گے اور بنیامین نے ان کے فراق کی کلفتیں اور بھائیوں کی بدسلوکیوں کے حالات بتائے ہوں گے اور عین ممکن ہے کہ اسی موقع پر جناب یوسفؑ نے بنیامین کو اعتماد میں لے کر ان کو مصر میں اپنے ساتھ ٹھہرانے کے لئے کسی مناسب تدبیر کے اختیار کرنے کی منصوبہ بندی کی ہو جس کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۲۵۔ فلما جهزهم۔ الآية۔

بنیامین کو مصر میں رکھنے کی خدائی تدبیر

نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جب عرصہ دراز کے بعد دو ماں جائے بھائی اکٹھے ہوئے ہوں گے تو مصر کے تاج وتخت کے مالک یوسفؑ ضرور چاہتے ہوں گے کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور بنیامین بھی ہرگز اس بات کو پسند نہ کرتے ہوں گے کہ یوسفؑ کو چھوڑ کر ان ستم کیشوں کے ساتھ واپس جائیں مگر مشکل یہ درپیش تھی کہ ملکی قانون کے مطابق وہ بنیامین کو ان کے بڑے بھائیوں کی رضامندی کے بغیر اپنے پاس رکھ نہیں سکتے تھے لہٰذا اسے اپنے پاس رکھیں تو کس طرح؟ ابھی حقیقت حال کو آشکارا کرنے کا وقت آیا نہیں ہے اور ہنوز قدرت کو جناب یعقوبؑ کے صبر وضبط کا مزید امتحان لینا اور فراق یوسفؑ کے ساتھ ساتھ بنیامین کے فراق میں بھی مبتلا کرنا مقصود ہے اور اسی وجہ سے باشارہ وحی ربانی جناب یوسفؑ نے اپنے والد ماجد سے تا حال کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی انہیں اپنے حالات وکوائف سے آگاہ کیا ہے ورنہ وہ ان سے رابطہ قائم کرتے اور حالات سے آگاہ بھی کر سکتے تھے چنانچہ یہ طے پایا کہ ایک قیمتی کٹورا بنیامین کے سامان میں رکھا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ شاہی کٹورا کوئی معمولی کٹورا تو نہیں ہو سکتا تھا اور تلاشی لینے پر جب وہ ان کے سامان سے برآمد ہوگا تو خود ان لوگوں کے آئین کے مطابق بنیامین کو روکنے کی صورت پیدا ہو جائے گی باقی رہا اس طرح چوری کا الزام لگنا تو جب بنیامین نے خود اسکی اجازت دے دی تو یہ اشکال بھی رفع ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ کاروائی خدا کے حکم کے تحت عمل میں لائی گئی جیسا کہ کذلک کدنا لیوسف سے ظاہر ہے چنانچہ جب ہر ہر بھائی کا غلہ ان کے مخصوص اونٹوں پر لادا گیا تو بنیامین کے سامان میں وہ شاہی پیالہ چپکے سے رکھ دیا گیا۔ ''ثم اذن مؤذن کی لفظ بتاتی ہے کہ جب قافلہ روانہ ہو گیا اور کارندوں کو وہ قیمتی پیالہ نہ ملا تو انہوں نے خیال کیا کہ چونکہ

جوان لوگوں کے سوا اس محل میں اور کوئی نہیں آیا لہٰذا وہی پیالہ لے گئے ہیں ان کے پیچھے کچھ آدمی دوڑائے گئے اور منادی کرائی گئی اے قافلہ والو رک جاؤ تم چور ہو وہ لوگ یہ سنگین الزام سن کر مبہوت ہو گئے اور جھپٹ کر منادی کرنے والوں کی طرف مڑے اور پوچھا ''تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے''؟ انہوں نے کہا بادشاہ کا مخصوص کٹورا گم ہو گیا ہے اور دیکھو جو شخص اسے لا دے اسے ایک بار شتر انعام دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا اپنی صفائی پیش کی اور کہا خود تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں کوئی شرارت کرنے یا فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے (بلکہ غلہ لینے کے لئے آئے ہیں) اور ہم چور نہیں ہیں۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے سفر سے لوٹ کر کنعان گئے تھے اور سامان کھولنے پر ان کو معلوم ہوا تھا کہ سامان کے اندر انکی ادا کردہ پونجی (قیمت) بھی موجود ہے تو انہوں نے یہ خیال کر کے شاید عزیز مصر کے کارندوں سے غلطی ہوئی ہیاس لئے وہ اس سفر میں وہ پونجی بھی ساتھ لائے تھے اور واپس کرنے کی کوشش بھی کی تھی لہٰذا ان کے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ ''تم خوب جانتے ہو کہ ہم اس سرزمین میں فساد برپا کرنے نہیں آئے (مجمع البیان) مگر کارندے اس سے مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو پھر اسکی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ چور کی اسرائیلی شریعت میں سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے مسروقہ مال نکلے وہی شخص اس کی سزا ہے کہ اسے غلام بنالیا جائے الغرض پھر تلاشی شروع ہوئی اور اس کا آغاز بڑے بھائی کے سامان سے ہوا اور یکے بعد دیگرے سب کے سامان کی تلاشی لی گئی مگر کسی سے وہ پیالہ برآمد نہ ہوا بالآخر جب بنیامین کی خرجین کی تلاشی لی گئی تو اس سے پیالہ برآمد کر لیا چنانچہ بنیامین کو پکڑ کر جناب یوسفؑ کے حوالے کر دیا گیا اور وہ اس تدبیر سے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرانے میں فائز المرام ہو گئے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ جناب یوسفؑ نے باوجود معصوم ہونے کے یہ کس طرح گوارا کیا کہ بے قصور بھائیوں پر چوری کا الزام لگائیں اور خفیہ تدبیریں کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرائیں؟؟ اس سوال کا جواب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ دیا ہے کہ ان کو جو چور کہا گیا ہے تو اسلئے نہیں کہ انہوں نے عزیز مصر کا پیالہ چرایا تھا بلکہ اس لئے کہ انہوں نے جناب یوسفؑ کو ان کے والد سے چرایا تھا (تفسیر قمی صافی) اور جہاں تک خفیہ تدبیر کے اختیار کرنے کے لیے اس کا جواب خود قرآن میں موجود ہے خدا فرماتا ہے کہ ''کذلك کدنالیوسف علیہ السلام'' کہ بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ تدبیر ہم نے یوسفؑ کو بتائی تھی اور پھر انہوں نے بنیامین کو اعتماد میں لے کر یہ تدبیر اختیار فرمائی۔ جیسا کہ پہلے اس پر تبصرہ کیا جاچکا ہے تو جب یہ سب

کچھ خدا کی مشیت اور اسکے حکم سے ہوا ہے تو پھر اسے ناجائز کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۲۶۔ قالوا ان یسرق۔ الآیۃ۔

بہرحال اس واقعہ کے بعد برادران یوسف نے پہلا اور فوری ردعمل تو یہ ظاہر کیا کہ کہا ''اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو اس میں کیا تعجب کی بات اس سے پہلے اس کا ایک بھائی (یوسف) بھی چوری کر چکا ہے''۔ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا اگر جناب یوسف صبر وضبط کا مظاہرہ نہ کرتے تو پھٹ پڑتے اور انکی تکذیب کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرنا شروع کر دیتے اور اسطرح قبل از وقت راز فاش ہو جاتا مگر انہوں نے یہ بات اپنے دل میں چھپائے رکھی ان پر ظاہر نہ کی۔ ہاں البتہ صرف اتنا کہا اور وہ بھی غالباً دل میں ''تم بہت ہی برے لوگ ہو''۔

جناب یوسفؑ پر چوری کرنے کے الزام کی اصل حقیقت؟

اس معاملہ کی حقیقت حضرت امام رضا علیہ السلام سے یوں مروی ہے کہ جناب کی ایک پھوپھی تھی جناب یوسف کی والدہ کی وفات کے بعد انکی تربیت ان موصوفہ کے سپرد کی گئی جب جناب یوسف کچھ بڑے ہوئے تو جناب یعقوب نے اپنی بہن سے کہا کہ اب بچہ واپس کریں چونکہ انہیں یوسف سے بے حد پیار تھا اس لئے ان پر یوسف کی جدائی بڑی شاق گذری اور انہیں اپنے پاس رکھنے کے لئے یہ حیلہ کیا کہ اس کے پاس جناب اسحاقؑ کا ایک کمر بند تھا جو وراثت میں انہیں ملا تھا وہ ان کی کمر میں باندھ دیا اور آپ کے چلے جانے کے بعد ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ یہ کمر بند چرا کر لے گئے ہیں اور اس بہانہ سے انہیں اپنے پاس رکھا اور اسرائیلی قانون کے مطابق انہیں وہاں رہنا پڑا (عیون الاخبار، تفسیر عیاشی وغیرہ)۔ اور ان لوگوں کا دوسرا ردعمل یہ تھا کہ جناب یوسف سے استدعا کی کہ اس (بنیامین) کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے وہ اسکی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا لہٰذا آپ مہربانی کر کے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے! مگر جناب یوسف نے یہ کہہ کر انکی یہ استدعا رد کر دی کہ پناہ بخدا! کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس سے ہمارا سامان نکلا ہے کسی اور کو پکڑیں اس صورت میں تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

تقیہ وتوریہ کا ثبوت

توریہ کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید اب متکلم جب وہ لفظ استعمال کرے تو وہ اپنے دل میں اسکے بعید معنی کا ارادہ کرے مگر مخاطب اس کے قریب والے معنی سمجھے جیسے کسی

شخص سے کوئی ادھار پر رقم مانگے اور یہ اسکے نادہندہ ہونے یا کسی اور وجہ سے دینا نہ چاہے تو کہہ دے میرے پاس رقم نہیں ہے اب اس جملہ کے ایک معنی قریب ہیں کہ میرے پاس یعنی سرے سے ہی رقم نہیں ہے (اور مخاطب یہی سمجھے گا) اور دوسرے معنی بعید ہیں کہ اس وقت میری جیب میں رقم نہیں ہے (متکلم اس معنی کا ارادہ کرے) اس طرح آدمی جھوٹ بولنے سے بھی بچ جاتا ہے اور مطلب برآری بھی ہو جاتی ہے یہاں اسی توریہ کا امکان ہے کہ یہاں توریہ سے کام لیا گیا ہے۔ اے قافلہ والو! تم چور ہو مخاطبین یہ سمجھیں گے کہ کٹورا چور ہو حالانکہ منادی کا ارادہ یہ تھا کہ تم یوسفؑ کے چور ہو۔ انہیں ان کے والد سے چرایا تھا اور تقیہ یہ ہے کہ کسی اہم دینی یا دنیوی مقصد و مصلحت کی بنا پر خلاف واقع کوئی بات ظاہر کی جائے اور یہ قرآن وسنت کی تصریحات اور عقل وخرد کے بیّنات سے ثابت ہے اور اس موضوع پر آیت الاٰن تتقوا تقاۃً کی تفسیر میں تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔

آیات القرآن

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۝۸۰ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ۝۸۱ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝۸۲ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝۸۳ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۝۸۴ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا

أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

ترجمۃ الآیات

پھر جب وہ لوگ اس (یوسفؑ) سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ جا کر باہم سرگوشی (مشورہ) کرنے لگے جوان میں (سب سے) بڑا تھا اس نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ (بنیامین کے بارے میں) خدا کے نام پر تم سے عہد و پیمان لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں جو تقصیر تم کر چکے (وہ بھی تم جانتے ہو) اس لئے میں تو اس سرزمین کو نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا پھر اللہ میرے لئے کوئی فیصلہ نہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۸۰) لہٰذا تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس

جاؤاور جا کر کہواے ہمارے باپ! آپکے بیٹے (بنیامین) نے چوری کی ہے اور ہم نے اسی بات کی گواہی دی ہے۔جس کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کی نگہبانی کرنے والے نہیں (غیبی باتوں کی ہمیں خبر نہیں ہے) (۸۱) اور آپ اس بستی (مصر) کے لوگوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور قافلہ والوں سے دریافت کیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں (۸۲) آپؑ نے (یہ قصہ سن کر) کہا (ایسا نہیں ہے) بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لئے گھڑ لی ہے (اور خوشنما کر کے سمجھائی ہے) تو اب (میرے لئے) صبر جمیل ہی اولی ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو میرے پاس لائے گا بے شک وہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے (۸۳) (یہ کہہ کر) ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف (ہائے یوسف) اور رنج وغم (کی شدت) سے (رو رو کر) انکی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ (باوجود مصیبت زدہ ہونے) کے بڑے ضبط کرنے والے اور خاموش تھے (۸۴) ان لوگوں (بیٹوں) نے کہا خدا کی قسم معلوم ہوتا ہے کہ آپ برابر یوسفؑ کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ سخت بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے (۸۵) آپؑ نے کہا کہ میں اپنے رنج وغم کی شکایت بس اللہ ہی سے کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (۸۶) اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اسکے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔(۸۷) (چنانچہ حسب الحکم) جب یہ لوگ (مصر گئے) اور یوسف کے پاس پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچی ہے۔

(اس لئے اب کی بار) ہم بالکل حقیر سی پونجی لائے ہیں (اسے قبول کریں اور) ہمیں پیمانہ پورا ناپ کر دیجئے (بھرپور غلہ دیجئے) اور (مزید برآں) ہم کو صدقہ وخیرات بھی دیجئے بے شک اللہ صدقہ خیرات کرنے والوں کو جزاء خیر دیتا ہے (۸۸) آپؑ نے کہا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اسکے (سگے) بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جبکہ تم جاہل ونادان تھے (۸۹) اس پر وہ لوگ چونکے اور کہا کیا تم یوسف ہو؟ کہا ہاں میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا بے شک جو پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام

لیتا ہے(وہ بالآخرضرور کامیاب ہوتا ہے کیونکہ) اللہ نیکوکاروں کا اجرضائع نہیں کرتا(۹۰)انہوں(بھائیوں)نے (شرمسار ہوکر) کہا بے شک ا للہ نے تمہیں ہم پر برتری عطا فرمائی ہے اور بے شک ہم خطا کار ہیں(۹۱) آپؑ نے کہا آج تم پر کوئی الزام(اورلعنت ملامت) نہیں ہے اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ بڑا رحم کرنے والا(مہربان)ہے(۹۲)(بعدازاں) کہا میری قمیص لے جاؤ اوراسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو انکی بینائی پلٹ آئے گی (وہ بینا ہو جائیں گے)اور پھر اپنے سب اہل وعیال کو(یہاں)میرے پاس لے آؤ(۹۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔خلصوا نجیا۔کامفہوم ہے علیحدہ سرگوشی کرنے لگے۔۲۔العیر۔اسکے معنی قافلہ کے ہیں۔
۳۔ کظیم کے معنی مصیبت زدہ اورضبط کرنے والے کے ہیں۔۴۔حرضا۔کے معنی بدن یاعقل کی خرابی کے ہیں۔۵۔بضاعۃ مزجاۃ۔کے معنی بالکل حقیر پونجی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۷۔فلما۔استیئسوا۔الآیۃ۔

برادران یوسفؑ کا واپس کنعان آنا اور باپ کو ساری سرگذشت سنانا؟

قرآن کا بیان ہے کہ جب برادران یوسفؑ عزیز مصر(یوسفؑ کی) منت سماجت اوران سے عذرومعذرت کرکے تھک گئے اور بنیامین کی بازیابی سے بالکل مایوس ہوگئے تو بے حد پریشان ہوئے اور علیحدہ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے؟اوران کے لئے یہ تصور سوہان روح بنا ہوا تھا کہ آپ اپنے باپ کو کیا منہ دکھائیں گے جن سے بڑے پکے عہدوپیمان کئے تھے کہ وہ بھائی کوضرور واپس لائیں گے چنانچہ بڑے بھائی نے تو صاف کہہ دیا کہ جب تک باپ اجازت نہ دے یا خدا کوئی دوسرا فیصلہ نہ کرے میں تو یہیں رہوں گا البتہ تم واپس وطن جاؤاور جا کر باپ کو سارے حالات کی روداد سناؤ اورانہیں بتاؤ کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے جس کی

پاداش میں اسے غلام بنالیا گیا ہے اور ہم نے اپنے علم کے مطابق گواہی دی ہے اور ہم عالم الغیب نہیں ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت الامر کیا ہے جب ہم نے بنیامین کو واپس لانے کا عہدو پیمان کیا تھا تو ہمیں علم نہیں تھا کہ کیا حالات رونما ہوں گے اگر ہماری بات پراعتبار نہ ہو تو پھر مصر والوں سے اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جو اسی کنعان سے مصر گئے تھے اور ہمارے ساتھ واپس آئے ہیں۔ مفسرین میں قدرے اختلاف ہے کہ یہاں بڑے ہونے سے کیا مراد ہے عمر میں یا عقل میں یا ہر دو میں بڑا ہونا؟ مشہور پہلی بات ہے اگر چہ آخری بات قوت سے خالی نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑے بھائی کا نام یہودا مروی ہے (تفسیر عیاشی) اور بعض مفسرین نے اس کا نام لاوی (تفسیر قمی) اور بعض نے روبین لکھا ہے (مجمع البیان) اور یہی وہ بھائی ہے جس نے بھائیوں کو جناب یوسف کے قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ الغرض جب باقی نو بھائی غلہ لے کر واپس کنعان پہنچے اور جب جناب یعقوبؑ نے یہودا اور بنیامین کو حاضر نہ پایا تو ان کے بارے میں استفسار کیا اور بھائیوں نے ساری داستان اور سرگذشت سنادی۔

۲۸۔ وماشهدنا۔ الآية۔

اس بیان سے مستفاد ہوتا ہے کہ گواہی دینے کا دارومدار علم پر ہے خواہ وہ چشم دید واقعات سے حاصل ہو یا کسی ثقہ آدمی کی خبر دینے سے الغرض آدمی اپنے علم کے مطابق گواہی دے سکتا ہے اس میں نفس الامری حقیقت کا جاننا ضروری نہیں ہے اور بالکل اسی طرح باہمی معاہدات بھی ظاہری حالات کے مطابق ہوتے ہیں اور آدمی انہی کا پابند ہوتا ہے اور جو چیز آدمی کے علم ودانست سے باہر ہو اس پر اس معاہدہ کی پابندی عائد نہیں ہوتی بہرحال جب ان لوگوں نے باپ کو یہ عام سرگذشت سنائی جس میں بنیامین کے چوری کرنے کا تذکرہ تھا تو جناب یعقوبؑ نے تصدیق کرنے کی بجائے فرمایا: بل سولت لکم انفسکم یہ بات تمہارے نفسوں نے بنائی ہے اور تمہیں خوشنما و آسان کر کے سمجھائی ہے بہرکیف اب میرے لئے صبر جمیل ہی اولیٰ ہے مجھے اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ وہ طویل شب فراق کے بعد ضرور صبح وصال لائے گا اور میرے بچھڑے ہوئے سب بیٹے مجھ سے ملائے گا۔

۲۹۔ بل سولتکم۔ الآية۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

یہاں یہ ایراد کیا جاتا ہے کہ جب برادران یوسف نے باپ سے جا کر کہا تھا کہ

انہیں بھیڑیا کھا گیا تو اس وقت آپ نے یہی الفاظ کہے تھے بل سولت لکم انفسکم (تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لئے آسان وخوشنما بنائی ہے) اس وقت تو یہ بات بالکل صحیح تھی مگر اب جو آپؑ نے برادران یوسف کی داستان سن کر یہی الفاظ کہے اس کا جواز کیا ہے؟ جبکہ اِبکی مرتبہ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں تھا؟ اس ایراد کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ برادران یوسف کی پہلی کارستانی دیکھ کر جناب یعقوبؑ کا ان لوگوں سے اعتبار اٹھ گیا تھا اس لئے یہ فرمایا اور اگر یہاں یہ کہا جائے کہ کسی شخص یا چند اشخاص کی سابقہ غلطی پر قیاس کر کے خلاف واقعہ کوئی بات کرنا کسی نبی کے شایان شان نہیں ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جناب یعقوبؑ نے بالکل سچ کہا تھا یہ بات بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی تھی فرق صرف اس قدر تھا کہ پہلی بات برادران یوسف نے گھڑی تھی اور اب کی بار یہ داستان خود جناب یوسفؑ نے (خدا کے سمجھانے) سے بنائی تھی آخر جناب یوسفؑ بھی تو جناب یعقوبؑ کے ہی بیٹے تھے۔

جناب یعقوبؑ کا ہائے یوسفؑ کہہ کر گریہ وبکاء کرنا

جناب یعقوبؑ کیلئے یوسفؑ جیسے بیٹے کی جدائی کا صدمہ ہی کیا کم تھا کہ اب رہی سہی کسر بنیامین کی مفارقت نے پوری کر دی پیرانہ سالی اور پھر پیہم ایسے جانگداز صدمات۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ جناب یعقوبؑ کا حزن وملال کس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ فرمایا ان ستر بوڑھی عورتوں کے غم کے برابر تھا جن کے جوان بیٹے مر جائیں (قمی، صافی) نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ حضرات ہوئے ہیں ان میں سے ایک یعقوبؑ بھی ہیں (کتاب الخصال)

الغرض اسی درد فراق کا نتیجہ تھا کہ آپ شدت غم سے بالکل نڈھال ہو گئے اور داد وفریاد شروع کر دی یا اسفی علی یوسف ہائے یوسفؑ۔ ہائے یوسفؑ۔ قرآن گواہ ہے کہ رنج وغم سے روتے روتے آپکی آنکھیں سفید ہو گئیں یعنی بینائی ختم ہو گئی اور حدیث نبویؐ میں وارد ہے کہ کلمہ استرجاع (یعنی مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون) پڑھنا صرف امت محمدیہ کو دیا گیا ہے۔ اور کسی امت کو نہیں دیا گیا۔ اس لئے جناب یعقوبؑ نے ''یا اسفی علی یوسفؑ'' کہا تھا۔ (تفسیر صافی وابن جریر طبری)۔

۳۰۔ قالوا تاللہ۔ الآیۃ۔

اولاد کا باپ پر اعتراض اور باپ کا جواب

جناب یعقوبؑ کی اولاد نے جب اپنے باپ کو فراق یوسفؑ میں ہر وقت ماہی بے آب کی طرح تڑپتے

اوراشک غم بہاتے ہوئے دیکھاتو کہنے لگے کہ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہاتوہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ سخت بیمار نہ ہوجائیں یااس غم میں گھل گھل کرجان سے ہاتھ نہ دھوبیٹھیں۔ آپ نے جواب میں فرمایامیں اپنے دکھ درداوررنج وغم کی شکایت وحکایت اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کررہاہوں یعنی کسی بندہ سے تواپنے دکھ درد کی شکایت نہیں کررہا۔ اوریہی صبرجمیل ہے۔ کہ اپنے رب جلیل کی طرف سے جس قدرمصائب وشدائدپیش آئیں آدمی صبروضبط کادامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اوراپنے پروردگار کے سواکسی بندہ سے کوئی شکوہ وشکایت نہ کرے(تفسیر صافی وقرطبی)اوریہ ہرمسلمان کافریضہ ہے کیونکہ ہرمشکل کاحل صبرہےاورہرغم کاتریاق صبرہے۔ **الصبرمفتاح الفرج** صبرہرکشائش کارکی چابی ہے۔

کسی کے غم میں رونا بےصبری نہیں ہے

جناب یعقوبؑ کے حالات وواقعات سے روزروشن کی طرح واضح وآشکارہوتاہے کہ کسی عزیزکی موت یامفارقت کے دکھ دردوغم واندوہ سے متاثرہوکرگریہ وبکااورآہ وفغاں کرنااوراپنے دکھ درد کی صرف اپنے پروردگار سے شکوہ وشکایت کرناہرگزبےصبری نہیں ہے بلکہ صبرہے بلکہ صبرجمیل ہےتو پھربےصبری کیاہے؟اس سوال کاجواب یہ ہے کہ پہلےصبرکی تعریف معلوم کرنی چاہیے۔ کہ صبرنام ہے''**کف النفس عمالاینبغی**'' کہ نفس کوغیرشائستہ قول وفعل سے بازرکھنابریں بموجب **اینکه وبضدھاتتبین الاشیاء**۔ بےصبری نام ہےخدا کی نازل کردہ مصیبت اورتکلیف پرخدااوراسکی قدروقضاپرزبان اعتراض درازکرنااورکوئی ایسی حرکت کرناجوعقلاءروزگار کی نگاہ میں مذموم ہولہٰذاقانون قدرت اورآئین فطرت میں رونانہ ممنوع ہےاورنہ بدعت ہے بلکہ سنت نبویہ ہے چنانچہ بخاری شریف میں مذکورہے کہ جب پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات پرزاروقطاررورہے تھےتوعبدالرحمن بن عوف نے عرض کیا **انت والبکاء**؟ یارسول اللہ آپ روتے ہیں؟ فرمایا **العین تدمع والقلب یحزن ولکن لانقول مایسخط الرب وانابفراقك یاابراھیم لمحزونون**۔

آنکھ آنسوبہارہی ہے اوردل غمگین ہےلیکن ہم زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جوہمارے پروردگارکوناراض کردے پھرفرمایااے ابراہیم! ہم تیری جدائی پرغمگین ہیں اورمشکوۃ المصابیح اورترمذی شریف سے بروایت جناب ام سلمہ وجناب ابن عباس رضی اللہ عنھما سے ثابت ہے کہ انہوں نے خواب میں روزعاشور ۶۱ءمیں حضرت رسول خداؐ کواس حال میں دیکھا کہ **علی راسه ولحیته التراب** کہ آپ زاروقطارروبھی رہے تھےاورسروریش میں خاک بھی ڈالی ہوئی تھی انہوں نے پوچھایارسول اللہ! آپ نے یہ کیاحالت بنارکھی ہے؟

فرمایا "حضرت مقتل الحسین انفا" کہ میں ابھی ابھی حسینؑ کی قتل گاہ میں حاضر تھا اور وہاں سے آرہا ہوں۔

لمحۂ فکریہ:۔

قرآن وسنت کے ان حقائق کی روشنی میں ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو عام مرنے والوں کے غم میں رونے کو عموماً اور سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے غم میں خصوصاً رونے رلانے اور آہ وفغاں کرنے کو ناجائز و بدعت کہا کرتے ہیں ان حقائق سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی عزیز کی جدائی پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اشک غم بہانا نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے آخر جناب یوسف بھی تو زندہ ہی تھے نیز ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ:۔

توہین ومصائب پہ بہالیتے ہیں آنسو
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

۳۱۔ یبنی اذھبوا۔ الآیۃ۔

جناب یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کو جناب یوسفؑ اور ان کے بھائی کو تلاش کرنے کے لیے مصر بھیجنا

جناب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ اے بیٹو! ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسفؑ اوران کے بھائی کا جا کر کوئی سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت وکشائش سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ کافروں کے سوا اور کوئی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔

اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونے کا مطلب ظاہری وسائل سے دستبرداری نہیں ہے

جناب یعقوبؑ نے بیٹوں کو جناب یوسف اور انکے بھائی کی تلاش میں مصر جانے کا حکم دے کر اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے کی ممانعت کر کے یہ حقیقت واضح کردی کہ اللہ کی رحمت کی امید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی امید و آس پر بھروسہ کر کے آدمی بیٹھ جائے اور کوئی سعی وکوشش نہ کرے۔ بلکہ بتادیا کہ کسی امید کے

کامیابی سے ہمکنار ہونے کی شرط اولین سعی وکوشش کرنا ہے۔
کیونکہ امید عمل کے ساتھ اور ناامیدی سہل انگیزی کے ساتھ وابستہ ہے لہٰذا حالات حاضرہ کا عقلمندی سے مقابلہ کر کے اپنی کامیابی کی امید رکھنا ہی دانشمندی ہے۔ وبس۔

بقدر الکد تتفسم المعالی
ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی۔

الغرض برادران یوسف تیسری بار مصر گئے اور چونکہ ہنوز قحط سالی کا سلسلہ جاری تھا لہٰذا عزیز مصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مالی مشکلات کا کچھ اس انداز سے تذکرہ کیا کہ حالات ناگفتہ بہ ہیں نوبت فاقوں تک پہنچ چکی ہے اور گھر کا سب ساز وسامان بک چکا ہے۔ اس لئے ہم اب کی بار بالکل حقیری پونجی لائے ہیں۔ لہٰذا مہربانی فرما کر نہ صرف ہمیں پورا غلہ دیں بلکہ کچھ صدقہ وخیرات بھی دیں کیونکہ ہم اسکے مستحق ہیں۔

۳۲۔ قال هل علمتم۔ الآیۃ۔

جناب یوسف راز فاش کرتے ہیں

جب عزیز مصر نے جو دراصل جناب یوسفؑ تھے اپنے خاندان کے حالات سنے اور بھائیوں کو دیکھا کہ سامنے کھڑے ہوئے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو ان کا دل بھر آیا اور رحم وشفقت نے جوش مارا اور سارا راز فاش کرتے ہوئے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ پھر بعض اخبار وآثار کے مطابق سونے پر سہاگے کا کام اس خط نے دیا جو جناب یعقوب نے عزیز مصر کے نام لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم عدل کے ظاہر کرنے والے اور پورا ناپنے تولنے والے عزیز مصر کے نام منجانب یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمن جسے نمرود نے آگ میں جلانا چاہا تھا مگر خدا نے اسے بردوسلام بنا دیا تھا میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ ہمارے خاندان کو ہمیشہ آزمائش کی مختلف کٹھالیوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ پہلے میرے باپ دادا کا امتحان لیا گیا اور اب میں برابر بیس سال سے اپنے عزیز ترین یوسف نامی بیٹے کی جدائی کی آزمائش میں مبتلا ہوں اسکے سوتیلے بھائی اسے اپنے ہمراہ لے گئے اور شام کو جب واپس آئے تو اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے اور کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا اس کے فراق میں رو رو کر میری بصارت جاتی رہی ہے اور کمر جھک گئی ہے اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی تھا جو مجھ مصیبت زدہ کی کچھ تسلی کا باعث تھا جسے تم نے اصرار کر کے اپنے ہاں بلوایا اور پھر اس پر چوری کا الزام لگا کر اسے روک لیا میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم

خاندان نبوت ہیں ہم کبھی چوری نہیں کرتے لہٰذا اسے رہا کر کے مجھے ممنون احسان بنائیں۔ والسلام۔(مجمع البیان، صافی قرطبی، مظہری وغیرہ)۔ الغرض بھائیوں کی حالت زار دیکھ کر اور باپ کا یہ خط پڑھ کر اب یوسف کو تاب ضبط نہ رہی بلکہ بے اختیار رونے لگے اور پوچھا کہ تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے جہالت کے عالم میں یوسفؑ اور اسکے سگے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ عزیز مصر سے یہ بات سن کر بھائی چونکے! عزیز مصر اور یوسف کا اس طرح تذکرہ۔ یہ کیا بات ہے؟ اب جو عزیز کی شکل وصورت اور آواز اور حرکات وسکنات پر غور کیا تو انہیں صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسف کی مانند ہے حیران ہو کر پوچھا کیا در اصل تم ہی یوسف ہو؟ اس استفہام نے وہ تمام کیفیتیں واضح کر دیں جو یہ منظر دیکھ کر برادران یوسف کے دل ودماغ پر حاوی ہو گئی تھیں۔ اور وہ تمام بدسلوکیاں جو انہوں نے یوسف کے ساتھ کی تھیں وہ ایک ایک کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ فرمایا! ہاں میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ میرا (سگا) بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا خاص انعام واحسان فرمایا ہے (کہ ہمیں تقویٰ وصبر کی صفتوں سے نوازا) بے شک جو پرہیزگاری اختیار کرے اور مصائب وشدائد میں صبر وضبط سے کام لے جو کہ کامیابی وکامرانی کی کلید ہیں تو اللہ کبھی نیکی اور بھلائی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا مخفی نہ رہے کہ جناب یوسف نے بھائیوں کے لئے جب کہ تم جاہل تھے کیوں فرمایا اسکی وجہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مروی ہے فرمایا جب کوئی بندہ کوئی گناہ وعصیاں کرتا ہے تو اگرچہ عالم بھی ہو تو وہ اس وقت جاہل متصور ہوتا ہے۔(مجمع البیان)

۳۳۔ لاتثریب علیکم۔ الآیۃ

یہ معلوم کر کے بھائیوں کے سر ندامت سے جھک گئے اور پانی پانی ہو گئے اور جناب یوسفؑ کے فضل وکمال کا اقرار اور اپنے جرم وخطا کا اظہار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا چنانچہ سب بھائی بولے تاللہ لقد اثرك الله۔ خدا کی قسم خدا نے آپ کو ہم پر برتری عطا فرمائی اور ہم خطا کار ہیں۔ بھائیوں کا اقرار جرم اور اظہار ندامت سن دیکھ کر کریم الطبع یوسف کو جوش آیا اور زیادہ دیر تک اپنے مجرم بھائیوں کو پریشان حال دیکھنا گوارا نہ کیا فوراً فرمایا: لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ آج کے دن تم پر کوئی زجر وتوبیخ نہیں ہے پھر اللہ سے دعا کی یغفر الله لکم۔ اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے۔

پیغمبر اسلامؐ کا اپنے دشمن کفار قریش کے ساتھ یہی سلوک کرنا

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فتح مکہ کے بعد جب آپ کے اور خدا کے دشمن اکابر قریش

آپ کے سامنے لائے گئے تو سب سے پہلے تو آپ نے کفر وشرک کے مرکز میں توحید کا پرچم لہرانے کے بعد بایں الفاظ خدا کا شکر ادا کیا الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اور پھر ان ظالموں کافروں سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہمیں امید ہے کہ جو ایک کریم بن کریم سردار اور صاحب اقتدار بھائی اپنے مجرم بھائیوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے آپ وہی سلوک ہمارے ساتھ کریں گے۔ کفار کا یہ جواب سن کر رحمۃً للعالمین کے دریائے رحمت میں جوش پیدا ہوا اور فرمایا! آج میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی لاتثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کوئی لعنت ملامت نہیں ہے۔ انتم الطلقاء جاؤ تم آزاد ہو (طبری، کامل، ابن خلدون وغیرہ)۔

۳۴۔ اذھبوا بقمیصی ھذا۔ الآیۃ۔

بعد ازاں اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ کنعان جاؤ اور پھر اپنی قمیص اتار کر ان کے حوالے کی یہ بھی لے جاؤ اور جا کر میرے والد کے چہرہ پر ڈالو اس سے انکی بینائی لوٹ آئے گی اور وہ بینا ہو جائیں گے اور پھر اپنے سب گھر والوں اور خاندان والوں کو میرے پاس لے کر آؤ اور یہاں آرام واطمینان کے ساتھ زندگی گزارو مخفی نہ رہے کہ جناب یوسفؑ کی قمیص جناب یعقوبؑ کے چہرہ پر ڈالنے سے انکی بینائی کا پلٹ آنا جناب یوسف کا معجزہ ہی ہوسکتا۔ جیسے جناب خلیل پر آتش نمرود کا سرد ہونا، جناب موسیٰؑ کے عصا کا اژدھا بن جانا یا جناب عیسیٰؑ کا پنگھوڑے میں کلام کرنا ان انبیاء کے معجزات تھے۔

آیات القرآن

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

الرَّحِيْمُ ۝۹۸ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝۹۹ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۱ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝۱۰۲ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴

ترجمۃ الآیات

اور جب (مصر سے) قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا اگر تم مجھے مخبوط الحواس نہ سمجھو تو میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں (۹۴) ان (گھر والوں) نے کہا خدا کی قسم آپ اپنی پرانی غلطی میں مبتلا ہیں (۹۵) پھر جب خوشخبری دینے والا آیا (اور) وہ قمیص انکے چہرہ پر ڈالی تو وہ فوراً بینا ہو گئے اور کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (۹۶) انہوں (بیٹوں) نے کہا اے ہمارے باپ (خدا سے) ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کریں یقیناً ہم خطا کار تھے (۹۷) آپؑ

نے کہامیں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ بڑا بخشنے والا، بڑارحم کرنے والا ہے(۹۸) جب وہ سب لوگ کنعان سے روانہ ہوکر یوسف کے پاس (مصر میں) پہنچے توانہوں نے اپنے ماں باپ کواپنے پاس جگہ دی اورکہا(اب) مصر میں داخل ہوخدانے چاہاتو یہاں امن واطمینان سے رہوگے(۹۹) اور(دربار میں پہنچ کر) اپنے ماں باپ کوتخت شاہی پر(اونچا) بٹھایااورسب اس کے سامنے سجدہ(شکر) میں جھک گئے(اس وقت) یوسفؑ نے کہااے بابا یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو(بہت عرصہ) پہلے میں نے دیکھا تھاجسے میرے پروردگار نے سچ کردکھایاہے اوراس نے مجھ پر بڑااحسان کیاکہ مجھے قیدخانہ سے نکالااورآپ لوگوں کوصحراء(گاؤں) سے یہاں(شہر میں)لایا۔ بعداس کے کہ شیطان نے میرے اورمیرے بھائیوں کے درمیان اختلاف وفسادڈال دیاتھابے شک میراپروردگارجوکام کرناچاہتاہے اس کی بہترین تدبیر کرنے والاہے بلاشبہ وہ بڑاجاننے والا، بڑاحکمت والاہے(۱۰۰) اے میرے پروردگارتونے مجھے سلطنت عطافرمائی ہے اورخوابوں کی تعبیر کاعلم بھی تونے ہی مجھے بخشاہے اے آسمانوں اورزمین کے خالق تودنیاوآخرت میں میراسرپرست اورکارساز ہے میراخاتمہ(حقیقی)اسلام اورفرمانبرداری پرکراورمجھے اپنے نیکوکاربندوں میں داخل فرما(۱۰۱)(اے پیغمبرؐ) یہ(داستان) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں اورآپ ان (برادران یوسفؑ) کے پاس اس وقت موجودنہیں تھے جب کہ وہ آپس میں اتفاق کرکے یوسفؑ کے خلاف سازش کررہے تھے(۱۰۲)اورآپ کتناہی حرص کریں(اورکتناہی چاہیں) مگراکثرلوگ ایمان نہیں لائیں گے(۱۰۳) حالانکہ آپ اس بات(تبلیغ رسالت) پران سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے یہ(قرآن) توتمام جہانوں کے لئے یاددہانی اورپندوموعظہ ہے(۱۰۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ تفندون۔فند کے معنی سٹھیاجانے اورضعیف العقلی کی وجہ سے بہکی ہوئی باتیں کرنے کے ہیں۔

۲۔ نزغ الشیطان ۔نزغ کے معنی اختلاف ڈالنے کے ہیں اورنزغ الشیطان کے معنی شیطانی وسوسے کے بھی ہیں ۔ ۳۔العرش ۔ کے معنی تخت شاہی کے ہیں نیز اسکے معنی ستون اور قوام کے بھی ہیں ۔

تفسیر الآیات

۳۵۔ ولما فصلت۔ الآیۃ۔

ادھر قافلہ جناب یوسفؑ کا قمیص لے کر مصر سے روانہ ہوا اُدھر جناب یعقوبؑ نے کنعان میں جو کہ مصر سے صدہا میل کے فاصلہ پر تھا گھر والوں سے فرمایا مجھے یوسف کی خوشبو کا احساس ہو رہا ہے اور گھر والوں نے جواب میں کہا کہ ''آپ پرانی غلطی میں مبتلا ہیں'' یہ جواب برادران یوسف کا تو نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اس وقت مصر میں تھے بلکہ یہ جواب جناب یعقوبؑ کے گھر والوں کا یا آپ کے پاس رہنے والے لوگوں کا ہی ہو سکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جناب یعقوبؑ کے حق میں گستاخیاں اور ان کے فراق یوسف میں رونے دھونے پر زبان درازی کیا کرتے تھے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں عموماً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب برادران یوسف نے جناب یوسفؑ کو کنعان ہی کے ایک اندھے کنویں میں ڈالا تھا تو نہ اس وقت جناب یعقوبؑ کو پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوئی اور نہ اس کی مصر سے خوشبو آئی جہاں وہ برسوں سے موجود تھے مگر آج ایک دم سینکڑوں میل کے فاصلہ سے انکی مہک آ گئی تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کی یہ قوت ادراک اور لطافت احساس انکی ذاتی نہیں ہے جو ہر وقت انکے اختیار و تصرف میں ہو بلکہ یہ اللہ کی بخشش اور اسکی عطا کردہ ہے وہ جب اور جس وقت چاہتا ہے اپنا فیضان کرتا ہے۔اور ان حضرات کو اس کے کام میں لانے کا موقع دیتا ہے اور اسی چیز کا دوسرا نام معجزہ ہے جو نبی وامام کا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جسے وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت ظاہر کرتا ہے۔ جناب شیخ سعدی نے اسی سوال و جواب کو اپنے مخصوص انداز میں یوں قلمبند کیا ہے۔

یکے پر سیدازاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گھر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراھن شمیدی

چرا در چاہ کنعانش ندیدی؟
بگفت احوال مابرق جہاں است
دمی پیداو دیگردم نہاں است
گھے برطارم اعلی نشینیم
گھے برپشت پائے خود نبینم

۳۶۔ فلما ان جاء البشیر۔ الآیۃ۔

بشیر کسی خاص شخص کا ذاتی نام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے صفاتی نام یعنی خوشخبری دینے والا مراد ہے کتاب اکمال الدین میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس خوشخبری دینے والے کا نام یہودا تھا بہر حال وہ دوسرے بھائیوں سے پہلے گھر پہنچے اور جہاں جناب یوسفؑ کے مل جانے کی خوشخبری سنائی وہاں حسب الحکم جناب یوسفؑ کی مخصوص قمیص آپ کے باپ کے چہرہ پر ڈالی اور اسکے ڈالنے کی دیر تھی کہ آپکی آنکھیں روشن ہوگئیں اور بینائی لوٹ آئی اور کمر سیدھی ہوگئی اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ بات جناب یوسفؑ کا معجزہ تھی اور اسکے ڈالنے سے بینائی کا لوٹ آنا کوئی خلاف عقل یا خلاف فطرت بات نہیں البتہ طبیعت ونیچر کے قانون کے خلاف ضرور ہے اور معجزہ نام ہی اسی چیز کا ہے کہ جو نیچر کے ضرور خلاف ہو مگر عقل کے خلاف نہ ہو۔

ایضاح

واضح رہے کہ بعض روایات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ وہی قمیص تھی جو جناب جبرئیلؑ حضرت خلیلِ خداؑ کے لئے جنت سے اس وقت لائے تھے جب ان کو آتش نمرودی میں جھونکا جارہا تھا اور اسکی برکت سے آگ نے نہ صرف یہ کہ ان کو کوئی ضرر وزیاں نہیں پہنچایا تھا بلکہ ان کے لئے بردوسلام ہوگئی تھی اور پھر وہ قمیص وراثت میں جناب یوسفؑ تک پہنچی اور پھر یکے بعد دیگرے سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچی اور اب وہ تبرکات نبوی میں حضرت امام زمانہ کے پاس موجود ہے جب وہ تشریف لائیں گے تو ان کے پاس ہوگی۔ (تفسیر قمی وعیاشی اور صافی وغیرہ)

۳۷۔ قال الم اقل۔ الآیۃ۔

جب جناب یعقوبؑ کی بینائی لوٹ آئی، کمر سیدھی ہوگئی اور سب بیٹے بھی پہنچ گئے تو خوش ہوکر فرمایا کہ

میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو منجانب اللہ علم تھا کہ یوسف زندہ ہے اور یہ کہ خدا انہیں ان سے ملائے گا چنانچہ بنیامین کی عدم رسیدگی میں بھی آپ کو فراست نبوت کی کرشمہ سازی سے یوسف کی بازگشت کی جھلک نظر آ گئی تھی جب ہی تو فرمایا تھا عسی اللہ ان یاتینی بہم جمیعاً۔ امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا چنانچہ تفسیر قمی اور عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اور کتاب الخرائج میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں مروی ہے کہ جناب یعقوبؑ کو (منجانب اللہ) علم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور خدا اس گمشدگی کے بعد انہیں ظاہر کرے گا اور انہیں زندہ ملائے گا اس لئے وہ اولاد اور گھر والوں سے کہا کرتے تھے کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور وہ لوگ اس بات کو ان کا خبط قرار دیتے تھے۔

۳۸۔ قالوا یاابانا۔ الآیۃ۔

بیٹوں کا اپنے والد سے خدا کی بارگاہ میں ان کی مغفرت کی سفارش کرنے کی درخواست کرنا

اب جبکہ برادران یوسف کا قصوروار ہونا الم نشرح ہو چکا اور سب حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو چکی تو جس طرح جناب یوسف کے سامنے اعترافِ جرم کر کے ان سے عفو و درگزر کی استدعا کی تھی اسی طرح والد سے بھی اپنی خطا کاری کا اقرار کرنے کے ساتھ معافی بھی مانگی مگر اس طرح کہ ان سے درخواست کی کہ ہمارے گناہوں کی بخشش کی خدا سے سفارش کریں۔

وسیلہ کا ثبوت

ظاہر ہے کہ جب آپ خود بھی انہیں معاف کریں گے تو خدا سے ان کی مغفرت کی سفارش کریں گے برادران یوسف کی اس درخواست سے جہاں اقرار جرم اور اسکی معافی مانگنا نمایاں ہے وہاں وسیلہ کا ثبوت بھی واضح ہوتا ہے کہ خود اللہ سے مغفرت طلب کرنے کی بجائے اپنے والد کو وسیلہ بنا رہے ہیں کہ آپ ہمارے لئے خدا سے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں اور ہماری سفارش کریں۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسی خدا پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں فرماتا ہے: ولو انہم اذظلموا انفسہم جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابأ رحیماً۔ جب ان لوگوں نے (گناہ کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا اگر وہ آپ

کے پاس آجاتے اوراپنے گناہوں کی اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور(اے پیغمبر)توبھی ان کی مغفرت کی سفارش کردیتا تووہ یقیناًاللہ کوبڑاتوبہ قبول کرنے والا(اور)بڑارحم کرنے والا پاتے۔یہ وسیلہ کے ثبوت کی وہ محکم دلیل ہے کہ جس کا نہ انکارکیاجاسکتاہے اورنہ اس کی کوئی اس قسم کی تاویل علیل کی جاسکتی ہے جیسی آیت وسیلہ(وابتغوا الیہ الوسیلہ)میں کی جاتی ہے۔واللہ الموفق

۳۹۔ قال سوف استغفرلکم۔الآیۃ۔

جناب یعقوبؑ کے سفارش کرنے کا وعدہ کرنے کی وجہ؟

جناب یعقوبؑ نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگارسے استدعا کروں گا اسی وقت خداسے التجا کرنے کی بجائے وعدہ کیوں کیا؟ بعض مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس معاملہ کا تعلق صرف جناب یعقوبؑ سے نہیں تھا بلکہ جناب یوسفؑ سے بھی تھا اس لئے عنقریب جب سب یکجا ہوں گے تو معافی اوردعا کا آخری فیصلہ ہوجائے گا۔یہی وجہ ہے کہ جناب یوسفؑ نے جلدی معافی دے دی تھی کیونکہ یہ معاملہ ان کی ذات سے وابستہ تھا۔اوربعض نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ انہوں نے آخرشب تک دعا کرنے کو مؤخرکیا تھا کیونکہ اس وقت کی دعا خصوصیت کے ساتھ قبول ہوتی ہے ان دونوں باتوں کے بعض شواہدروایات میں مل جاتے ہیں۔(مجمع البیان تفسیر صافی)

ہاں البتہ بعض روایات میں وارد ہے کہ ’’اخر الی السحرلیلۃ الجمعۃ‘‘ کہ آپ نے اس دعاواستدعا کوشب جمعہ کے ہنگام سحر تک مؤخرکیا تھا۔(فقیہ،مجمع اورعیاشی)جواستجابت دعا،بخشش گناہ اورقضائے حاجت کا خصوصی وقت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشخاص کی طرح اوقات اورمکانات کوبھی دعا کی قبولیت میں دخل ہوتا ہے سچ ہے۔

ہر سخن جائے وہر نکتہ مقامے دارد؟

۴۰۔ فلما دخلوا علی یوسف۔الآیۃ۔

برادران یوسف کا اپنے پورے خاندان کے ہمراہ جناب یوسفؑ کے ہاں پہنچنا

یہاں اس داستان راستان کی درمیانی کڑیاں محذوف ہیں۔یعنی جناب یوسفؑ کی خواہش کے مطابق

برادران یوسفؑ بہت سا ساز وسامان لے کر کنعان گئے اور پھر وہاں سے اپنے والدین کے علاوہ اپنے پورے خاندان کو جن کی تعداد تہتر نفوس تھی اپنے ہمراہ لے کر مصر روانہ ہوئے اور قریباً نو دن شبانہ روز منازل سفر طے کرتے ہوئے مصر پہنچے اور ادھر جب جناب یوسفؑ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ نہ صرف اپنے عوام بلکہ اپنے امراء وروساء کے ساتھ اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ ان کے استقبال کیلئے شہر سے باہر نکلے اور چند میل شہر سے باہر استقبال کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جناب یعقوبؑ نے یہ جاہ وجلال دیکھا تو یہودا سے پوچھا کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے؟ عرض کیا۔ نہیں، بلکہ یہ آپ کا نورِ نظر یوسف ہے جو آپ کے استقبال کیلئے اپنے امراء ورعایا اور عوام کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ (مجمع البیان) مقام استقبال پر جناب یوسفؑ کے لئے خیمہ لگایا گیا تھا جس میں آپ ٹھہرے ہوئے تھے جب قافلہ قریب آیا تو جناب یوسفؑ نے آگے بڑھ کر والہانہ استقبال کیا۔ اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بیس سے زائد سال جانگداز مفارقت، گریہ وبکاء، آہ وفغاں کے بعد، دردفراق کے مارے اور مدت کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹا آپس میں کیسے ملے ہوں گے اور اپنے نورنظر سے کیسے ملاقات ہوئی ہوگی اور وہ بھی اس جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ تھے تو ان کی مسرت وشادمانی اور فرحت جسمانی وکیف روحانی کا کیا عالم ہوگا؟ قلم دوزبان اس کی حقیقی کیفیت کی تصویر کشی سے عاجز وحیران نظر آتی ہے۔

ناطقہ سربگریبان ہے کہ اسے کیا کہیئے؟

الغرض جناب یوسف نے پہلے اس خیمہ میں اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ ظاہر ہے کہ وہاں کچھ خوردونوش کا بھی اہتمام کیا ہوگا لہٰذا کچھ دیر وہاں آرام کرنے، مزاج پرسی کرنے اور تواضع کرنے کے بعد یوسفؑ نے ماں باپ سے عرض کیا اب شہر میں داخل ہوں خدا نے چاہا تو آپ وہاں آرام واطمینان کے ساتھ رہیں گے چنانچہ اب وہاں سے سب قافلہ مع جناب یوسفؑ شہر کے لئے روانہ ہوا۔ اور بصد اہتمام واحترام دربار شاہی میں پہنچا۔

۴۱۔ ورفع ابویه۔ الآیة۔

یہاں پہنچنے کے بعد جناب یوسفؑ نے بصد احترام اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ اس تخت شاہی پر بٹھایا جہاں آپ بیٹھا کرتے تھے اور اس موقع پر سب یوسفؑ کے سامنے سجدہ (شکر) میں جھک گئے۔

۴۲۔ وخروا له سجداً۔ الآیة۔

وہ سجدہ کس قسم کا تھا جو جناب یوسف کے ماں باپ اور بھائیوں نے

ان کے سامنے کیا تھا؟

ہم قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۳۴ واذقلنا للملائکۃ اسجدولادم۔ الآیۃ۔ کی تفسیر میں تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ سجدہ وہ ذاتی عبادت ہے اورنا قابل تخصیص ہے اوراللہ کے سوا کسی بھی ہستی کوسجدہ کرنا شرکِ عبادتی ہے اورحرام ہے جو ہرشریعت میں حرام رہاہے اوراسی مقام پر یہ بھی ثابت کرآئے ہیں کہ خدانے آدم کوقبلہ بنا کراپنی ذات کوسجدہ کرایا تھااوراسی مقام پر یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ جناب یعقوبؑ اورانکی زوجہ محترمہ اوران کے گیارہ بیٹوں نے جوسجدہ کیا تھاوہ بھی تعظیمی سجدہ نہ تھاورنہ ماں باپ (اور باپ وہ بھی جونبی ہے) بیٹے کوتعظیمی سجدہ کرے اور بیٹا خاموش رہ جائے اس طرح باپ بیٹے کی نبوت اور بیٹے کے اخلاق پرحرف آتا ہے بلکہ یہ سجدہ شکر تھا جوانہوں نے جناب یوسف کوزندہ اور وہ بھی مصر کے تخت حکومت پر متمکن دیکھ کر بارگاہ خداوندی میں کیا تھا۔ بنابریں خروالہ میں جولام ہے وہ سببیہ ہے کہ ان لوگوں نے جناب یوسفؑ کی وجہ سے خدا کا سجدہ شکر کیا تھا۔ ہاں البتہ ہم اسی سورہ یوسف کی آیت ۴ کی تفسیر میں یہ احتمال بھی بیان کرآئے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہاں سجدہ کا شرعی مخصوص مفہوم مراد نہ ہو بلکہ اس سے اس کا لغوی مفہوم (جھکنا) مراد ہو جوقدیم زمانہ میں رائج تھا کہ جب کسی کا شکریہ ادا کرنا ہوتا یا کسی کا استقبال کرنا ہوتا یا پھر کسی کوسلام کرنا ہوتا توسینہ پر ہاتھ رکھ کرکسی قدرآگے کی طرف جھکتے تھے اوراگرسجدہ شرعی مفہوم میں تھا توتعظیمی ہرگز نہ تھا بلکہ سجدہ شکر تھا چنانچہ حضرت امام جعفرصادق سے مروی ہے فرمایا: کان سجودھم ذلک عبادۃ للہ کہ ان حضرات کا یہ سجدہ اللہ کی عبادت تھا (تفسیر البرہان، بحارالانوار) اورحضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا: اما سجود یعقوب وولدہ لیوسف فشکراً للہ۔ یعنی جناب یعقوب اورانکی اولاد نے یوسف کے سامنے جوسجدہ کیا تھاوہ سجدہ شکر تھا۔ (تفسیر عیاشی) والحمدللہ علی وضوح الحق و الحقیقہ۔

جناب یعقوبؑ کے ہمراہ مصر میں آنے والی خاتون جناب یوسفؑ کی خالہ تھیں حقیقی والدہ نہ تھیں

مؤرخین میں مشہور یہ ہے کہ جناب یوسف کی حقیقی والدہ کا بنیامین کی ولادت کے بعد انتقال ہوگیا تھااور یہ خاتون آپکی حقیقی خالہ تھیں جنہوں نے آپکی پرورش کی تھی جن سے بعد میں جناب یعقوبؑ نے نکاح کیا تھاان کواسی طرح مجازاً ماں کہا گیاہے جس طرح چچا کومجازاً باپ کہاجا تا ہے۔ (مجمع البیان، الکاشف)۔

۴۳۔ وقال یابت۔ الآیۃ۔

جناب یوسفؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو انہیں اپنا بچپن والا خواب یاد آ گیا اور کہا اے بابا! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بہت عرصہ پہلے دیکھا تھا جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ہے اور پھر خدا کے انہیں تین بڑے مصائب سے نجات دینے کے خصوصی انعام واحسان کا تذکرہ کیا کہ۔ ۱۔ بھائیوں کے جور و جفا سے نجات دی۔ ۲۔ باپ کی طویل جدائی کا خاتمہ کیا۔ ۳۔ اور قید سے رہائی بخشی فرمایا اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ مجھے قید خانہ سے نکالا، آپ لوگوں کو صحراء سے اٹھا کر یہاں شہر میں لایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف اور فساد ڈال دیا تھا جناب یوسف کی شرافت نفسی قابل دید وداد ہے کہ بھائیوں کو شرمسار ہونے سے بچانے کی خاطر یہاں کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں کیا اور بھائیوں کی روش ورفتار کو شیطان کی طرف منسوب کیا اور بھائیوں کو اس کا ذمہ دار قرار نہیں دیا۔

۴۴۔ رب قد اٰتیتنی۔ الآیۃ۔

جناب یوسفؑ اپنے تمام مصائب کے خاتمہ والدین اور بھائیوں کی ملاقات اور ہر لحظہ خدا کی نعمتوں کی بھرمار سے خدا کے تشکر وامتنان کے صالح جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں اور اس طرح اسکی حمد وثنا کے شکرانہ نعمت اور دعا وپکار میں یوں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اے میرے پروردگار! ایک طرح کی سلطنت بھی تو نے مجھے دی ہے، خوابوں کی تعبیر کا علم بھی تو نے مجھے عطا کیا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق میرا سرپرست اور کارساز بھی تو ہے۔ میرا خاتمہ بخیر فرما یعنی میرا خاتمہ حقیقی اسلام پر کر اور مجھے اپنے صالح اور نیکوکار بندوں کے زمرہ میں شامل فرما۔ جناب یوسفؑ کی اس دعا واستدعا سے جہاں یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آدمی دنیا ودین کے جس قدر بلند درجات پر فائز ہوا سے اپنے خاتمہ سے غافل نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کرنی چاہئے کیونکہ انما الاعمال بالخواتیم۔ یعنی کام وہ اچھا ہے جس کا انجام اچھا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی اسلام کا مقام اس قدر بلند وبالا ہے کہ ایک نبی بن نبی بن نبی بھی حقیقی اسلام پر مرنے کی دعا مانگ رہا ہے اور اللہ کے صالح بندوں میں محسوب ہونے کی تمنا کر رہا ہے۔

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یرزقنی الصلاحا۔

وانا اقول کما قال یوسف علی نبینا واله وعلیه السلام۔ "رب توفنی مسلما والحقنی بالصالحین" بجاہ النبی واله الطاهرین علیہ السلام۔

۴۵۔ ذلك من انباء الغيب۔ الآية۔

جناب یوسفؑ کی داستان سرائی پیغمبر اسلام کی صداقت کی دلیل ہے

خداوندعالم جناب یوسف کی یہ تمام داستان راستان بیان کرکے اسے جناب پیغمبر اسلامؐ کے منکروں پر حجت قرار دے رہا ہے کہ اگر ان کی طرف وحی ربانی نہیں ہوتی تو انہیں یہ داستان اس تفصیل کے ساتھ کس طرح معلوم ہوگئی؟ جب کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب یہ واقعات رونما ہوئے تا کہ ان کا مشاہدہ کرتے اور نہ ہی کسی کتاب میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ اس میں پڑھتے اور نہ ہی یہاں کوئی ایسا شخص موجود تھا جس سے آپ یہ داستان سنتے تو پھر وحی الٰہی کے سوا ان واقعات کے معلوم کرنے کا اور کیا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے؟ مخفی نہ رہے کہ اس آیت مبارکہ سے جہاں آپکی وحی نبوت کا اثبات ہوتا ہے وہاں آپکے ہروقت اور ہر جگہ حاضروناظر ہونے کی نفی بھی ہوجاتی ہے کمالا یخفی گویا یہ آیت سورہ ہود کی اس آیت کی مانند ہے جس میں خدا فرماتا ہے۔ تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ما كنت تعلمها ولا قومك من قبل هذا فاصبر ان العاقبة للمتقين (ہود ۴۹)۔ کہ قرآنی وحی سے پہلے نہ آپ یہ واقعات جانتے تھے اور نہ ہی آپکی قوم جانتی تھی بلکہ اس سورہ کے آغاز میں بھی یہ بات مذکور ہے کہ نحن نقص عليك احسن القصص بما اوحينا اليك هذا القرآن وان كنت من قبله لمن الغافلين۔

ایضاح

وہ لوگ جن کو علم غیب کی حقیقت کا علم نہیں ہے وہ اس قسم کی آیات پڑھ سن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ عالم الغیب تھے حالانکہ خدا کے بتانے سے نبی اور وصی غیبی خبروں پر مطلع تو ہوجاتے ہیں مگر یہ علم الغیب نہیں ہے اور نہ ہی اسکے عالم کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے ہاں عالم الغیب شرعی اصطلاح میں اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کا علم کلی واحاطی اور ذاتی ہو اور وہ صرف ذات پروردگار ہے۔ وبس۔ چنانچہ فرماتا ہے لايعلم من في السموات والارض الغيب الا الله یعنی زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ فتدبر۔

۴۶۔ وما اكثر الناس۔ الآية۔

قرآن مجید میں بہت جگہ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اکثر لوگ ناشکرے ہیں اکثر لوگ بے ہدایت ہیں اور اکثر لوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے ومن اصدق من الله

قیلاً۔ اللہ سے بڑھ کرسچا کون ہے زبردستی مومن بنانا خدا کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے ورنہ سب لوگ ایمان لے آتے۔ولو شاء اللہ لآمن من فی الارض کلھم جمعیاً۔پیغمبر اسلام کو جبر کرکے مسلمان بنانے کی اجازت نہیں۔افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین۔

یہی تھے دوحساب سویوں پاک ہوگئے۔

اوراپنے عزم وارادہ سے اکثر لوگوں نے ایمان لانا نہیں اس لئے پیغمبر اسلامؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کا کام خدا کا وہ پیغام جو اسکے بندوں کے نام ہے وہ ان تک پہنچانا ہے وبس۔ اس کا منوانا آپ کے ذمہ نہیں کیونکہ

بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔

لہٰذا اگر باوجود آپ کے جدوجہد اور سعی وکوشش کے وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس سے پریشان ہونے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔سورہ یوسفؑ میں جس قدر جناب یوسفؑ کی داستان اپنی تفصیلات وہدایات کے ساتھ درج ہے وہ یہاں اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔والحمدللہ۔

جناب یعقوبؑ کے اس ابتلاء وآزمائش کے ظاہری سبب کا بیان

خدائے علیم وحکیم کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل ہر ہر امر اور ہر ہر نہی، ابتلاء وآزمائش کے اندر اس قدر حکم ومصالح پوشیدہ ہوتے ہیں جن کا انسانی عقل وخرد احاطہ نہیں کرسکتی مگر اس قدر جس قدر وہ خود بتائے یا عالمان علم لدنی بتائیں چنانچہ جناب یعقوبؑ کی ابتلاء وآزمائش کی وجہ کے سلسلہ میں ایک حدیث قدسی جواہر سنیّہ میں موجود ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے وہ حدیث یہاں درج کردی جائے تاکہ دیدہ عبرت بین رکھنے والوں کے لئے درس عبرت اور کحل البصیرت ثابت ہو حضرت شیخ حر عاملی قدس سرہ اپنی کتاب جواہر سنیہ در احادیث قدسیہ میں حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب علل الشرائع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے باسناد خود ابوحمزہ ثمالی سے اور انہوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے جمعہ کے دن اپنی ''سکینہ'' نامی کنیز کو حکم دیا کہ میرے دروازہ سے جو بھی سائل گذرے اسے کھانا ضرور کھلانا کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا میرے آقا! ہر آنے والا سائل اہل حق تو نہیں ہوتا؟ لہٰذا ہر سائل کے لئے اس قدر تاکید کیوں؟ فرمایا ہوسکتا ہے کہ کوئی سائل اہل حق ہو اور ہم اسے کھانا نہ کھلا کر اس بلاء وابتلا کے مستوجب بن جائیں جس میں جناب یعقوبؑ اور انکی اولاد مبتلا ہوئی تھی پھر (وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا جناب یعقوبؑ ہر روز ایک گوسفند ذبح کرتے تھے جس میں سے کچھ صدقہ

دے دیتے تھے اور باقی خود کھاتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو کھلاتے تھے ایک دن بروز جمعہ افطاری کے وقت ایک راہ گذر سائل جو کہ بڑا روزہ دار، اہل حق اور خدا کی نگاہ میں قدر ومنزلت رکھنے والا تھا ان کے در دولت پر حاضر ہوا اور برابر کئی بار آواز دی کہ ایک راہ گذر اور بھوکے سائل کو اپنے بچے کھچے طعام میں سے کھانا کھلاؤ۔ وہ لوگ اس کی آواز سنتے تو رہے مگر نا قدری سے اسکی بات کی تصدیق نہ کرتے ہوئے ادھر کوئی توجہ نہ دی پس جب رات کی تاریکی چھا گئی اور وہ شخص بالکل مایوس ہو گیا تو باچشم گریاں اور بادل بریاں واپس چلا گیا اور بارگاہ خداوندی میں اپنی گرسنگی کی شکایت کی اور رات کچھ کھائے بغیر گذار دی (مگر واہ رے ہمت کہ) صبح کچھ کھائے بغیر صبر وشکر کر کے خالی پیٹ روزہ رکھ لیا اور جناب یعقوب اور ان کے خانوادہ نے شکم سیری کی حالت میں رات بسر کی امامؑ فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو خدا نے جناب یعقوبؑ کو وحی فرمائی کہ اے یعقوب! تم نے میرے بندہ خاص کی تذلیل کر کے میرے غضب کو دعوت دی ہے اور اس طرح تم میری تادیب اور اپنے اور اپنی اولاد پر میری عقوبت کے نزول کے مستوجب بن گئے ہو۔

اے یعقوبؑ مجھے اپنے نبیوں (یا فرمایا ولیوں) میں سے سب سے زیادہ پیارا اور سب سے زیادہ مکرم ومحترم وہ ہے جو میرے مسکین بندوں پر رحم کرے، انہیں اپنا مقرب بنائے، انہیں کھانا کھلائے اور ان کے لئے جائے پناہ بن جائے اے یعقوب کل شام افطاری کے وقت میرا ایک خاص بندہ تمہارے دروازہ پر آیا جو بڑا عبادت گذار اور تھوڑی مگر پاکیزہ دنیا پر قناعت کرنے والا تھا۔ وہ برابر صدا کرتا رہا کہ ایک بے نوا قانع مسافر کو کھانا کھلاؤ مگر تم نے اسے کھانا نہ کھلایا حتیٰ کہ وہ روتا ہوا واپس چلا گیا اور میری بارگاہ میں شکایت کی مگر بھوکا رہ کر بھی صبر وشکر سے رات گذار دی اور تم اور تمہاری اولاد نے شکم سیری کی حالت میں رات گذاری حتیٰ کہ صبح کے وقت بھی تمہارے پاس کچھ بچا کھچا طعام موجود تھا اے یعقوب! کیا تمہیں اس سائل کی حالت زار پر ترس نہ آیا؟ اور کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میری عقوبت بہ نسبت میرے دشمنوں کے میرے دوستوں پر جلد نازل ہوتی ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اب میں تمہیں اور تمہاری اولاد کو ضرور مصائب کا نشانہ بناؤں گا لہٰذا میری ابتلاء وآزمائش کے لئے تیار ہو جاؤ میری قضا وقدر پر راضی رہو اور میری نازل کردہ مصیبتوں پر صبر کرو۔

مؤلفؔ غلام فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس واقعہ کے مطابق جناب یعقوبؑ سے جو کچھ صادر ہوا وہ ترک اولیٰ تھا اور ان کے شایان شان نہیں تھا مگر گناہ نہیں تھا کیونکہ گناہ نام ہے کسی واجب کے ترک کرنے یا کسی فعل حرام کے ارتکاب کرنے کا اور ظاہر ہے کہ کسی سائل کو کھانا کھلانا مستحب تو ہے مگر واجب

نہیں ہے بنابریں ہروہ آیت یا روایت جس سے کسی معصوم کے گناہ کا گمان ہوتا ہو اسے ترک اولیٰ پر محمول کیا جائے گا لہٰذا اس روایت میں وارد شدہ لفظ ''غضب'' اور ''عقوبت'' (جو بظاہر کسی گناہ کے صدور کی غمازی کرتے ہیں) کوئی مناسب تاویل کی جائے گی جیسے یہ کہ یہاں غضب کی لفظ کو باعتبار غایت وانجام مراد لیا جائے یعنی خدا نے جناب یعقوب کو اس اجر وثواب سے محروم کردیا جو سائل کو کھانا کھلانے پر ملنا تھا اور اس بلاء کو نازل کردیا جس نے کھانا کھلانے سے ٹلنا تھا اسی طرح عقوبت سے مراد آزمائش وابتلاء ہے (نہ کسی سابقہ گناہ کی سزا) اور ظاہر ہے کہ یہ آزمائش کسی سابقہ گناہ کے بغیر بھی ہوسکتی ہے۔ جناب شیخ کلینیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک اور روایت میں وارد ہے کہ اس ابتلاء وآزمائش کے بعد جناب یعقوبؑ کا طریقہ کار یہ ہوگیا تھا کہ ان کا ایک منادی ایک فرسخ تک صبح وشام یہ اعلان کرتا تھا کہ جس کسی نے کھانا کھانا ہو وہ جناب یعقوبؑ کے دسترخوان پر آئے اور آکر کھانا کھائے (کواکب مضیئہ ترجمہ وشرح جواہر سنیہ دراحادیث قدسیہ مؤلفہ ایں احقر)۔ ان فی ذلك لآیات لقوم یعقلون۔

آیات القرآن

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ۝۱۰۵ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ۝۱۰۶ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ۝۱۰۷ قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۝۱۰۸ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۝۱۰۹ حَتّٰۤى اِذَا اسۡتَيۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا ۙ

فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اورآسمانوں اورزمین میں (خداکے وجوداوراسکی قدرت کی) کتنی ہی نشانیاں موجودہیں مگر یہ لوگ ان سے روگردانی کرتے ہوئے گذرجاتے ہیں (اورکوئی توجہ نہیں کرتے) (۱۰۵) اوران میں سے اکثر اللہ پرایمان بھی لاتے ہیں تواس حالت میں کہ (عملی طورپر) برابرشرک بھی کئے جاتے ہیں (۱۰۶) کیاوہ اس بات سے مطمئن ہوگئے ہیں کہ ان پرکوئی عذاب الٰہی آجائے اورچھاجائے یااچانک ان کے سامنے اس حال میں قیامت آجائے کہ انہیں خبربھی نہ ہو (۱۰۷) (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے! کہ میراراستہ تو یہ ہے کہ میں اورجومیرا (حقیقی) پیروکار ہے ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں اس حال میں کہ ہم واضح دلیل پرہیں اوراللہ ہرنقص وعیب سے پاک ہے اورمیں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں (۱۰۸) (اے رسولؐ) ہم نے آپ سے پہلے جن کوبھی رسول بناکربھیجاوہ مرد تھے اورآبادیوں کے باشندے تھے جنکی طرف ہم وحی کیاکرتے تھے کیایہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان لوگوں کاانجام کیساہواجوان سے پہلے تھے یقینا آخرت کاگھرپرہیزگاروں کے لئے بہترہے کیاتم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۱۰۹) یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہونے لگے اورخیال کرنے لگے کہ (شاید) ان سے جھوٹ بولاگیاہے۔تو (اچانک) ان کے پاس ہماری مددپہنچ گئی پس جسے ہم نے چاہاوہ نجات پاگیااورمجرموں سے ہماراعذاب ٹالانہیں جاسکتا (۱۱۰) یقیناان لوگوں کے (عروج وزوال کے) قصہ میں صاحبان عقل کے لئے بڑی عبرت ونصیحت ہے وہ (قرآن) کوئی گھڑی

ہوئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو اسکی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے موجود ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے (سراسر) ہدایت ورحمت ہے (۱۱۱)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ کاین۔ یا کأیّ یہ اسم کاف تشبیہ اور ایّ سے مرکب ہے کم خبریہ کی طرح عام طور پر کثرت اور بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ۲۔ غاشیة کے معنی پردہ، ڈھکنا اور ڈھانکنے والی چیز کے ہیں۔ ۳۔ استیس۔ اسکے معنی مایوس ہونے کے ہیں۔ ۴۔ بأسنا۔ باس کے معنی ہیں عذاب خوف، قوت اور دلیری اور لا بائس بہ کا مفہوم ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تفسیر الآیات

۴۷۔ وکاین من آیة۔ الآیة۔

پیغمبر اسلامؐ کو تسلی دی جارہی ہے

چونکہ ابھی اوپر آیت ۱۰۳ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اے رسولؐ آپ جس قدر چاہیں حرص کریں اور سعی وکوشش کریں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ظاہر ہے کہ جب آنحضرتؐ دیکھتے تھے کہ انکی مخلصانہ تبلیغ اور مجاہدانہ جدوجہد مؤثر نہیں ہو رہی تو انہیں اس بات پر دکھ ہوتا تھا اور اندر ہی اندر کڑھتے رہتے تھے جیسا کہ مُخبر صادق نے خبر دی ہے۔ لعلك باخع نفسك الایکونوامومنین۔ تو اس آیت میں گویا خداوند اپنے نبی رحمت کو تسلی دے رہا ہے کہ آسمان وزمین الغرض پوری کائنات میرے وجود اور میری قدرت وحکمت کی نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ اور آیات آفاقیہ وانفسیہ سے جہان چھلک رہا ہے مگر یہ لوگ اندھوں کی طرح گذر جاتے ہیں اور ادھر ادھر کوئی توجہ نہیں کرتے اور میرے وجود وقدرت کا اقرار نہیں کرتے بلکہ انکار ہی کر رہے ہیں تو اگر وہ آپ کے معجزات وکمالات دیکھ کر آپکی نبوت ورسالت پر ایمان نہیں لاتے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

۴۸۔ ومایومن اکثرھم ۔ الآیۃ۔

یہ تذکرہ توان لوگوں کا تھا جو خدا کے وجود، اسکے علم وکمال اور اسکی قدرت وحکمت کے ہی قائل نہیں ہیں اب ان لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں مگر وہ اسکے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے ہیں اس آیت کا حقیقی مفہوم متعین کرنے میں مفسرین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس شرک سے کونسا شرک مراد ہے جس کا وہ ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ارتکاب کرتے ہیں یعنی بیک وقت وہ مومن بھی ہیں اور مشرک بھی حالانکہ ایمان وشرک ایسی دوضدیں ہیں جو کبھی باہم جمع نہیں ہوسکتیں۔

شرک کی اقسام

آیت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پہلے شرک کی بڑی بڑی اقسام کا سمجھنا ضروری ہے۔سوواضح ہو کہ شرک کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔۱۔شرک جلی۔۲۔شرک خفی۔پھر شرک جلی کی بڑی بڑی چار قسمیں ہیں۔۱۔ شرک ذاتی۔۲۔شرک صفاتی۔۳۔شرک افعالی۔۴۔شرک عباداتی۔اور شرک خفی کی بڑی بڑی دس قسمیں ہیں۔ ۱۔شرک اطاعتی۔۲۔شرک توکلی۔۳۔شرک اخلاصی وغیرہ تو جو شرک ایمان کی ضد ہے وہ شرک جلی باقسامہ ہے کہ جو مومن ہے وہ مشرک نہیں ہوسکتا اور جو مشرک ہے وہ مومن نہیں ہوسکتا مگر جہاں تک شرک خفی کا تعلق ہے وہ ایمان کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے جیسے شرک اطاعتی ہے کہ ایک مومن کبھی خدا کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی شیطان کی یا ایک اہل ایمان ہے جو کبھی خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور کبھی ظاہری اسباب وآلات پر یا ایک مومن ہے جو کبھی خالصاً بوجہ اللہ عبادت کرتا ہے اور کبھی ریا وسمعہ کے سفلی جذبہ کے تحت وغیرہ وغیرہ تو یہاں شرک سے مراد یہی شرک خفی ہے کہ ایک شخص اللہ، اسکے رسول اوران کے اوصیاء اور دیگر شعائر اسلام پر ایمان لانے کے باوجود مقام اطاعت میں اطاعت ان کی کرتا ہے جو خلاف شرع حکم دیتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے اور اسکے عقیدہ وعمل میں اختلاف پایا جاتا ہے ایسا شخص بے شک مومن ہے مگر اس کا ایمان کمزور ہے۔ورنہ

ماسوااللہ رامسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست۔

حقیقی مفسران قرآن یعنی ائمہ اہل بیت کے ارشادات سے ہمارے بیان کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: شرک طاعۃ ولیس شرک عبادۃ کہ اس سے شرک اطاعتی مراد ہے نہ کہ شرک عباداتی (تفسیر قمی وعیاشی) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

مروی ہے فرمایا ''یطیع الشیطان من حیث لایعلم فیشرك''۔ کہ ایک بندہ مومن لاعلمی سے شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور اس طرح شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ (اصول کافی) اسی طرح انہی جناب سے مروی ہے فرمایا: ھوالرجل یقول لولافلاں لھلکت۔ وہ شرک یہ ہے کہ بندہ کہتا ہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا (تفسیر عیاشی) بلکہ اسے یوں کہنا چاہئے کہ اگر خدا فلاں آدمی کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کرتا تو میں ہلاک ہو جاتا (ایضاً) بہرنوع شرک کی تمام اقسام اوران کے احکام معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصلاح الرسوم کی طرف رجوع فرمائیں۔ علامہ شیخ جعفر شوستریؒ ان الفاظ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے جن سے ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے فرماتے ہیں ''درزبان بعض عوام متعارف است کہ می گویند امام حسین عمرت راز یاد کند یا حضرت عباس روزی تراز یاد بکند یا فلاں امام زادہ ترا از نگاہ محفوظ بدارد دگر منظور ایں است کہ از برکت اینہا بشود۔ آلخ''۔

یعنی بعض عوام الناس کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک دوسرے سے یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین تمہاری عمر زیادہ کریں یا حضرت عباسؑ تمہاری روزی زیادہ کریں یا تمہیں اولاد دیں یا فلاں امام زادہ تمہاری حفاظت کرے بس اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی برکت سے ایسا ہو یا یہ بزرگوار خدا کی بارگاہ میں سفارش کریں تو درست ہے ورنہ اگر اس قائل کا مقصد یہ ہے کہ یہی حضرات یہ کام کریں تو پھر اس قائل کا اسلام مشکل ہے۔ (رسالہ منہج الرشاد طبع بمبئی) اور تفسیر انوار النجف کے فاضل مؤلف لکھتے ہیں ''عوام الناس کی زبان سے عموماً نکلتا ہے کہ اللہ و اہل بیتؑ نے فلاں کام کیا یا اللہ اور پنجتن پاکؑ نے فلاں کام کیا، یا اللہ اور علیؑ نے میرا کام کر دیا ہے وغیرہ اس قسم کے فقرات سے شرک کی بو آتی ہے اور معصوم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کے فقرات کے استعمال سے مومنین کو گریز کرنا چاہئے'' ۔ (انوار النجف ج ۸) خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کو اپنے ہر قول و فعل میں اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ خداوند واحد و یکتا ہے، ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے یعنی خدا ایک ہے۔ واللہ العالم۔

۴۹۔ افامنوا ان تاتیھم۔ الآیۃ۔

منکرین توحید و رسالت کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ جب یہ لوگ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ رسول کو اور نہ روز جزا و سزا کو اور نہ دوسرے شعائر اسلامی کو تو کیا یہ اللہ کے چھا جانے والے عذاب اور قیامت کے اچانک آ جانے سے محفوظ ہو گئے ہیں؟ جو اس طرح بے تحاشا کفر و شرک اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر رہے ہیں کس نے انہیں یہ اطمینان دلایا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کا عذاب آ گیا اور چھا گیا یا ایک دم

قیامت قائم ہوگئی تو ان کا انجام کیا ہوگا؟ اس پیرایہ میں ان لوگوں کو خوابِ غفلت سے جگانا مقصود ہے۔ وبس۔

۵۰۔ قل ھذہ سبیلی۔ الآیۃ۔

اس آیت کا حقیقی مفہوم سمجھنے میں مفسرین کو بڑی الجھن کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پا رہے کہ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ پر جملہ ختم ہو جاتا ہے اور علی بصیرۃ انا ومن اتبعی جملہ مستانفہ ہے یا یہ پہلے جملہ سے متعلق ہے اور محذوف سے متعلق ہو کر ادعو کی ضمیر کا حال واقع ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ اردو کے جس قدر مترجم قرآن اٹھا کر دیکھیں قریباً ہر مترجم نے اس کا الگ ترجمہ کیا ہے اگر طوالت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو اختلاف کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا مگر حق یہ ہے کہ ''علی بصیرہ'' محذوف سے متعلق ہے اور وہ ادعو کی ضمیر واحد متکلم کا حال واقع ہو رہا ہے۔ انا کی ضمیر ادعو کی ضمیر کی تاکید ہے۔ ومن اتبعنی کا اس پر عطف ہے بنابریں ترجمہ یوں ہوگا (اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور جو میرا (حقیقی) پیروکار ہے ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں اس حال میں کہ ہم پوری بصیرت اور واضح دلیل پر ہیں یعنی ہماری دعوت دلیل و برہان پر مبنی ہے اور کفار کی طرح کورکورانہ تقلید پر مبنی نہیں ہے کہ انا وجدنا آبائنا علی امۃ وانا علی اثارھم لمقتدون۔ کاراگ الاپیں اسلام کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ جو بات کرتا ہے وہ دلیل و برہان کے ساتھ کرتا ہے اور دوسروں سے بھی اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اور یہ بات کسی خاص وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا حقیقی اتباع کرنے والا اور دعوت ذوالعشیر ہ سے لے کر سورہ برات کی تبلیغ تک اور فتح مکہ سے لے کر وفات پیغمبر تک ہر لحظہ اور ہر لمحہ دعوت الی اللہ میں شریک رسول رہنے والا حضرت امیر علیہ السلام کے سوا پورے عالم اسلام میں کوئی اور نظر نہیں آتا ہاں البتہ آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے گیارہ امام اپنے اپنے دور میں اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور اس سلسلہ جلیلہ کے افراد کاملہ نظر آتے ہیں چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ''علی اتبعہ'' پیغمبر اسلام کے حقیقی متبع اور پیروکار حضرت علی علیہ السلام ہیں (اصول کافی) نیز انہی حضرت سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا: ''ذلك رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وامیرالمومنین والاوصیاء علیہم السلام من بعدھما''(ایضا وصافی) وہ داعی الی اللہ حضرت رسول خدا ہیں اور حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ان دونوں بزرگواروں کے بعد دوسرے گیارہ وصی ہیں جو داعی اللہ اور دین الٰہی کی مکمل ذمہ داری سنبھالنے والے ہیں۔

۵۱۔ وما ارسلنا۔ الآیۃ۔

چند حقائق کا بیان

آیت مبارکہ میں خداوند حکیم نے چند حقائق بیان کئے ہیں ایک یہ کہ خدانے ہمیشہ جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ بنی نوع انسان سے بھیجے ہیں کبھی ملائکہ میں سے کوئی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا دوسری یہ کہ انسانوں میں سے بھی ہمیشہ مردوں کو ہی یہ منصب عطا فرمایا ہے کبھی کسی عورت کو اس عہدہ پر فائز نہیں کیا۔ تیسری یہ کہ خدانے ہمیشہ جو رسول بھیجے ہیں وہ شہروں اور قصبوں کے باشندوں میں سے بھیجے ہیں کبھی صحرائی بدوؤں میں سے نہیں بھیجے کیونکہ صحرائی لوگ عموماً اکھڑ مزاج اور ناقص العقل ہوتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ قرآن میں لفظ ''من اھل القریٰ'' وارد ہے اور ''قریٰ'' قریہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی عموماً بستی کے لئے جاتے ہیں حالانکہ بدو اور صحراء کے بالمقابل اس کے معنی شہر اور قصبہ کے ہوتے ہیں اسی سورہ کی آیت ۸۲ **واسئل القریۃ التی کنافیھا** میں مصر کو قریہ کہا گیا کہ آپ اس قریہ کے رہنے والوں سے دریافت کریں جس میں ہم موجود تھے اس آیت میں گویا ان لوگوں کی رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہا کرتے ہیں کہ خدانے پیغمبر اسلامؐ کو انسانوں میں سے کیوں بھیجا؟ فرشتوں میں سے کیوں نہیں بھیجا؟ تو ان سے کہا جا رہا ہے کہ خدا کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ اس نے بنی نوع انسان سے نبی و رسول بھیجے ہیں جو طعام کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور سودا سلف خریدتے تھے اور انکی دعوت بھی وہی تھی جو پیغمبر اسلامؐ کی ہے تو ان انبیائے ماسلف کی نبوت کا اقرار کرنا اور خاتم الانبیاء کی رسالت کا انکار کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

۵۲۔ حتی اذا ستیئس الرسل۔ الآیۃ۔

چونکہ کفار قریش اعتراض کرتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہیں وہ آتا کیوں نہیں ہے؟ تو خدا اس آیت میں اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ وہ عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس آیت کا صاف اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ اور جب قوموں نے انکی دعوت پر لبیک نہ کہی تو انبیاء نے ان کو آخرت کے عذاب سے پہلے دنیوی عذاب کے نازل ہونے سے ڈرایا۔ مگر منکرین نے ان کا مذاق اڑایا اور انبیاء نے عذاب کے نزول کا انتظار فرمایا۔ مگر انتظار کرتے کرتے جب انتظار کی مدت اس قدر طوالت پکڑ گئی جس کے بعد یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ اب عذاب نہیں آتا اور یہ دھمکی کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتی تو اس وقت ہماری مدد و نصرت آ پہنچی مجرمین پر عذاب نازل ہو گیا اور اس سے صرف وہی لوگ بچے جنہیں خدانے بچانا چاہا یعنی صرف اہل ایمان اور اہل تقویٰ محفوظ رہے

بنابریں یہ مایوسی اور کذب بیانی کا خیال زحمت انتظار کی شدت اور اسکے طول پکڑنے کی حدت سے کنایہ ہے اور فصحاء و بلغاء کے کلام میں اس طرح کے مبالغے ہوا ہی کرتے ہیں۔ مگر چونکہ بعض لوگوں کو یہ مفہوم شانِ انبیاء کے منافی نظر آتا ہے اس لئے اس فقرہ کے اصل مطلب تک رسائی حاصل کرنا مفسرین کے لئے خاصا دشوار ہو گیا ہے چنانچہ انہوں نے ظنوا کا فاعل اور قد کذبوا کا نائب فاعل قوم کے افراد کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ان کو جو دھمکی دی گئی ہے وہ غلط نکلی ہے اور بعض مفسرین نے ظنوا اور کذبوا کا فاعل مضمران انبیاء کی امتوں کو قرار دیا ہے کہ انکی امتوں نے گمان کیا کہ ہم سے ان انبیاء نے فتح و فیروزی کے جو وعدے کئے تھے وہ غلط نکلے عیون الاخبار میں مذکور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے عصمت انبیاء کے بارے میں مامون عباسی نے جو سوالات کئے تھے۔ ان میں سے ایک یہی تھا کہ اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟ امام نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ جب انبیاء اپنی امتوں کے ایمان لانے سے مایوس ہوئے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ انبیاء نے ان کو جھوٹی دھمکی دی ہے تب ہماری مدد و نصرت انبیاء کے پاس پہنچ گئی (تبیان) اور مجرموں پر عذاب نازل ہو گیا اور جسے خدا نے بچانا چاہا بچا لیا بعض مفسرین نے بڑی طویل و عریض بحث کے بعد اسی مفہوم کو انبیاء کی تعظیم و تکریم کے زیادہ موافق اور تقاضائے احتیاط کے مطابق قرار دیا ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاھب

۵۳۔ لقد کان فی قصصھم۔ الآیۃ۔

سابقہ انبیاء اور انکی قوموں کے قصص و حکایات میں اور ان کے عروج و زوال کی داستانوں میں اور انکی آبادی و بربادی کے واقعات میں عموماً اور جناب یوسفؑ اور انکے بھائیوں کے قصہ میں خصوصاً دانشمندوں کے لئے بڑا سامان عبرت و نصیحت موجود ہے بشرطیکہ وہ ان داستانوں کو صرف دوسروں کی حکایت سمجھ کر نہ سنیں اور پڑھیں بلکہ ان سے درس عبرت حاصل کرنے اور اس سے اپنی زندگی کو سنوارنے کی غرض سے سنیں اور پڑھیں مگر آہ

کاخ جہاں پر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صداکم است

سچ ہے "ما اکثر العبر و اقل الاعتبار"؟

۵۴۔ ما کان حدیثاً۔ الآیۃ۔

کان کا اسم بنا بر مشہور قرآن ہے کہ یہ قرآن کوئی گھڑا ہوا افسانہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس کتاب کا مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے اس میں ہر اس چیز کی تفصیل موجود ہے جس کا تعلق دین سے ہے اور یہ اہل ایمان کے لئے کتاب ہدایت اور سراپا رحمت ہے کیونکہ وہی لوگ اس کتاب ہدایت و رحمت سے استفادہ کرتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين۔ یعنی یہ کتاب ہے تو عالمی کتاب عالمی نبی پر نازل ہوئی ہے اور عالمین کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے مگر اس سے فائدہ وہی خوش قسمت لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں مشعل ایمان روشن ہوگی اور جن کے بدنوں پر لباس تقویٰ ہوگا۔ اللهم اجعلنا منهم بجاه سيد المرسلين وآله الطاهرين۔ والحمد لله۔ اولاً آخراً۔

سورۃ الرعد کا مختصر تعارف

وجہ تسمیہ:۔

اس سورہ کا نام ''رعد'' اس لئے مقرر ہوا ہے کہ اس میں رعد کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ ''یسبح الرعد بحمدہٖ و الملائکۃ من خیفتہ''۔ اس سورہ کی آیتیں تنتالیس اور رکوع چھ ہیں۔

عہد نزول:۔

یہ سورہ مکی ہے یا مدنی؟ اس سورہ کے سرنامہ پر بالعموم ''سورۃ الرعد مکیۃ'' ہی لکھا ہوا ہوتا ہے مگر علماء فریقین میں اختلاف ہے کہ یہ سورہ مکی ہے یا مدنی۔ چنانچہ شیخ طوسی نے اپنی تفسیر تبیان میں اور فاضل الوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس کا مکی ہونا متفق علیہ نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس میں صرف ایک آیت مکی ہے جو یہ ہے ''ولایزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ'' باقی سب مدنی ہے۔ (تفسیر تبیان)۔ مگر مفسر آلوسی نے یہ کہہ کر اس بحث کا خاتمہ کیا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے مگر اس میں کچھ آیتیں مدنی بھی ہیں (روح المعانی)۔

اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست

۱۔ قرآن کلام خدا ہے مگر اکثر لوگ یہ حقیقت نہیں جانتے۔

۲۔ خدا کی قدرت وحکمت کو نا قابل انکار آیات تکوینیہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ مختلف اسالیب سے بار بار توحید ورسالت اور قیامت کی حقانیت واضح کی گئی ہے۔

۴۔ ان حقائق پر ایمان لانے کے فوائد وعوائد بیان کئے گئے ہیں اور نہ لانے کے نقصانات۔

۵۔ کفر وشرک کو سراسر حماقت وجہالت قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

۷۔ ہر شئے کا خالق و مالک خدا ہی ہے۔

۸۔ محافظ فرشتوں کا تذکرہ۔

۹۔ ہر چیز خدا کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے۔
۱۰۔ خدا کسی قوم کی حالت کو بلا وجہ تبدیل نہیں کرتا۔
۱۱۔ خدا کی یاد اطمینان قلب کا باعث ہے۔
۱۲۔ پیغمبر اسلامؐ کے دو گواہوں کا تذکرہ ایک کتاب اور دوسرا عالم کتاب۔
۱۳۔ برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنے کا حکم۔
۱۴۔ لوح محفوظ اور لوح محو واثبات کا ذکر۔ وغیرہ وغیرہ۔

سورہ رعد کی تلاوت کرنے کا ثواب

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص سورہ رعد کی بکثرت تلاوت کرے اس پر کبھی آسمانی بجلی نہیں گرے گی اگرچہ ناصبی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر مومن ہو تو بلاحساب جنت میں داخل ہوگا اور اپنے خاندان کے تمام لوگوں اور دینی بھائیوں کے حق میں اسکی شفاعت مقبول ہوگی۔ (ثواب الاعمال۔ تفسیر عیاشی)۔

۲۔ نیز انہی حضرت سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص اندھیری رات میں نماز عشاء کے بعد یہ سورہ لکھے اور جابر وظالم بادشاہ کے دروازے پر لٹکا دے تو اسکی رعایا اور فوج اس کے خلاف بغاوت کردے گی اور اسکی عمر کوتاہ ہوجائے گی اور اگر ویسے کسی ظالم کا فریا ملحد وزندیق کے دروازے پر لٹکا دی جائے تو باذن اللہ اسکی ہلاکت وبربادی کا باعث ہوگی (تفسیر البرہان)۔

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الٓمّٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ ؕ وَالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝١ اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّكُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ۝٢ وَهُوَ الَّذِىۡ مَدَّ

الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡهٰرًا ؕ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيۡهَا زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۳ وَفِى الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِيۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ صِنۡوَانٍ يُّسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝۴

ترجمۃ الآیات

الف، لام، میم یہ الکتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سب بالکل حق ہے لیکن اکثر لوگ (اس پر) ایمان نہیں لاتے (۱) اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا ہے بغیر ایسے ستونوں کے جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ عرش (اقتدار) پر متمکن ہوا۔ اور سورج و چاند کو (اپنے قانون قدرت کا) پابند بنایا (چنانچہ) ہر ایک معینہ مدت تک رواں دواں ہے وہی اس کارخانہ قدرت (کے) ہر کام کا انتظام کر رہا ہے اور اپنی قدرت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا یقین کرو (۲) اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں مضبوط پہاڑ بنا دیے اور نہریں جاری کر دیں اور اس میں ہر ایک پھل کے جوڑے دو قسم کے پیدا کر دیئے وہ رات (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو ڈھانپ دیتا ہے بے شک ان سب چیزوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں (۳) اور خود زمین میں مختلف ٹکڑے آس پاس واقع ہیں (پھر ان میں) انگوروں کے باغ ہیں (غلہ کی) کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں کچھ ایسے جو ایک ہی جڑ سے کئی درخت نکلے ہیں اور کچھ وہ جو ایسے نہیں ہیں سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں مگر ہم (ذائقہ میں) بعض کو بعض پر برتری دیتے ہیں۔ یقینا ان امور میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ رواسی۔ کے معنی ہیں مضبوط پہاڑ۔ ۲۔صنوان۔ جب ایک جڑ سے دو یا اس سے زائد کھجور کے درخت پھوٹیں تو ہر ایک کو صِنو یا صنو کہا جاتا ہے۔ ۳۔ الاُکل و الاکُل۔ کے معنی ہیں پھل اور خوراک ۔ ۴۔ آیات۔آیت کی جمع ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔ المر۔ الآیۃ۔

قبل ازیں کئی بار اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ حروف مقطعات جو قرآن مجید کی بعض سورتوں کی ابتداء میں موجود ہیں۔ یہ ان متشابہات میں سے ہیں جنکی حقیقی تاویل خدا جانتا ہے یا اسکے بتانے سے راسخون فی العلم جانتے ہیں اگرچہ بعض روایات میں ان حروف کے بعض مفاہیم بیان کئے گئے ہیں جیسے اسی المر کے بارے میں کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ معنی مروی ہیں کہ الف سے انا اور لام سے اللہ میم سے محی و ممیت اور را سے رزاق مراد ہے۔یعنی انا اللہ المحی الممیت الرزاق۔ کہ میں اللہ ہی زندہ کرنے اور مارنے والا اور روزی دینے والا ہوں مگر اس قسم کی روایات کی سند یقینی نہیں ہے لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ ان کے حقیقی مفہوم ومطلب کو خدا اور راسخون فی العلم یعنی سرکار محمد وال محمد علیہم السلام کے حوالے کیا جائے۔

۲۔ تلك آیات۔ الآیۃ۔

بعض نے الکتاب سے توراۃ وانجیل اور والذی انزل الیک سے قرآن مجید مراد لیا ہے اور بعض نے الکتاب سے قرآن مجید اور والذی انزل الیک سے حدیث قدسی وغیرہ مراد لی ہے کیونکہ آنحضرتؐ کی شان یہ ہے کہ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی(وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ اسی کی ترجمانی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی حدیث بھی وحی الٰہی ہی ہے ہاں البتہ جیسا کہ تفسیر کے پہلے مقدمہ میں قرآن وحدیث قدسی اور عام حدیث میں فرق واضح کیا گیا ہے کہ ان ہرسہ میں باہمی فرق یہ ہے کہ قرآن کے مطالب و معانی اور الفاظ وحروف منجانب اللہ ہوتے ہیں جو فصاحت وبلاغت میں حد اعجاز تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور حدیث قدسی کے بھی مطالب ومعانی

اور الفاظ وکلمات گومنجانب اللہ ہوتے ہیں مگر وہ حدِ اعجاز تک پہنچے ہوئے نہیں ہوتے اور عام حدیث کے گو مطالب ومعانی منجانب اللہ ہوتے ہیں مگر الفاظ وکلمات نبی کے اپنے ہوتے ہیں اور اس نظریہ کی بنا پر کہ یہاں الکتاب سے مراد قرآن اور والذی انزل الیک سے حدیث قدسی وغیرہ مراد ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی کی گئی ہے کہ یہاں حرف عطف موجود ہے جو معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر بایں ہمہ تحقیقی قول یہ ہے جسے فریقین کے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے کہ یہاں الکتاب اور والذی انزل الیک ہر دو سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بنابریں یہ عطف عطف تفسیری ہے جو مغائرت کا تقاضا نہیں کرتا۔ یہ قرآن ہی ہے جس کے بارے میں قرآن ناطق یعنی حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ان ھذا القران ظاھرہ انیق وباطنہ عمیق لاتفنی عجائبہ ولاتنقضی غرائبہ ولاتکشف الظلمات الا بہ۔ یہ وہ قرآن ہے جس کا ظاہر خوش آئند ہے اور باطن بہت گہرا ہے اسکے عجائب کبھی فنا نہیں ہوتے اور اسکے غرائب کبھی ختم نہیں ہوتے اور کفر وشرک اور گناہ وعصیاں کی تاریکیاں صرف اسی سے دور ہوتی ہیں۔ (نہج البلاغہ)

۳۔ اللہ الذی۔ الآیۃ۔

یہاں سے خدا کی ہستی، اسکی وحدانیت اور اسکی قدرت وحکمت پر دلائل آفاقیہ شروع ہوتے ہیں اور ان کا آغاز اجرام فلکیہ سے کیا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کے ان بلند وبالا شامیانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند اور کھڑا کیا ہے جو تمہیں نظر نہ آئیں عمد عمود وعماد کی جمع ہے جس کے معنی ستون اور سہارا کے ہیں چونکہ ''ترونہا'' میں ھا کی ضمیر کا مرجع عمد ہے اور یہ جملہ اس کی صفت واقع ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس آسمان کے جذب وکشش کے ستون تو ہیں مگر وہ مادی اور محسوس نہیں ہیں جنہیں تم دیکھ سکو یہی مفہوم حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا'' نعم عمد ولکن لاترونھا'' ہاں ستون تو ہیں مگر وہ تمہیں نظر نہیں آتے (تفسیر قمی وعیاشی) اور یہی بات موجودہ تحقیقات کے مطابق ہے کہ جذب وکشش کے ستون تو ہیں مگر وہ مرئی نہیں ہیں اور ہمیں مادی حواس سے محسوس نہیں ہوتے۔

۴۔ ثم استوی علی العرش۔ الآیۃ۔

اس فقرہ کی مکمل تفسیر سورہ اعراف کی آیت ۵۴ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پھر خدا اقتدار اعلیٰ پر قابض ہوا اور اس پر متمکن ہو گیا۔ یعنی اسکی بادشاہت کائنات ہستی پر نافذ ہو گئی۔ کیونکہ کائنات کا خالق بھی وہی ہے اور مدبّر بھی وہی۔

۵۔ وسخر الشمس والقمر ۔ الآیۃ۔

خدا کے وجود اور اس کی قدرت وحکمت کی بے شمار نشانیوں میں سے یہ دوسیارے یعنی آفتاب وماہتاب بھی ہیں جو اپنے مقررہ مدار میں اس طرح گردش کرتے ہیں کہ بال برابر ادھر اُدھر نہیں ہوتے سورج اپنے مدار کو سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرلیتا ہے اور اپنے مقررہ وقت پر طلوع وغروب ہوتے ہیں کبھی ایک منٹ کا فرق واقع نہیں ہوتا۔ بس خدا نے دونوں کو جس طرح کام پر لگادیا ہے وہ اپنے معینہ نظام الاوقات کے تحت لگے ہوئے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز ایک حکیم وعلیم خدا کے قبضہ قدرت میں ہے اور سب کچھ اسی کے حکم کے تحت ہورہا ہے۔ ذلک تقدیر العلیم الحکیم۔

۶۔ یدبر الامر ۔ الآیۃ۔

اس جملہ کی تفسیر سورہ یونس کی آیت ۳ کی تفسیر میں گذر چکی ہے کہ خدائے حکیم نے اس کائنات ارضی وسماوی کو پیدا کرنے کے بعد نہ اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور نہ کسی نبی وامام یا کسی دیوی دیوتا کے حوالے کیا ہے بلکہ خود ہی اسکی تدبیر اور انتظام فرمارہا ہے اور خود ہی سب نظام ہستی چلا رہا ہے خدا اسی طرح کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کو قیامت کے برحق ہونے کا یقین ہوجائے کہ جو خدا یہ سب کائنات پیدا کرنے اور اس کا نظام چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے قائم کرنے اور مردوں کو زندہ کرکے اپنی بارگاہ میں پیش کرنے پر بھی قادر ہے۔

۷۔ وھو الذی مدّ الارض۔ الآیۃ۔

بعض آسمانی نشانیوں کے تذکرہ کے بعد اب بعض زمینی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ اور بتایا جارہا ہے کہ یہ زمین کا وسیع وعریض فرش کس نے اور کیوں بچھایا ہے؟ آج کل سائنسی تحقیقات سے ثابت ہوچکا ہے کہ زمین کروی (گول) شکل کی ہے اور مسطح نہیں ہے لہٰذا اسکے مد وامتداد (پھیلائے جانے) سے اسکی کرویت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اور نہ ہی قرآن اس سے بحث کرتا ہے اور نہ ہی یہ اس کا موضوع ہے بہرحال جب کوئی جسم بہت بڑا ہو تو اس کا جو ٹکڑا بھی انسانی آنکھ کے سامنے آتا ہے وہ مسطح اور پھیلا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

۲۔ یہ بڑے بڑے پہاڑ کس نے بنائے، ان کو زمین کی میخیں کس نے قرار دیا؟ ان میں مختلف معدنیات کے خزانے کس نے پیدا کئے؟ جن سے لوگ ہزاروں فائدے اٹھا رہے ہیں۔

۳۔ ان سخت وسنگلاخ پتھروں اور چٹانوں سے پانی کے چشمے کس نے جاری کئے؟ اور کس نے ان

سے دریا نکالے اور میدانی علاقوں میں لاکھوں مربع میل زمین کو سیراب کرنے کا انتظام کس نے کیا؟

۴۔ پھر تمام پھلوں کی دو دو قسمیں کہ کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا، کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا، کوئی سرخ ہے اور کوئی سفید اور بعید نہیں ہے کہ جس طرح کھجور اور پپیتہ وغیرہ بعض درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے درختوں اور پھلوں میں بھی نر و مادہ موجود ہوں؟ اور پھر ہواؤں کے ذریعہ سے تلقیح کا عمل انجام پاتا ہو؟

۵۔ دن کے بعد رات کا آنا اور اس کی روشنی کو ڈھانپ لینا اور یہ شب و روز کے سلسلہ کا جاری کرنا جس سے لوگ کاروبار بھی کر سکیں اور آرام و سکون بھی یہ جہاں اللہ کی قدرت و حکمت کی دلیل ہے وہاں شرک اور تعدد الٰہ کی تردید بھی ہے "دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گذری ہیں جنہوں نے رات اور دن کو مستقل دیوتا مان کر انکی پوجا کی ہے" (تفسیر ماجدی)۔ بے شک ان چیزوں میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے خدا کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔

۸۔ وفی الارض قطع۔ الآیۃ۔

خدا کی زمینی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک بڑی نشانی ہے کہ اس کے مختلف قطعات بالکل آس پاس ہیں مگر اسکے باوجود خاصیت مختلف ہے مزاج مختلف ہے کوئی زرخیز زمین ہے اور کوئی نہیں ہے کہیں انگور کا باغ ہے، کہیں غلہ کی کھیتیاں ہیں اور کہیں کھجوریں ہیں بعض کے تنے اکہرے ہیں اور بعض کے دوہرے ہیں اور پھر جس پانی سے سیراب ہوتے ہیں وہ پانی بھی ایک ہے مگر پیداوار کی مقدار میں فرق ہے (کہیں زیادہ اور کہیں کم) ذائقہ میں فرق ہے کوئی بہتر ہے اور کوئی کہتر کہیں ایک جڑ سے کئی کئی تنے پھوٹ نکلتے ہیں اور کہیں ایک جڑ سے صرف ایک ہی تنا نکلتا ہے یہی حال بنی آدم کا ہے کہ کچھ اچھے ہیں اور کچھ بُرے ہیں حالانکہ اصل سب کی ایک ہے۔ ؎

ابوہم آدم والام حواء

جب ان کے پاس ہدایت آتی ہے تو کوئی اس سے استفادہ کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ کوئی تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے اور کوئی زیادہ یقیناً ان امور میں صاحبان عقل و خرد کے لئے بڑی نشانیاں ہیں یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ نہ آپ سے آپ ہو رہا ہے اور نہ طبیعت و نیچر کا اندھا قانون کر رہا ہے۔ بلکہ ایک خدا ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے یہ سب نظام ہستی چلا رہا ہے۔

آیات القرآن

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝۵ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ۝۶ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۝۷ اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ۝۸ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۝۱۰

ترجمۃ الآیات

(اے مخاطب) اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل ان (کفار) کا یہ قول ہے کہ جب (مرکر) خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا ہوں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہ ہیں جنکی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی جہنمی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (۵) اور (اے رسولؐ) یہ لوگ آپ سے نیکی (مغفرت) سے پہلے برائی (عذاب) کے لئے جلدی کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (ایسے لوگوں پر) خدائی سزاؤں کے نمونے گذر چکے ہیں اور آپ کا پروردگار لوگوں کو ان کے ظلم وزیادتی کے

باوجود بڑا بخشنے والا ہے اوریقینا آپ کا پروردگار سخت سزا دینے والا بھی ہے۔(۶) اور کافر لوگ کہتے ہیں ان (پیغمبر اسلامؐ) پر انکے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی (ہماری مرضی کے مطابق) کیوں نہیں اتاری جاتی؟ حالانکہ تم تو بس (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہوتا ہے(۷) اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر عورت (اپنے پیٹ میں) کیا اٹھائے پھرتی ہے؟ اور اس کو بھی (جانتا ہے) جو کچھ رحموں میں کمی یا بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کے نزدیک ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے(۸) وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر سب چیزوں کا جاننے والا ہے وہ بزرگ ہے (اور) عالی شان ہے(۹) تم میں سے کوئی چپکے سے کوئی بات کرے یا اونچی آواز میں کرے اور جو رات کے وقت چھپا رہتا ہے یا دن کے وقت (صاف ظاہر) چلتا ہے اسکے علم میں سب یکساں (برابر) ہیں(۱۰)

تشریح الالفاظ

۱۔الاغلال۔ یہ غل کی جمع ہے جس کے معنی ہتھکڑی اور طوق کے ہیں۔ ۲۔المثل۔ یہ المُثْلہ اور المَثلہ کی جمع ہے جس کے معنی آفت، عبرت ناک سزا اور عقوبت کے ہیں۔ ۳۔ تغیض۔غیض کے معنی ہیں تھوڑی مقدار اور نامکمل اسقاط شدہ بچہ۔ ۴۔سارب۔ کے معنی ہیں صاف ظاہر اور واضح۔

تفسیر الآیات

۹۔ وان تعجب۔ الآیۃ۔

چونکہ کفار و مشرکین حیات بعد الممات، قیام قیامت اور اسکے حساب و کتاب کو خلاف عقل اور ناممکن جانتے تھے اور انہی امور کے خبر دینے پر وہ انبیاء کی تکذیب کرتے تھے جو دراصل خدا کی قدرت اور قدر کے انکار کے مترادف ہے اور دوسری زندگی کے منکرین کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے جس بات کا وہ اقرار کرتے ہیں دوسری بار اسی کا انکار کر دیتے ہیں پہلی زندگی کا انکار تو ان کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ ایک زندہ حقیقت ہے تو جب پہلی زندگی کا وجود ممکن ہے جو زیادہ مشکل ہے اور عدم سے وجود میں لانے کا نام ہے تو دوسری زندگی کیوں ناممکن ہے جو سہل ہے اور منتشر اجزاء کو اکٹھا کر کے ان میں جان ڈالنے کا نام ہے جبکہ خدا قادر بھی ہے

اورعلیم بھی وہ ہرایک چیز کےمتفرق اور بکھرے ہوئے اجزاءذرات کوجانتا بھی ہےاوران کوجمع کرنے پرقادربھی ہے چونکہ ان لوگوں کادوسری زندگی کاانکارکرنادراصل خدااوراسکی قدرت کےانکارکےمترادف ہےاسی لئے خدا خودفرمارہاہے اے میرے حبیب! یہ لوگ صرف آپ کی نبوت کاہی انکارنہیں کرتے بلکہ دراصل اپنے پروردگارکےمنکرہیں اس لئے وہ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۱۰۔ یستعجلونك۔ الآیة۔

بجائے اس کے یہ بدبخت لوگ اپنے گناہوں کی مغفرت اوربخشش طلب کرتے وہ الٹااللہ کےعذاب کےنزول کوکسی نبی کی حقانیت کامعیارقراردیتے تھےکہ اگریہ نبی سچاہےتوپھروہ عذاب کیوں نہیں آتاجس کی یہ دھمکی دیتاہے؟ حالانکہ کہ اسی احمقانہ مطالبہ کی وجہ سے کئی قومیں تباہ وبربادہوچکی ہیں اورخداوندی سزاؤں کے عبرتناک نمونے گذرچکے ہیں تو چاہئے تو یہ تھا کہ یہ ان لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے مگروہ خودنہ صرف یہ احمقانہ مطالبہ کررہے ہیں بلکہ جلدی بھی کررہے ہیں اگرعذاب کواپنی آنکھوں سے دیکھ کرہی خدااوررسول کااقرارکرناہےاوران کو ماناہےتوپھرفائدہ کیاہوگا؟ اس وقت ماننے کی مہلت کب ہوگی؟ اوراگربالفرض مل بھی گئی تواس وقت کاایمان لاناقبول کب ہوگاحالانکہ دانشمندی کاتقاضایہ ہے کہ دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل کی جائے اوروقفہ سے فائدہ اٹھایاجائے اورقرآنی دعوت میں غوروفکرکرکے اپنی دنیاوآخرت کو سدھاراجائے خداکےقانون مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس سے غلط نتیجہ اخذکرنااورالٹااثرلینابدترین قسم کی جہالت اورحماقت ہے۔

۱۱۔ویقول الذین۔الآیة:

باوجودیکہ وہ پیغمبرکےسینکڑوں معجزے دیکھ چکے تھے جبکہ آپکی پاک وپاکیزہ سیرت اورآپکی بے مثال روش ورفتارآپ کی صداقت کاسب سے بڑامعجزہ تھاوہ بھی آنکھوں کےسامنے تھامگراس کے باوجودان کایہ کہناکہ آپ پرآپ کے پروردگارکی طرف سےکوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی''اس کامطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی کےمطابق اپنامطلوبہ معجزہ دکھانے کامطالبہ کررہے ہیں اس لیےان لوگوں کےاس مطالبہ کے جواب میں خداوندعالم فرمارہاہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میرااصلی کام کافروں اوربدکاروں کوخداکےعذاب سے ڈرانا ہے جومیں نے پوری طرح انجام دےدیاہے۔باقی رہامعجزہ کادکھاناتواولاًتووہ میراکام نہیں ہے وہ فعل خداہے اوروہ اپنی حکمت بالغہ سے جب اورجس قسم کاچاہتاہےمعجزہ ظاہرکردیتاہے وہ تمہارے مطالبہ کے مطابق اور تمہاری مرضی کےمطابق ظاہرکرنے کاپابندنہیں ہےاورنہ ہی میرایہ کام ہے کہ تم فرمائشیں کرتے رہواورمیں انہیں

پورا کرتا رہوں مگر مکہ والوں کے پاس تو کسی نبی کی صداقت کا معیار دولت، اقتدار اور عوامی مقبولیت تھا وہ آپ کی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار اور دوسرے کمالات کو یا آپ کی غیر معمولی دعوت و پیغام کو کب خاطر میں لاتے تھے؟ حالانکہ جو سمجھدار لوگ ہوتے ہیں وہ کسی پیغامبر کے غیر معمولی پیغام کو دیکھتے ہیں اور اس میں غور و فکر کرتے ہیں اور خود اس کے کردار کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کی صداقت کا یقین کرتے ہیں اور یہی صحیح طریقہ کار ہے۔

۱۲۔ ولکل قوم۔ الآیۃ:

اس فقرہ کا مفہوم متعین کرنے میں مفسرین میں قدرے اختلاف ہے بعض نے اسے اس سے قبل منذر سے متعلق قرار دیا ہے کہ آپ تو بس عذاب سے ڈرانے والے اور ہر قوم کے راہنما ہیں اور بعض نے اسے بالکل الگ جملہ قرار دیا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہوتا ہے خواہ نبی کی شکل میں یا وصی کی صورت میں۔ پہلی امتوں میں بھی ہادی ہوتے چلے آئے ہیں اور اس امت میں بھی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک برقرار رہے گا حقیقی وارثان قرآن یعنی ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی تفسیر سے اسی دوسرے قول کی تائید مزید ہوتی ہے کہ حضرت رسول خداؐ منذر ہیں اور آپ کے بعد راہنمائی خلائق کا منصب آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حوالے کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ انا المنذر وعلی الھادی من بعدی علی بک یھتدی المھتدون۔ (مجمع البیان) ''فرمایا میں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ میرے بعد ہادی ہیں پھر فرمایا علی تیرے ذریعہ ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے'' حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے فرمایا: ان الھادی ھو امام کل عصر معصوم یومن علیہ الغلط وتعمد الباطل۔ کہ ہادی سے مراد ہر دور کا وہ معصوم امام ہے جس کے متعلق اطمینان ہے کہ وہ کوئی غلط اور باطل کام نہیں کرتا۔ (تفسیر بتیان) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: المنذر رسول اللہ ﷺ والہ والھادی امیر المومنین وبعدہ الائمۃ۔ (تفسیر قمی وعیاشی) منذر (عذاب خدا سے ڈرانے والے) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہادی سے مراد حضرت امیر علیہ السلام اور ان کے بعد والے ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں کیونکہ زمین کبھی حجت خدا کے وجود سے خالی نہیں ہوتی۔

قبل ازیں آیت مبارکہ وان من قریۃ الا وقد خلا فیھا نذیر۔ کی تفسیر میں اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے کہ آیا ہر ملک وملت میں براہ راست کسی نبی و رسول کا آنا ضروری ہے؟ یا اسکے اوصیاء اور امت کے علماء وفضلاء کے ذریعہ سے بھی یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے؟ اور آیا بنابریں متحدہ ہندوستان میں کوئی نبی آیا ہے

یا نہ؟اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۳۔ اللہ یعلم ۔ الآیۃ:

اللہ ہی جانتا ہے ہر مادہ کے حمل کو کہ لڑکا ہے یا لڑکی ،خوبصورت ہے یا بدصورت نیک بخت ہے یا بد بخت ،اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا ہے کہ ناقص الخلقت ہے یا تام الخلقت ، بچہ کتنی مدت شکم مادر میں رہے گا حمل سقط ہوگا یا پورے نو ماہ کا ہوگا یا اس سے بھی زیادہ مدت گذرے گی تب پیدا ہوگا۔ یہ تمام صورتیں مراد ہوسکتی ہیں الغرض شکم مادر ایک عجیب وغریب فیکٹری ہے جس سے انسان تیار ہوتے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی جنکی شکلیں ،صورتیں اور صلاحیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔اور یہ سب کچھ مقررہ مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔اور ایک قادر مطلق اور علیم وحکیم خدا کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

۱۴۔ عالم الغیب ۔ الآیۃ:

یہ سابقہ مضمون کی تشریح اور تاکید مزید ہے کہ اللہ کا علم سب حاضر وغائب کو محیط ہے اور وہ ہر شخص کے شب وروز کے حرکات وسکنات سے مکمل طور پر آ گاہ ہے وہ مخفی اور ظاہر، پوشیدہ اور ہویدا اور سر وعلانیہ سب امور کو جانتا ہے۔ وہ ہماری سر گوشیوں کو بھی سنتا اور بلند آواز سے بات کرنے کو بھی الغرض کائنات ارضی وسماوی کی کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔اور نہ ہی کوئی چیز اسکی قدرت اور گرفت سے باہر ہے وہ جب اور جہاں اور جس حال میں چاہے اسے پکڑ وجکڑ سکتا ہے اس نے اس کو جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے وہ بڑا عالی شان اور بزرگ وبالا ہے۔

آیات القرآن

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ‌ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ‏ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ‌ۚ‏ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ

بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ
الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ
الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ ۩ قُلْ مَنْ رَّبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا
يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ
شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

انسان کے آگے اور پیچھے (خدا کے مقرر کردہ) نگہبان ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اسکی حفاظت کرتے ہیں بے شک اللہ کسی قوم کی اس حالت کو نہیں بدلتا جو اس کی ہے جب تک قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب خدا کسی قوم کو (اس کے عمل کی پاداش میں) کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا ہے تو وہ ٹل نہیں سکتی (پہنچ کر ہی رہتی ہے)۔اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی ومددگار ہے(۱۱) وہ وہی (خدا) ہے جو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے اور (دوش ہوا پر) بوجھل بادل پیدا کرتا ہے(۱۲) بادل کی گرج اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اسکی حمد وثنا کے ساتھ اسکی تسبیح کرتے ہیں اور وہ آسمانی بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لاتا ہے درآنحالیکہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں جبکہ وہ بڑا زبردست قوت والا ہے(۱۳) (تکلیف کے وقت) اسی کو پکارنا برحق ہے اور اسے

چھوڑ کر جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ انہیں کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی (پیاسا) اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی دعا وپکار گمراہی میں بھٹکتی پھرتی ہے(۱۴) اور جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب خوشی یا ناخوشی سے اللہ کو ہی سجدہ کررہے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح وشام (اسی کو سجدہ کناں ہیں) (۱۵) (اے رسول) ان سے کہو (پوچھو) آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ (خود ہی) بتائیے کہ اللہ (نیز) ان سے کہو۔ کیا تم نے اس کو چھوڑ کر کچھ کارساز بنا لیے ہیں؟ جو اپنے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہیں اور کیا نور وظلمت (اندھیرا اور اجالا) یکساں ہیں؟ کیا ان لوگوں نے اللہ کے کچھ ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح کچھ مخلوق خلق کی ہے؟ جس کی وجہ سے تخلیق کا یہ معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہے؟ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے وہ یگانہ ہے اور سب پر غالب ہے (۱۶)

تشریح الفاظ

۱۔ المعقبات۔ کا مطلب ہے دن رات کے فرشتے۔ ۲۔ شدید المحال۔ المحال کے معنی قوت شدت، ہلاکت اور عذاب کے ہیں۔ ۳۔ الاصال یہ اصیل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔

تفسیر الآیات

۱۵۔ لہ معقبت الآیۃ۔

معقبات معقبہ کی جمع ہے اور من امر اللہ میں من بمعنی باء ہے جس سے فرشتوں کی وہ جماعت مراد ہے جو یکے بعد دیگرے خدا کے حکم سے انسان کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ فرشتے انسان کے آگے پیچھے رہتے ہیں دو دن میں اور دو رات میں یکے بعد دیگرے ان کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اور علی الصبح چاروں اکٹھے ہوتے ہیں چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا خدا نے ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ہلاکتوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں ہاں البتہ جب قضا وقدر کا خاص وقت آجائے تو پھر وہ درمیان سے ہٹ

جاتے ہیں (مجمع البیان) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا اس سے وہ محافظ فرشتے مراد ہیں جو انسان کی کنویں میں گرنے، یا اس پر دیوار کے گرنے یا کسی اور بلاومصیبت میں گرفتار ہونے سے حفاظت کرتے ہیں ہاں البتہ جب قضاء حتمی کا وقت آ جائے اور خدا اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لے تو وہ سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ (تفسیر قمی وصافی) کعب سے مروی ہے کہا اگر خدا نے یہ محافظ مقرر نہ کیے ہوتے تو جنات تمہیں اچک کر لے جاتے (مجمع البیان)۔ سچ ہے کہ اذا جاء القدر عمی البصر۔ جب قضا آ جاتی ہے تو بصارت ختم ہو جاتی ہے یعنی۔

تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے

الغرض یہ ملائکہ محافظین انسان کی دنیا وآخرت کی آفتوں، بلاؤں اور ہلاکتوں سے حفاظت کرتے ہیں روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ انسان ایک پیش آمدہ مصیبت اور ہلاکت سے بال بال بچ جاتا ہے اور دیکھنے والے حیران ہوتے ہیں کہ اس حادثہ سے بچنے کی کوئی امید نہ تھی یہ سب کچھ انہی خدائی پہریداروں کی نگہبانی کا نتیجہ ہے بنابریں ''لہ'' کی ضمیر کا مرجع انسان ہے جو من اسر القول ومن جہر بہ سے سمجھا جاتا ہے اللہ یا رسول کی طرف راجع نہیں ہے۔

۱۲۔ ان اللہ لا یغیر۔ الآیۃ

قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا تذکرہ

خدائے علیم وحکیم نے اس آیت مبارکہ میں قوموں کے عروج وزوال اور ترقی وتنزل کا فلسفہ اور راز بیان کیا ہے۔ کہ جب بھی کسی قوم میں اچھا یا بُرا انقلاب آتا ہے تو وہ خود قوم کے اپنے داخلی اچھے یا برے حالات وصفات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اگر خدا کسی قوم کو عزت وعظمت اور خوشحالی ومرفہ الحالی سے سرفراز کرتا ہے تو اپنے خاص فضل وکرم کے علاوہ اسکی سعی وکوشش اور شکرانہ نعمت کی وجہ سے (لئن شکرتم لازیدنکم) اور پھر وہ اس وقت تک اس نعمت کو باقی رکھتا ہے جب تک وہ اپنے اندر اسکی استعداد باقی رکھتی ہے۔ اور اگر وہ اس سے یہ نعمتیں سلب کرتا ہے تو اس کے برے اعمال، ناشکری، فرض ناشناسی اور سہل انگیزی کے سبب سے (ولئن کفرتم ان عذابی

لشدید)۔ بنابریں یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھ میں ہے یعنی سنت اللہ یہ ہے کہ خدا کسی قوم کے ساتھ اس وقت تک اپنا معاملہ اور سلوک تبدیل نہیں کرتا جب تک قوم خود اپنی روش و رفتار میں تبدیلی نہ کرے الغرض دنیا میں جو کوئی قوم کچھ پاتی ہے تو وہ قانون قدرت کے تحت پاتی ہے اور جب کوئی قوم کچھ کھوتی ہے تو بھی قانون قدرت کے تحت کھوتی ہے خدا کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے اور نہ کوئی لینے والا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس موضوع پر ہم تفسیر کی جلد میں سورہ کی آیت کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں۔ اور تحقیق کا حق ادا کر چکے ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

ہاں البتہ جب خدا کسی قوم پر اسکی بدعملی اور اپنی صلاحیت و کارکردگی میں تبدیلی کی پاداش میں کوئی تکلیف یا عذاب نازل کرنا چاہے تو وہ کسی پیر و فقیر، جن و ملک اور کسی خود ساختہ معبود و مسجود کے ٹالنے یا اسکے نام کی نذر و نیاز دینے سے ٹل نہیں سکتی۔ لہٰذا آیت کے اس آخری حصہ سے خدا کے ازلی ارادہ کی حاکمیت و مقدرت اور انسان کی محکومیت و مقدوریت ثابت ہوتی ہے سچ ہے۔ **لا جبر ولا تغویض بل الامر بین الامرین۔**

۱۷۔ ھو الذی یریکم۔ آلآیۃ۔

جب بجلی چمکتی ہے تو کبھی نئے خوشگوار موسم کی آمد کا پیغام لاتی ہے۔ اور کبھی صاعقہ آسمانی بن کر گرتی ہے۔ اور جس پر گرتی ہے اسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اسی طرح جب بادل اٹھتے ہیں۔ تو کبھی باران رحمت برساتے ہیں اور کبھی ہلاکت خیز سیلاب اور طوفان نوح کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں اس طرح نہ صرف ان میں بلکہ دنیا کی ہر چیز میں خوف و امید کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں جن لوگوں کو خدا نے نعمت عقل و خرد سے نوازا ہے وہ گرد و پیش کے واقعات اور روزمرہ کے حالات میں ہر قسم کی نشانی پا لیتے ہیں بجلی کی کڑک چمک سے ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ اور بارش کے قطرے دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔

۱۸۔ ویسبح الرعد۔ الآیۃ۔

رعد و برق جن کی آواز سن کر دل دہل جاتے ہیں یہ بھی زبان حال سے خدا کے خوف سے اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور ملائکہ بھی کہ ان کا خالق ہر صفت کمال سے متصف ہے اور ہر نقص و عیب سے منزہ و مبرہ ہے۔ رعد لغت میں اس کڑک کو کہا جاتا ہے۔ جو بادلوں کے باہم ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور شریعت میں اس فرشتے کو کہتے ہیں جو بادلوں کی تدبیر و انتظام پر موکل ہے۔ (تفسیر صافی) مروی ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جسامت میں مکھی سے بڑا اور بھڑ سے چھوٹا ہے۔ (الفقیہ) بجلی کی کڑک سن کر مختلف ادعیہ و اذکار کا پڑھنا وارد ہے مروی ہے کہ حضرت رسول خداؐ جب بجلی کی کڑک سنتے تھے تو پڑھتے تھے

سبحان من یسبح الرعد بحمدہ۔ (مجمع البیان) ابن عباس سے مروی ہے کہ جو شخص بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سن کر یہ کلمات پڑھے تو اگر اس پر بجلی گرے تو میں اسکی دیت کا ضامن ہوں۔ یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ وھو علی کل شئ قدیر (ایضاً)۔

۱۹۔ ویرسل الصواعق۔ الآیۃ۔

یہ آسمانی بجلیاں بھی خدائی لشکر کا حصہ ہیں وہ بجلیاں بھیجتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لاتا ہے۔ اور اس پر گراتا ہے جبکہ غافل لوگ بڑی آزادی اور بے فکری سے خدا تعالیٰ کی ذات جامع جمیع کمالات کو موضوع سخن بنا کر اور ہر قسم کے آداب واحترام کو بالائے طاق رکھ کر اس کے بارے میں لایعنی بحثیں کرتے ہیں اور آپس میں جھگڑتے ہیں خدائے قہار ان پر اپنے قہر وغضب کی بجلی گرا کر انہیں بھسم کر دیتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم زبردست قوت اور سخت گرفت کرنے والا ہے جیسا کہ فریقین کی تفاسیر میں پیغمبر اسلامؐ کے ایک سرکش کا فر کو دعوت اسلام دینے اور اس کے بار بار خدا کی ذات میں گستاخی کرنے اور خدا کے اس پر بجلی گرا کر اسے خاکستر کرنے کا واقعہ درج ہے۔ (مجمع البیان وخزائن العرفان) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا خدا کا ذکر کرنے والے پر کبھی آسمانی بجلی نہیں گرتی (اصول کافی وتفسیر صافی) جیسا کہ استغفار کرنے والے پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ ما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون۔

۲۰۔ لہ دعوۃ الحق۔ آلآیۃ۔

مصائب وشدائد کے وقت خدا کو ہی پکارنا برحق ہے اور وہی نتیجہ خیز کیونکہ وہی ہے جو دعا و پکار کو سنتا ہے اور جواب میں لبیک بھی کہتا ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا اقتدار واختیار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ بنابریں حق بمعنی سچ اور دعوت کی صفت ہے اور کلمۃ الحق کی طرح موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کو پکارنا حق ہے اور اسے چھوڑ کر اپنے خودساختہ شریکوں اور معبودوں کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے پکارنا باطل ہے اور صدا بصحرا ہے کیونکہ وہ نہ داعی کی دعا و پکار کو سن سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ خداوند حکیم نے ان لوگوں کی حماقت اور نامرادی کی مثال ایک ایسے پیاسے شخص سے دی ہے۔ جو شدتِ پیاس کے وقت اپنے ہاتھ ایسے پانی کی طرف بڑھائے جو اسکی پہنچ سے باہر ہو وہ پیاس کی شدت سے تڑپتا ہے اور بلکتا ہے مگر پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا اور محرومی اس کا مقدر ہے اسی طرح یہ لوگ بھی خدا کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ بھی ان کی اس سے زیادہ دادرسی نہیں کر سکتے جتنی پانی مذکورہ بالا پیاسے کی کرتا ہے لہٰذا اس کی طرح محرومی اور نامرادی ان لوگوں کا مقدر ہے اور ان کی دعا و پکار سب بے فائدہ اور صد

البصحر اء ہے۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہیں اوران کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں۔(تفسیر صافی) الغرض جس طرح یہ کاروائی شرک ہے اسی طرح کسی زندہ پیر وفقیر کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا بھی صریحی شرک ہے۔ہاں البتہ کسی نبی وامام سے توسل کرنا یاان کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کرنا چیزے دیگراست جس کے جواز پر آیت **وابتغوا الیه الوسیله** کے ذیل میں دلائل پیش کئے جاچکے ہیں۔

۲۱۔ وللہ یسجد۔ الأیة۔

سجدہ کی قسموں کا تذکرہ

سجدہ کی دوقسمیں ہیں تکوینی اور تشریعی کائنات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کے قانون قدرت میں بندھی ہوئی ہے اور جو چیز جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔وہ تکوینی طور پر اسی مقصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اور اپنے وجود سے اپنے صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور اپنے تکوینی وجود میں خدا کی مطیع ومنقاد ہے اور اسکے سامنے جھکنے پر مجبور ہے اور اس معنی میں کائنات کی ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے اور جو اس کے سامنے اکڑتے ہیں وہ بھی کسی رنگ میں خدا کو سجدہ کرتے ہیں خواہ خوشی سے کرہاً اور خواہ ناخوشی سے ۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا اہل آسمان میں سے جو اپنی خوشی سے خدا کو سجدہ کرتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔اور اہل زمین میں سے اہل اسلام ہیں اور جو کافر ہیں ان کا سایہ صبح وشام خدا کو سجدہ کرتا ہے۔(تفسیر قمی وصافی) اور صبح وشام مشرق ومغرب کی طرف ان کے سایوں کا گرنا ان کے قانون قدرت کے سامنے مسخر ہونے کی دلیل ہے۔واضح رہے کہ قبل ازیں متعدد مقامات پر واضح کیا جاچکا ہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ہر قسم کا سجدہ خداوند عالم کی ذات جامع جمیع کمالات کیساتھ مخصوص ہے اور کسی بھی غیر اللہ کو کسی بھی نیت سے سجدہ کرنا صریح شرک جلی ہے اور شرک ظلم عظیم ہے اور جو ظالم ہے وہ ملعون ہے۔**ولعنۃ اللہ علی الظالمین** ۔

۲۲۔ قل من رب السموات ۔الآیة۔

کئی مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اہل عرب آسمان وزمین کا خالق خدا ہی کو مانتے تھے **ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ**۔مگر انہوں نے خدا کے کئی ایسے شرکاء واولیاء بنا رکھے تھے جن کو اپنے نفع ونقصان کا مالک جانتے تھے خداوند عام اس پیرایہ میں اس فاسد عقیدہ کی نفی کی جارہی ہے کہ جب یہ اپنے ذاتی نفع ونقصان کے مالک ومختار نہیں ہیں تو دوسروں کو کس طرح فائدہ

پہنچا ئینگے اوران سے کس طرح بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کریں گے؟ آیا اندھا اور بینا یعنی کافر ومومن برابر ہیں؟ کیا نور وظلمت یعنی ہدایت وگمراہی اور ایمان وکفر یکساں ہیں؟ اگر تم ان کو برابر جانتے ہو تو پھر تو تم نے عدل وانصاف کی وہ دیوارہی گرادی جس پر زمین وآسمان کا نظام قائم ہے اور جس کے انکار کے بعد سارا نظام ہستی ہی درہم وبرہم ہوجا تا ہے۔

۲۳۔ ام جعلو اللہ شرکاء۔ الآیۃ۔

اس پیرایہ میں کفر وشرک کی جڑ کاٹی جارہی ہے۔ کہ تم نے ان خود ساختہ اولیاء وشرکاء کو کس طرح خدا کا شریک بنا رکھا ہے؟ کیا ان مزعومہ شرکاء نے بھی خدا کی طرح کچھ مخلوق خلق کی ہے؟ جس کی وجہ سے یہ تخلیق کا معاملہ تم پر مشتبہ ہوگیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کونسی ہے اور ان مزعومہ شرکاء کی مخلوق کونسی ہے۔ لیکن جب یہ خود مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف خدا ہے اور ان کے خود ساختہ شرکاء نے کوئی بھی چیز پیدا نہیں کی تو پھر کس بنا پر انہیں خدا کا شریک قرار دیا گیا ہے۔

تفویض کی تردید

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ عبداللہ بن سبا کی نسل سے ایک شخص ہے جو تفویض کا قائل ہے امام نے فرمایا تفویض کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ وہ کہتا ہے کہ خدا نے صرف محمدؐ وعلی (علیہم السلام) کو پیدا کیا اور آگے اس نے کائنات پیدا کرنے اور اسکا نظام چلانے کا کام ان حضرات کے حوالے کر دیا امام نے فرمایا کہ جب تم لوٹ کر اسکے پاس جاؤ تو اسے سورہ رعد کی یہ آیت پڑھکر سنانا **ام جعلو اللہ شرکاہ خلقوا کخلقہ۔ الآیہ**۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں لوٹ کر کوفہ گیا تو اس شخص سے ملا اور امام کے فرمان کے مطابق اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی تو وہ اسے سنکر یوں دم بخود ہوگیا کہ گویا اسکے منہ مین پتھر ڈال دیا گیا (احسن الفوائد فی شرح العقائد۔ بحوالہ عقائد وامالی شیخ صدوق بحار الانوار وغیرہ) **وھو الواحد القھار**۔ وہ واحد ویکتا بھی ہے اور غالب وقہار بھی ہے کہ سارے جہاں کا کنٹرول اسی کے اختیار میں ہے۔

آیات القرآن

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًاؕ وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءًۚ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَؕ﴿۱۷﴾ لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰىؔ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ۬ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۠﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

اسی (اللہ) نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی مقدار کے مطابق بہنے لگے اور (میل کچیل جھاگ اٹھا تو) سیلاب کی رو نے اس ابھرے ہوئے جھاگ کو اٹھا لیا اور جن چیزوں (دھاتوں) کو لوگ زیور یا کوئی اور چیز (برتن وغیرہ) بنانے کیلئے آگ کے اندر تپاتے ہیں ان سے بھی ایسا ہی جھاگ اٹھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے پس جو جھاگ ہے وہ تو رائیگاں چلا جاتا ہے۔ اور جو چیز (پانی اور دھات) لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے اسی طرح اللہ سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ (۱۷) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت پر لبیک کہا (اسے قبول کیا) ان کے لیے بھلائی (ہی بھلائی) ہے اور جنہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ تو اگر ان کو روئے زمین کی سب دولت مل جائے اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور ان کے اختیار میں آ جائے تو لوگ اسے اپنے

بدلے (عذاب سے بچنے کے لیے) بطور فدیہ دے دیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا سخت حساب ہو گا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور (وہ) کیا ہی برا ٹھکانا ہے (١٨)۔

تشریح الفاظ

زبداراببیاً۔ کے معنی ہیں ابھرا ہوا جھاگ۔ ٢۔ یوقدون۔ وقد، ایقاد اور استیقاد کے معنی ہیں آگ سلگانا اور بھڑکانا۔ جفاء کے معنی ہیں کنارہ پر اس کا پھنکا ہوا۔ خس وخاشاک یعنی رائیگاں جانا۔ ۴۔ المھاد۔ مھاد کے معنی بستر اور پست زمین کے ہیں۔

تفسیر الآیات

٢٣۔ انزل من السماء۔ الآیۃ۔

خداوند علیم وحکیم نے سابقہ آیت میں کفر وایمان کی حقیقت کو مختلف مثالیں دے کر واضح کیا ہے کہ کفر اندھا پن ہے اور ایمان بینائی، کفر ظلمت وتاریکی ہے اور ایمان نور وروشنی اور واضح ہے کہ نور وظلمت، نابینائی اور بینائی برابر نہیں ہیں تو کفر وایمان بھی برابر نہیں ہیں۔ اور اس آیت میں حق وباطل کی اصلیت کو ایک اور مثال سے واضح کیا جا رہا ہے۔ ایک پانی ہے اور دوسری اسکی میل کچیل یعنی جھاگ جو سطح آب کے اوپر بلند ہوتی ہے اسی طرح ایک دھات ہے جیسے سونا، چاندی اور پیتل اور لوہا وغیرہ اور دوسری ہے اسکی میل کچیل جو زیور اور برتن وغیرہ بناتے وقت اور دھات کو آگ میں تپاتے وقت جھاگ کی صورت میں اس کے اوپر آ جاتا ہے۔ حق پانی اور دھات کی مانند ہے اور باطل جھاگ کی طرح۔ جب بارش برستی ہے تو ندیاں نالے اپنی وسعت وپہنائی کے مطابق بہنے لگتے ہیں۔ تو پانی کے اوپر اس کی میل کچیل اور خس وخاشاک جھاگ کی شکل میں پھیل جاتی ہے۔ پھر پانی تو سطح زمین کے اندر باقی رہتا ہے مگر جھاگ بہت جلد فضا میں اڑ جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب دھات سے زیور یا برتن وغیرہ بنانے کے لیے کٹھالی میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے تو اس کا میل کچیل جھاگ کی صورت میں اوپر آ جاتا ہے۔ پھر اصل دھات تو باقی رہ جاتی ہے مگر جھاگ ختم ہو جاتا ہے۔ ان مثالوں سے نظام قدرت اور آئین فطرت واضح ہو جاتا ہے کہ جو چیز مفید اور نفع بخش ہو خدا اسے باقی رکھتا ہے اور وہ باقی رہ جاتی ہے۔ اور جو غیر مفید ہوتی ہے خدا اسے نیست ونابود کر دیتا ہے۔ اور فنا ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام قانون بقاء اصلح ہے

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ قرآن اور علم نبوت کے ذریعہ سے حق صداقت کی بارش برسائی گئی ہے اس سے بھی ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے یعنی جو صاحب ایمان اور اہل حق میں وہ اس باران رحمت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے حق کا یہ فیضان جاری وساری رہتا ہے اور جو کافر اور اہل باطل ہیں وہ جہاں اس باران رحمت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ الٹا وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں وہ باطل اور جاگ کی طرح ختم ہوجاتا ہے۔ قل جاء الحق وزهق لباطل ان الباطل كان زهوقاً۔ تفسیر اہلبیتؑ اسی مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر قمی، صافی اور احتجاج طبرسی وغیرہ)۔

۲۵۔ للذين استجابوا۔ الآية۔

جن لوگوں نے خدا کی دعوت پر لبیک کہی اور اسے قبول کرلیا یعنی ایمان لائے اور مقام عمل میں اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کیا۔ ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اور ان کا انجام بخیر ہے یعنی آخرت کا اجر وثواب ہے اور جنہوں نے دعوتِ ربانی پر لبیک نہ کہی اور اسے قبول نہ کیا اور بدستور کفر وعصیان کی روش پر باقی رہے ان کو سخت حساب کتاب کا سامنا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ان کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی اور نہ کوئی گناہ معاف ہوگا۔ اور جس کا خدا سخت حساب لے گا۔ اور ہر چھوٹی بڑی چیز پر گرفت کرے گا اسے ضرور سزا دی جائے گی (مجمع البیان) اور اگر ساری دنیا اور اسکے برابر ایک اور دنیا بھی ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ عذاب خداوندی سے اپنی جان بچانے کی خاطر سب بطور فدیہ دینے پر تیار ہوجائیں۔ مگر ان کا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ بات سورہ آل عمران کی آیت ۱۹۱ اور سورہ یونس کی آیت ۵۴ میں گذر چکی ہے۔ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِۙ‏ ﴿۱۹﴾ الَّذِيۡنَ يُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَلَا يَنۡقُضُوۡنَ الۡمِيۡثَاقَۙ‏ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُوۡنَ سُوۡۤءَ الۡحِسَابِؕ‏ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ

رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے (رسولؐ) کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے وہ اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جو بالکل اندھا ہے؟ نصیحت تو بس وہی قبول کرتے ہیں جو دانشمند ہوتے ہیں (اور وہی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں) (۱۹) وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے (۲۰) اور جوان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے (صلہ رحمی کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور سخت حساب سے خائف وترساں رہتے ہیں (۲۱) اور جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی طلب میں صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے اعلانیہ اور پوشیدہ طور پر (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور جو برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں عاقبت کا گھر انہی کے لیے ہے (۲۶) یعنی ہمیشگی کے باغ ہیں۔ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں

گے) سلام علیکم اس دار آخرت کا انجام کیسا اچھا ہے؟ (۲۴) اور جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر (جہنم) ہے (۲۵) اللہ جس کے رزق کو چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور یہ (کافر) لوگ دنیوی زندگی سے خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں صرف ناپائیدار فائدہ ہے (۲۶)

تشریح الفاظ

یدرؤن بالحسنۃ۔ درأ کے معنی ہیں دفع کرنے اور ہٹانے کے ہیں۔ ۲۔ عقبی الدار کے معنی ہیں اخرت کا گھر۔ ۳۔ یبسط ۔ بسط کے معنی کشادہ کرنے کے ہیں۔ ۴۔ یقدر کے معنی تنگ کرنے کے ہیں۔ ۴۔ فرحوا با الحیوۃ۔ فرح بالشی کے معنی ہیں خوش ہونا اور اکڑنا۔

تفسیر الآیات

۲۶۔ افمن یعلم۔ الآیۃ۔

ابھی اوپر آیت ۱۶ میں خدائے حکیم نے کافر کو اندھے سے اور مومن کو بینا سے اور آیت ۱۷ میں حق کو پانی سے اور باطل کو جھاگ سے تشبیہ دی ہے۔ اور یہاں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جو شخص پیغمبر اسلامؐ کی رسالت اور ان کے اسلام و قرآن کو برحق جانتا اور مانتا ہے وہ بینا ہے جو ان چیزوں کو حق نہیں جانتا اور نہ ہی مانتا ہے وہ اندھا ہے اور پھر استفہام انکاری کے طور پر فرمایا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں برابر ہو جائیں یعنی ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ مگر اس حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عقلمند اور دانشمند ہیں اور وہی اس سے پند و نصیحت حاصل کرتے ہیں مشاہدہ شاہد ہے کہ ہمیشہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو خداداد عقل و خرد سے سوچ سمجھ کر حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو آباؤ اجداد کی اندھی تقلید اور قومی رسم و رواج کے خول سے باہر نہیں نکلتے اس لیے وہ کسی بھی چیز کو حقیقت کی نگاہ سے نہیں بلکہ رواج کی نظر سے دیکھتے ہیں خدا پہلی قسم کو دانا و بینا اقرار دیتا ہے اور دوسری قسم کو اندھا۔ اور یہ برابر نہیں ہو سکتے۔

۲۷۔ الذین یوفون۔ الآیۃ۔

ان آیتوں میں خدائے تعالیٰ نے عقلمندوں کی چند صفات وعلامات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور اسے توڑتے نہیں ہیں۔ اگرچہ قبل ازیں کسی مناسب جگہ پر ان صفات وعلامات پر مفصل گفتگو کی جاچکی ہے تاہم یہاں پھر بڑے اختصار کے ساتھ تھوڑا تھوڑا تبصرہ کیا جاتا ہے اس عہد میں ہر قسم کے عقلی وفطری اور شرعی عہد داخل ہیں جو بتقاضائے عقل وفطرت ہر بندہ کے ذمہ واجب الاداء ہیں۔ اور وہ شرعی عہد بھی جو یوم الست میں بندوں سے لیا گیا تھا اور جو انبیاء کے ذریعہ سے ایک انسان سے اس کی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کے اور بالخصوص حقوق اللہ کے بارے میں لیا گیا ہے۔ اور جس کا ایک مسلمان کلمہ پڑھ کر اقرار کرتا ہے۔

چوں گویم لااله از جاں بستر سم
کہ وانم مشکلات لااله را

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت آل محمدؐ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس عہد و پیمان کے بارے میں جو خدا نے عالم ذر میں حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ علیہم السلام کی ولایت کے متعلق لیا تھا (تفسیر قمی) یعنی وہ اس عہد کو توڑتے نہیں ہیں۔

۲۸۔ الذین یصلون۔ الآیۃ۔

۲۔ یہ صاحبان عقل کی دوسری صفت ہے کہ وہ ان تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے انہیں حکم دیا ہے جس طرح اس سے پہلی آیت میں حقوق اللہ کی ادائیگی کا تذکرہ تھا اسی طرح اس آیت میں حقوق الناس کی اہمیت اجاگر کی جاری ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں مشہور یہی ہے کہ اس سے قرابت داری اور رشتہ داری کے تعلقات جوڑنا مراد ہیں جسے صلہ رحمی اور حسن سلوک کہا جاتا ہے۔ جس کی شریعت مقدسہ میں بڑی تاکید وارد ہوئی ہے جس طرح قطع رحمی کی مذمت سے قرآن وحدیث لبریز ہیں نیز اس سے آل محمد علیہم السلام کے حقوق کی رعایت کرنا بھی مروی ہے (تفسیر عیاشی) اسی طرح ہر مومن کے حقوق کیا دائیگی کا خیال رکھنا بھی مروی ہے (ایضاً) نیز زکوۃ فریضہ کے علاوہ مستحق افراد کی مالی اعانت کرنا بھی مروی ہے۔ (الکافی، الصافی وغیرہ) الغرض اس میں ایک مسلمان بھائی سے ہر قسم کی بھلائی کرنا اس سے ہر قسم کی تکلیف کا ازالہ کرنا اسے ہر قسم کا فائدہ پہنچانا شامل ہے (الکاشف)۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسان کئی قسم کے رشتوں میں جکڑا ہوا ہے خدا سے رشتہ عبودیت ہے نبی وامام سے رشتہ

غلامی ہے اور معاشرہ سے رشتہ آدمیت ہے لہٰذا ایک عقلمند بندہ مومن کا فرض ہے کہ خوف خدا کے جذبہ کے تحت ہر رشتہ کا احترام بھی کرے اور اس کا حق بھی ادا کرے۔

۲۹۔ ویخشون ربھم ۔ الآیۃ۔

۳۔ یہ اہل عقل ودانش کی تیسری صفت ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ اور نہ صرف قولی طور پر بلکہ مقام عمل میں بھی اس کی عصیان کاری سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بالایمان یستدل علی الصالحات وبالصالحات یستدل علی الایمان۔ ایمان سے نیک کاموں اور نیک کاموں سے ایمان پر استدلال کیا جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ)

۳۰ ویخافون ۔ الآیۃ۔

۴۔ یہ دانشمندوں کی چوتھی صفت ہے کہ وہ سخت حساب سے خائف وترسان رہتے ہیں سوء الحساب سے حساب وکتاب کی سختی اور ذرہ ذرہ کی باز پرس مراد ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جس بندہ سے خدا حساب میں سختی کرے گا وہ اس کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔ (تفسیر صافی) نجات وہی خوش قسمت پائے گا۔ جس سے خدائے مہربان مقام حساب میں عفو ودرگذر فرمائے گا۔

۳۱۔ والذین صبروا ۔ الآیۃ۔

۵۔ یہ اہل دانش کی پانچویں صفت ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیتے ہیں صبر وضبط سے کام لینا تین طرح متصور ہوسکتا ہے۔ ۱۔ مصیبت پر اور جہاد کی تکلیف پر صبر کرنا۔ ۲۔ فرائض شرعیہ کی ادائیگی پر صبر کرنا۔ ۳۔ محرمات الٰہیہ سے اجتناب پر صبر کرنا۔ بنابریں عقلمند وہ ہیں جو ہر قسم کے صبر وضبط سے کام لیتے ہیں اور اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کو شرعی حدود وقیود کا پابند بناتے ہیں۔ لہٰذا ایک عقلمند اور بندہ مومن آدمی کی ساری زندگی صبر وضبط کی زندگی ہوتی ہے اور وہ ہر طرح ضبط نفس سے کام لیتا ہے۔ اور خواہشات نفسانیہ کو بے قابو نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ وہ ہر غلط رجحان ومیلان کا صبر کے ہتھیار سے مقابلہ کرتا ہے۔

۳۲۔ واقاموا الصلوۃ ۔ الآیۃ۔

۶۔ یہ عقلمندوں کی چھٹی صفت ہے کہ وہ پورے شرعی آداب وشرائط کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ اقامہ صلوۃ کی اہمیت وافادیت اور ترک صلوۃ کے نقصانات پر کئی بار تبصرہ کیا جاچکا ہے۔

۳۳۔ وانفقوا مما ۔ الآیۃ۔

یہ اہل عقل کی ساتویں صفت ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے کچھ خدا کی راہ میں پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ بھی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہر جگہ اعلانیہ دینا ممدوح ہے اور نہ ہی ہر جگہ اخفا ہی مسنون ہے۔ احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ واجبی زکوۃ وغیرہ کا اعلانیہ خرچ کرنا اور مستحبی صدقات کا پوشیدہ طور پر دینا افضل ہے۔ ان امور کی بھی سابقہ جلدوں میں کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

۳۴۔ ویدرؤون بالحسنۃ۔ الآیۃ۔

یہ ارباب عقل کی آٹھویں صفت ہے کہ وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور وہ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے بلکہ اچھائی کرتے ہیں وہ ظلم کے مقابلے میں ظلم نہیں بلکہ انصاف کرتے ہیں خیانت کے بدلے خیانت نہیں بلکہ امانت سے اور جھوٹ کے مقابلہ میں جھوٹ نہیں سچ سے کام لیتے ہیں۔ اور عفو و درگزر کو اپنا شیوہ و شعار بناتے ہیں ارشاد قدرت ہے **ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوۃ كانه ولی حمیم** ۔ تم دشمن کا احسن طریقہ سے دفاع کرو۔ اس کے نتیجہ میں تمہارا جانی دشمن مخلص دوست بن جائے گا۔ مخفی نہ رہے کہ اس آیت کی ایک تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے کہ اگر ان سے کسی وقت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیکی اور اطاعت کرکے اس گناہ کے اثر کو زائل کر دیتے تھے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے معاذ بن جبل سے فرمایا تھا۔ **اذا عملت سیئةً فاعمل بجبها حسنةً** ۔

۳۵۔ عقبی الدار۔ الآیۃ۔

دار سے دار آخرت اور عقبی سے اچھا انجام اور جزائے خیر مراد ہے یعنی ایسے ہی لوگوں کے لیے دار آخرت یعنی جنت ہے جو اچھا انجام ہے اور اسکی جزا اور راحت و آرام ہے بنابریں جنت عدن۔ عقبی کا بدل ہے یعنی جاودانی زندگی والی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور بعض مفسرین نے یہاں دار سے دار دنیا مراد لیا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کا انجام اچھا ہے اور اس کی کامرانی ان کا مقدر ہے۔

۳۶۔ ومن صلح الآیۃ۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ خوشی کی کسی تقریب میں اس کے خویش و اقارب بزرگ و خورد بھی اس کے ساتھ ہوں اس سے اس تقریب کی مسرت و شادمانی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خوشی کی تکمیل ہو جاتی ہے چنانچہ اسی فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لیے خداوند عالم مذکورہ صفات کے حامل جنتی لوگوں کی مسرت اور خواہش کی تکمیل کے لیے ان کے باپ دادوں، ازواج اور ان کی اولاد میں سے سب کو

ان کے ساتھ ان کے درجات عالیہ میں جمع کر دے گا بشرطیکہ ان میں ایمان وعمل صالح کی بنا پر جنت کے کسی بھی درجہ میں جانے کی صلاحیت ہو۔ اگر چہ درجہ کے اعتبار سے ان کا درجہ ان کے درجات سے فروتر ہی کیوں نہ ہو۔ تب بھی ان کے احترام میں انہیں ان کے درجات میں جگہ دی جائے گی جیسا کہ دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ **الحقنا بھم ذریتھم** ۔ کہ ہم نیکوکار بندوں کی اولاد کو ان کیساتھ ملحق کر دیں گے جناب ام سلمہ نے حضرت رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ اگر کسی عورت نے دار دنیا میں دو خاوند کئے ہوں گے اور مرنے کے بعد جنت میں داخل ہو گئے تو وہ کس کے حبالۂ عقد میں دی جائے گی؟ فرمایا جس کا اخلاق اور جس کا سلوک اہل خانہ سے زیادہ اچھا تھا (کتاب الخصال) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ کہ اگر خاوند اور بیوی مرنے کے بعد جنت میں پہنچ گئے مگر ایک کا درجہ بلند اور دوسرے کا پست ہوا تو وہ آپس میں کس طرح شادی کریں گے؟ فرمایا اللہ حاکم عادل ہے اس لیے ان میں سے جس کا درجہ بلند ہوا اس کو اختیار دے گا کہ اگر وہ چاہے تو پست درجہ والے سے شادی کر سکتا ہے۔ (اس طرح پست درجہ والا بلند درجہ میں پہنچ جائے گا)۔ (تفسیر عیاشی وصافی)

۳۷۔ والملائکہ یدخلون۔ الآیۃ۔

ان جاودانی جنت والوں کی عزت وعظمت کا یہ عالم ہوگا کہ جنت کے بہت سے دروازوں میں سے ہر دروازہ سے فرشتے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے اور صبر واستقامت اور ثابت قدمی کی وجہ سے ان کے داخل جنت ہونے پر مبارک باد پیش کریں گے تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت ائمہ اہلبیتؑ اور ان کے مخلص شیعوں کے حق پر نازل ہوئی ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **نحن صبر وشیعتنا اصبر منا لانا صبرنا بعلم وشیعتنا صبروا علی مالا یعلمون**۔ ہم بھی صابر ہیں مگر ہمارے شیعہ ہم سے بھی زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہم تو علم رکھتے ہوئے صبر کرتے ہیں مگر وہ نہ جاننے کے باوجود صبر کرتے ہیں۔ (تفسیر صافی) واضح رہے کہ جیسا کہ ہم **واذا حییتم بتحیتہ**۔ الآیہ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ اگر چہ السلام علیکم اور سلام علیکم دونوں طرح سے سلام کرنا درست ہے مگر اہل بہشت اور ملائکہ کا سلام سلام علیکم ہی ہے اور یہ افضل ہے۔

۳۸۔ والذین ینفقون۔ الآیۃ۔

صاحبان عقل وخرد کا گروہ جن کے اوصاف جلیلہ وجمیلہ کا ایک شمہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان کے ذکر خیر کے بعد اب ان کے بالمقابل دوسرے گروہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو پہلے گروہ کے متضاد صفات کا حامل ہے۔ چنانچہ وہ خدا سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو توڑتے ہیں اور جن تعلقات کے جوڑنے کا خدا نے انہیں حکم دیا تھا وہ انہیں قطع

کرتے ہیں۔ اور مزید برآں فساد فی الارض برپا کرتے ہیں جو خدا سے عہدِ فطرت اور انسانوں سے عہدِ آدمیت توڑنے کا دوسرا نام ہے کیونکہ جب خالق ومخلوق کے حقوق کی پروانہ کی جائے بلکہ انہیں پائمال کیا جائے تو اس سے لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد ہی برپا ہوتا ہے۔

لہٰذا ان کا انجام بھی پہلے گروہ سے مختلف ہے۔ ان کی قیام گاہ جنت ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ان پر خدا کی رحمت ہے ان کے لیے خدا کی لعنت ان کو فرشتے سلام کرتے ہیں اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور مزید برآں اس جہان کی خرابی اور اسی کے چند خزف ریزوں کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عالم آخرت کی وسعتوں اور پہنائیوں اور اس کی نعمتوں کی فراوانیوں کے معاملہ میں دنیا ایک حقیر سی چیز اور ناپائیدار فائدہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آیات القرآن

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝٢٧ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝٢٨ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝٢٩ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝٣٠ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝٣١

ترجمۃ الآیات

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی برحق ہیں) تو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر (ہماری پسند کی) کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ کہہ دیجئے! اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے۔ اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے۔ (۲۷) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور جن کے دل یادِ خدا سے مطمئن ہوتے ہیں۔ یاد رکھو ذکر الٰہی سے ہی دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (۲۸) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لیے خوش حالی اور خوش انجامی ہے (۲۹) اسی طرح ہم نے آپکو ایک ایسی قوم میں رسول بنا کر بھیجا جس سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں تا کہ آپ انہیں وہ (کلام و پیغام) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے بطور وحی آپ پر اتارا ہے حالانکہ وہ لوگ اپنے مہربان خدا کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے! وہی میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی آلہ نہیں ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے (۳۰) اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین (کی مسافتیں) جلدی طے ہو جاتیں یا مردوں سے کلام کیا جا سکتا (تو وہ یہی قرآن ہوتا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ یہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں۔ کیا ایمان لانے والے اس بات سے مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر خدا (زبردستی) چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا! اور کافروں پر ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی۔ یا ان کے گھروں کے آس پاس آتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کے وعدہ کے (ظہور) کا وقت آ جائے بے شک اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (۳۱)

تفسیر الالفاظ

۱۔ طوبیٰ۔ اس کے معنی ہیں سعادت، خیر اور بہتری۔ ۲۔ قارعۃ کے معنی ہیں قیامت، مصیبت، حادثہ اور ہلاک کرنے والی آفت۔ ۳۔ متاب۔ توبہ، اور توبہ کے معنی گناہ سے روگردانی کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں اور نادم و پشیمان ہونے کے بنا بریں متاب ظرف کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور مصدر بھی۔

تفسیر الآیات

۴۱۔ ویقول الذین۔ الآیة۔

اس جیسی آیات سورہ بقرہ آیت ۱۸ سورہ انعام (آیت ۳۷) سورہ یونس آیت ۲۰ میں گذر چکی ہیں اور اسی رعد کی آیت ۷ میں بعینہ یہی آیت اپنی تفسیر سمیت گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے خلاصہ کلام یہ ہے کہ باوجود معجزات کے ظہور کے کفار اپنی پسند کے معجزات دکھانے پر اصرار کرتے تھے اور مطالبہ منظور نہ ہونے پر اپنی گمراہی پر برقرار رہتے تھے اور اپنی ضد کا مظاہرہ کرتے تھے۔

۴۲۔ قل ان اللہ یضل۔ الآیة۔

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۲۶ یضل بہ کثیراً۔ اور سورہ نساء کی آیت ۸۸ تریدون ان تھدوا من اضل اللہ۔ اور دیگر اس قسم کی بعض آیات کی تفسیر میں اس بات کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے کہ جب اضلال واہداء کی نسبت خدا کی طرف دی جائے تو اس کا حقیقی مفہوم کیا ہوتا ہے؟ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتا ہے جو خداداد فہم و فراست اور اس کی عطا کردہ صلاحیت سے کام لیتے ہوئے ہدایت حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں اور جو ان صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ان کو گمراہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ فھم لا یھتدون۔

۴۳۔ الذین آمنوا و تطمئن۔ الآیة۔

اوپر آیت ۲۶ رضوا بالحیوۃ الدنیا میں خداوند عالم نے دنیاداروں اور سرمایہ داروں کا تذکرہ کیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی عیش و عشرت اور اس کے مال و منال پر خوش و خرم اور مطمئن ہوتے ہیں تو ان کے بالمقابل اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور یہ من اناب کی تفصیل ہے کہ جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ یہ اہل ایمان ہیں ذکر خدا اور یاد الٰہی کرنے پر مطمئن ہوتے ہیں مخفی نہ رہے کہ اطمینان قلب ایمان کی اعلیٰ ترین کیفیت اور دل میں ثبات و استقرار کا نام ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۰۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ کی تفسیر میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ نیز واضح رہے کہ ذکر خدا سے صرف لفظی ذکر اذکار مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ اس میں اللہ اور اس کے کمال اور اس کی صفات جلال و جمال میں غور و فکر کرنا بھی داخل ہے اس ذکر الٰہی کے کئی خواص

وآثار ہیں جن میں سے ایک اثر یہ ہے کہ یہ آدمی کو شرک وغیرہ کی وجہ سے پیدا شدہ انتشار ذہنی سے محفوظ کر کے اطمینان قلب اور یکسوئی کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اور دوسرا اثر یہ ہے کہ اس سے خوف وخشیہ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ **واذا ذکر الله وجلت قلوبهم** ۔

ذکر خدا کے اقسام

قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۶ **فاذکرونی اذکر کم** ۔ کی تفسیر میں یہ حقیقت بیان کی جاچکی ہے کہ ذکر خدا کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ لسانی جس میں تسبیح وتقدیس ثناء وتعریف، ذکر واذکار اور درود واستغفار وغیرہ داخل ہیں۔ ۲۔ قلبی جس میں خدا کی عظمت وکبریائی اور اس کی حکمت وقدرت میں غور وفکر کرنا نیز اس کی نعمتوں کو یاد کرنا داخل ہے۔ ۳۔ جوارحی۔ جس میں تمام اعضاء وجوارح کو اللہ کی عبادت واطاعت میں مشغول رکھنا داخل ہے الغرض۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

۴۴۔ الذین آمنوا ۔ الآیة۔

اس آیت کا وہی مفہوم ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ۲۵ **وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات ان لهم ۔ جنات تجری من تحتها الانهار** ۔ کا ہے طوبیٰ بشریٰ اور زلفیٰ کے وزن پر مصدر ہے جس کے معنی خوشحالی اور مژدہ کے ہیں یعنی مژدہ اور خوشحالی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں انہی کا انجام اچھا ہے۔

اور کام وہ اچھا ہے جس کا کہ انجام اچھا ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے اور جنت میں کسی مومن کا گھر ایسا نہیں ہے جس میں اس کی ایک شاخ نہ ہو مومن جس چیز کی خواہش کرتا ہے وہی چیز درخت دے دیتا ہے (الکافی) ایک اور روایت میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے اس میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا اس کی جڑ رسول خداؐ کے گھر میں ہے ایک بار جب پوچھا گیا تو فرمایا اس کی اصل علیؑ کے گھر میں ہے عرض کیا گیا کہ پہلے آپ نے فرمایا کہ اس کی جڑ رسولؐ کے گھر میں ہے اب فرمارہے ہیں کہ حضرت علیؑ کے گھر میں تو فرمایا جنت میں آنحضرت کا اور علیؑ کا گھر ایک ہی

مقام پر ہیں۔(مجمع البیان، تفسیر صافی)

۴۵۔ کذلك ارسلنا۔ الآیة۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نہ آپ پہلے رسول ہیں جو کسی قوم کی طرف بھیجے گئے اور نہ عرب پہلی قوم ہیں جن کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہے تاکہ انہیں اللہ کا کلام و پیغام پڑھ کر سنائیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سارے رسولوں کو مبشر و منذر بنا کر مختلف قوموں کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے۔اور وہ اللہ کی وحی پڑھ کر لوگوں کو سناتے رہے ہیں مگر یہ بدنصیب برابر خدائے رحمن و مہربان کا انکار کر رہے ہیں۔

شان نزول

اس آیت کی شان نزول میں دو روایتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا جانے لگا حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔لکھیں بسم اللہ الرحمن الرحیم اس پر سہیل بن عمر اور دوسرے مشرکین بول اٹھے کہ ہم کسی رحمن کو نہیں جانتے بلکہ آپ یوں لکھیں۔ باسمك اللهم (مجمع البیان) دوسری روایت میں یوں وارد ہے کہ ایک بار آنحضرتؐ نے کفار قریش کو حکم دیا اسجدو اللرحمن۔ خدائے رحمن کو سجدہ کرو انہوں نے کہا وما الرحمن انسجد لما تامرنا۔ رحمن کون ہے؟ آیا ہم اس کو سجدہ کریں جسے آپ کہتے ہیں(ایضاً) بہرحال ارشاد قدرت ہے کہ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی میرا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی پر میرا اعتماد اور بھروسہ ہے اور وہی میرا مرجع ہے اسی کی طرف واپس جانا ہے۔

۴۶۔ولو ان قرانا سیرت به الجبال الآیة۔

اس آیت کا شانِ نزول

ایک بار چند مشرکین مکہ جن میں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ مخزومی بھی شامل تھے۔ بیت اللہ کے عقب میں جا کر بیٹھے اور عبداللہ بن امیہ کو بھیج کر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلوایا اور ان سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رسول تسلیم کر کے آپ کی پیروی کریں تو ہماری چند مطالبات ہیں۔ انہیں پورا کر دیں تو ہم ایسا کرینگے۔

۱۔مکہ کی زمین تنگ ہے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیں تاکہ وہ کشادہ ہو جائے آخر جناب داوٗد کے لیے بھی تو پہاڑ مسخر کئے گئے تھے۔ ۲۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے یہ زمین قابل کاشت نہیں ہے اس لیے زمین سے چشمے جاری کریں تاکہ ہم زراعت کرسکیں۔

۳۔ ہوا کو ہمارے لیے مسخر کردیں تا کہ ہم ملک شام جا کر اور اپنے کام کر کے اسی دن واپس آ جائیں آخر سلیمان کے لیے بھی تو ہوا مسخر کی گئی تھی۔ ۴۔ ہمارے لیے مردوں کو زندہ کردیں اور نہیں تو کم از کم اپنے دادا قصی کو ہی زندہ کردیں تا کہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل؟ آخر عیسیٰؑ بھی تو مردے زندہ کرتے تھے۔ (مجمع البیان۔ بغوی، مظہری) اس آیت میں انہی بے ہودہ مطالبات کا جواب دیا گیا ہے کہ ایک صاف باطن اور نیک شخص تو یہ خیال کرے گا کہ یہ لوگ نیک نیتی سے یہ مطالبات پیش کررہے ہیں تو کیا عجب کہ جب ان کے مطالبات پورے کردے جائیں تو یہ ایمان لے آئیں مگر جو لوگ ان لوگوں کی افتاد طبع سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا قرآن بھی اتارا جاتا جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے یا زمین کی طویل مسافتیں جلدی جلدی طے ہوجاتیں یا زمین شق ہوجاتی اور اس سے چشمے پھوٹ پڑتے یا مردے زندہ ہوجاتے اور کلام کرنے لگتے تو جب بھی لوگ ایمان نہ لاتے اور نہ یہ کہتے کہ یہ شخص بڑا شعبدہ باز اور زبردست جادوگر ہے یہ حرف لو کا جواب محذوف ہے (لما آمنوا) اور بعض نے لو کا جواب ''لکان ھذا القرآن'' قرار دیا ہے (تفسیر قمی) یعنی اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے یہ کام کئے جاسکتے تو وہ یہی قرآن ہوتا الغرض اس آیت کا مفاد اور ماحصل وہی ہے جو سورہ انعام کی آیت ''ولو اننا نزلنا الیھم الملائکة وکلھم الموتیٰ وحشرنا علیھم کل شئی قبلاً ما کانو الیومنوا''

الآیۃ کہ اگر ہم ان کی طرف ملائکہ بھی نازل کردیں اور ان سے مردے بھی کلام کرنے لگیں اور ان کے سامنے چیزوں کو اکٹھا بھی کردیں تو جب بھی یہ ایمان نہیں لائینگے۔ مگر یہ کہ خدا زبردستی چاہے اور اسی طرح کی ایک آیت اسراء میں ۹۰ نمبر پر آئے گی وقالو الن نومن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا۔ الآیہ۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ مطالبات خدا کی قدرت سے باہر ہیں یہ سب امور اللہ کے اختیار میں ہیں مگر ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا اسکی حکمت و مصلحت پر موقوف ہے اور توفیق ہدایت بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور سنت اللہ یہ ہے کہ وہ طالب ہدایت کو توفیق عنایت کردیتا ہے اور معاند کو اس سے محروم رکھتا ہے۔ ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔ کہ وہ طالب ہدایت کو توفیق عنایت کردیتا ہے اور معاند کو اس سے محروم رکھتا ہے۔ ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا۔

۴۸۔ افلم ییئس۔ الآیۃ۔

اس آیت کا شان نزول

کچھ خوش فہم اور سادہ دل مسلمان اب بھی یہ امید کئے ہوئے تھے کہ اگر ان لوگوں کے یہ خارق عادت مطالبات پورے کر دیئے جاتے تو شاید لوگ یہ ایمان لے آتے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ان لوگوں کا تعصب عناد اور کٹ حجتی اور کج بحثی کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کے بعد بھی تم ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے کہ ایمان نہ لانے والے کبھی ایمان لانے والے نہیں ہاں البتہ اگر خالق فطرت کی یہ مشیت ہوتی کہ کسی کی طلب اور صلاحیت دیکھے بغیر از خود زبردستی ہدایت کر دے تو پھر ان کو بھی اضطراری ہدایت حاصل ہو جاتی مگر خدائے علیم ایسا کرتا نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا اسکی حکمت کے خلاف ہے بلکہ وہ صرف طالب ہدایت کو توفیق ہدایت دیتا ہے اور معاند کو اس سے محروم رکھتا ہے لہٰذا ان لوگوں کے ایمان کی توقع رکھنا عبث اور بے فائدہ ہے (تفسیر بغوی و ماجدی)۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ یہ تفسیر ییئس کا ترجمہ مایوس ہونے کی بنا پر ہے جو عام علماء نے کیا ہے مگر مفسر قرطبی نے بعض صحابہ کو تابعین سے افلم ییئس کا ترجمہ افلم یعلموا کیا ہے کہ کیا اہل ایمان کو معلوم نہیں ہے؟ کہ اگر خدا مشیت قاہرہ سے چاہتا تو سب کو جبراً ہدایت کر دیتا مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کا اختیار باقی رہے اور وہ اپنے ارادہ عزم سے ایمان یا کفر اختیار کریں بنی ہوازن کی لغت میں ییئس یعلم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (تفسیر کاشف)

مفسر طبرسی نے بیان کیا ہے کہ اہل عربیت نے افلم ییئس کے معنی میں اختلاف کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ درست یہ ہے کہ اس کا مفہوم افلم یتبین ہے یعنی کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا؟ اور پھر یہ تفسیر ایک جماعت سے نقل کی ہے جن میں سے ایک حضرت امیرا علیہ السلام بھی ہیں (تفسیر طبرسی) **واھل البیت ادری بمافی البیت** اور علامہ طبرسی طبرسی نے اسے حضرت علیؑ، امام زین العابدینؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی قرات قرار دیا ہے (مجمع البیان) اور علامہ سیوطی نے تفسیر منشور میں ابن عباس کی یہی قرات نقل کی ہے (ج ۴ ص ۶۳ طبع مصر)

۳۱۔ولایزال۔الآیۃ۔

یہ لوگ ایمان نہ لانے اور معاندانہ روش و رفتار اپنانے کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہیں کہ براہ راست ان پر یا ان کے قرب وجوار کے لوگوں پر مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی رہیں تا کہ شاید عبرت حاصل

کریں کبھی قحط کبھی قید اور کبھی قتل جیسا کہ اسلامی غزوات میں ان پر آفتیں نازل ہوئیں حتی یاتی وعد اللہ۔ یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آ جائے یعنی اگر وہ باز نہ آئے تو پھر اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔ اس وعدہ سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے فتح مکہ کا وعدہ مراد لیا ہے اور بعض نے عذاب آخرت کا جس کی خبر رسول نے اپنی قوم کے منکروں اور نافرمانوں کو دی ہے اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (مجمع البیان)۔

آیات القرآن

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا ہے مگر میں نے کافروں کو (کچھ مدت تک) ڈھیل دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا۔ تو (دیکھو) میرا عذاب کیسا تھا؟ (۳۲) کیا وہ ذات جو ہر نفس کے (نیک و بد) اعمال پر نگران ہے کہ اس نے کیا کمایا ہے؟ (وہ ان کے خود ساختہ معبودوں جیسا ہے؟ ان لوگوں نے اللہ کے کچھ شریک بنا لیے ہیں۔ اے رسول ان سے کہو کہ آخر ان کے نام تو بتاؤ یا تم اس (اللہ) کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ (ہمہ دان ہو کر بھی) زمین میں نہیں جانتا کہ کہاں ہے؟ یا یونہی یہ ظاہری الفاظ ہیں (جن کا کوئی مصداق نہیں ہے) بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر و فریب خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ راہ (راست) سے روک دیئے گئے ہیں اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے (اور اسے ہدایت نہ دے) تو اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے (۳۳) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ سخت ہے اور کوئی نہیں ہے جو انہیں اللہ (کی گرفت) سے بچائے۔ (۳۴) جس جنت کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ بھی (لازوال) ہے یہ پرہیز گاروں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام آتش ہم نے آپ پر نازل کی ہے اور ان جماعتوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کتاب کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے (۳۶) اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کی شکل میں نازل کیا ہے اور اگر آپ اپنے پاس علم (قرآن) کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی سرپرست و کارساز ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا (۳۷)۔

تشریح الفاظ

املیت املاء کے معنی مہلت اور ڈھیل دینے کے ہیں۔ ۲۔من الاحزاب یہ حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں۔ ۳۔اھواء ھوٰی کی جمع ہے جس کے معنی خواہش کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۰۔ ولقد استهزء۔ الآیة۔

چونکہ کفار ومشرکین کے جاہلانا سوالات اور ان کے مطالبہ عذاب اور اس کے وقوع میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے وہ تمسخر اڑاتے تھے جس سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی تھی اس لیے خدائے رؤف ورحیم آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ یہ سلوک صرف آپ سے ہی نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ آپ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا سلوک ہوتا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا رہا ہے مگر خدا نے ان سرکشوں کو اپنے قانون امہال کے تحت فوراً نہیں پکڑا بلکہ ایک مدت تک برابر ان کو مہلت دی ہے ہاں البتہ جب وہ مدت گذر گئی اور وہ اپنے تمرد وعصیان کاری سے باز نہ آئے بلکہ ان کی سرکشی وعصیان کاری برابر بڑھتی ہی گئی تو پھر عذاب الٰہی نے انہیں اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا اور عبرتناک تباہی ان کا مقدر بن گئی تو موجودہ معاندین کی بھی جب مہلت کی مدت ختم ہو جائے گی تو ان کا انجام بھی ان گذشتہ سرکش ونافرمان قوموں سے مختلف نہ ہوگا۔

۵۱۔ افمن کان۔ الآیة۔

اس آیت میں خداوند عالم مشرکین کی ضلالت وجہالت کے ساتھ ساتھ انکی حماقت بھی بیان فرما رہا ہے کہ وہ ایسے احمق ہیں کہ انہوں نے اپنے ان خودساختہ شریکوں کو جو ایسے اندھے اور بہرے ہیں کہ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں بلکہ بے جان مجسمے ہیں۔کو اس خدا کا شریک اور اس جیسا سمجھ رکھا ہے جو ہر نفس کا ناظر ونگران ہے اور اس کے ہر اچھے برے عمل کو دیکھ رہا ہے اور پھر اس کے مطابق اسے جزاء وسزا بھی دیتا ہے اور اس کی حفاظت ونگہبانی بھی کرتا ہے کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ سوال کا یہ حصہ بتقاضائے بلاغت محذوف ہے جواب واضح ہے کہ ہرگز نہیں!!!

۵۲۔قل سموھم ۔ الآیۃ۔

آپ کہہ دیجئے کہ آخران مزعومہ شریکوں کے نام تو بتاؤ اوران کا کوئی ایسا کام بھی بتاؤ جس کی بنا پر وہ پرستش کے مستحق قرار پاتے ہیں؟ یہ آیت ویسی ہی ہے جیسی سورہ اعراف کی آیت ۷۰ ہے۔ اتجالوننی فی اسماء سمیتموھا انتم وآباء کم انزل اللہ بھا من سلطان ۔ یا جیسے سورہ یوسف کی آیت ۴۰ سے ماتعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباء کم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ یا جیسے سورہ نجم کی آیت ۱۲۳ان ھی الاسماء سمیتوھا انتم وآباء کم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ الغرض اس لب ولہجہ سے مشرکین کی تحقیر مقصود ہے کہ جن کوتم خدا کا شریک ٹھہراتے ہوان کا کوئی کمال کوئی کارنامہ اورکوئی ایسی صفت تو بیان کروجس سے ان کا استحقاق ظاہر ہو۔؟ جیسے جب کوئی بزدل یہ دعویٰ کرے کہ وہ بڑا بہادر ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اگرتم سچے ہوتو اپنی شجاعت کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ صرف نام گنانا شروع کردو۔ کیا تم اللہ کو ایسی چیز (شریک) کی خبر دینا چاہتے ہو جسے وہ اپنی ساری زمین میں نہیں جانتا۔ حالانکہ وہ ہمہ دان ہے ہمہ بین ہے اور بکل شئی علیم ہے۔ یہ آیت بالکل اس آیت جیسی ہے جو سورہ یوسف کی آیت ۱۸ ہے۔قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض۔اوراسکی وہیں تفسیر بھی گذرچکی ہے۔تو اگر خدا کا کوئی شریک ہوتا تو وہ ضرور اسے جانتا ہوتا جب وہ نہیں جانتا تو اسکا صاف اور سادہ مطلب یہی ہے کہ اللہ کے کسی شریک کا کوئی وجود نہیں ہے ورنہ خدا کا جہل لازم آئے گا۔ تعالیٰ اللہ عما یصفون ۔ اسی چیز کو نفی الشئی بنفی لازمہ۔کہا جاتا ہے۔یعنی کسی چیز کی نفی اس کے لازم کی نفی سے کرنا جیسے سورج کا طلوع اوردن کا وجود لازم وملزوم ہیں ۔لہٰذا اگرسورج طلوع ہوا ہے تو ضروردن موجود ہوگا اور جب دن موجود نہیں تو پھر سورج طلوع نہیں ہوا اسی طرح کسی چیز کا وجود پھر خدا کا اسے جاننا لازم وملزوم ہیں یعنی جو چیز بھی کائنات میں موجود ہے اس کا لازم یہ ہے کہ خالق کائنات کو اس کا علم ہو اورجس چیز کو وہ نہیں جانتا اسکا مطلب واضح ہے کہ اس چیز کا کوئی وجود نہیں ہے یا یہ یونہی تمہارے ظاہری اور کھوکھلے الفاظ ہیں جن کا خارج میں کوئی مصداق نہیں ہے؟ اورحقیقت الامر بھی یہی ہے کہ شریک کہ لفظ وہ اسم ہے جس کا کوئی مسمی نہیں ہے۔مخفی نہ رہے کہ باوجود یکہ خدا کا شریک نہ زمین میں ہے اورنہ آسمان میں مگر اس نفی کی زمین کے ساتھ اس لیے تخصیص ہے کہ بتوں کوخدا کا شریک زمین میں بنایا گیا تھا نہ کہ آسمان میں ۔ کما لا یخفی۔

۵۳۔بل زین للذین ۔الآیۃ۔

جب کوئی منکر حق کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے انکار کو جائز ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ ضرور کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا استدلال الفاظ کے گورکھ دھندا کے سوا کچھ نہیں ہوتا وہ مغالطہ پرور تقریریں کرتا ہے اور اپنے شرک اور شرکیہ کاموں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کیونکہ شیطان اور نفسِ امارہ نے اس کے لیے اس کے مکروفریب اور غلط نظریات کو خوشنما بنا دیا ہے اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کر رہا ہے ایسے خود فریبوں اور ابلہ فریبوں کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا ان کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے جو قتل، قید اور دیگر مختلف مصائب کی شکل میں ان پر نازل ہوتا رہتا ہے اور آخرت کا عذاب اپنی شدت اور دوام کی وجہ سے زیادہ سخت ہے اور جن کو یہ لوگ خدا کا شریک گمان کرتے ہیں ان میں کوئی بھی ان کو خدا کے اس عذاب سے بچا نہیں سکتا۔

مخفی نہ رہے کہ سورہ نساء کی آیت ۸۸ تریدون ان تھدوا من اضل اللہ۔ اور سورہ اعراف کی آیت ۸۶ و من یضلل اللہ فلا ھادی لہ۔ اور خود اس سورہ رعد کی آیت ۲۷۔ ان اللہ یضل من یشاء۔ کی تفسیر اور دیگر مختلف مقامات پر اضلال و اہداء کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ جب اضلال کی نسبت خدا کی طرف دی جائے تو اس سے اپنی توفیق کا سلب کرنا مراد ہوتا ہے اور وہ انہی بدنصیبوں سے اپنی توفیق سلب کرتا ہے جو خدا داد صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ہدایت کو طلب نہیں کرتے۔ اور وہ ہدایت انہی کو کرتا ہے جو خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ صدق نیت سے ہدایت کے طلبگار ہوتے ہیں۔

۵۴۔ والذین آتیناھم الکتاب۔ الآیۃ۔

مفسرین میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ یہاں الکتاب سے کونسی کتاب اور الذین اتیناھم الکتاب کے مصداق کون لوگ ہیں؟ چنانچہ بعض مفسرین نے الکتاب سے قرآن مجید اور والذین اتیناھم سے صحابہ رسول مراد لیے ہیں (مجمع البیان) اکثر مفسرین نے الکتاب سے انجیل مراد لی ہے اور والذین اتیناھم الکتاب۔ سے نصاریٰ کے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو حضرت رسول خداؐ پر ایمان لائے جن کا تفصیلی تذکرہ پارہ ۷ کی پہلی آیت کی تفسیر میں کیا جا چکا ہے۔ کہ وہ کل ستر ۷۰ افراد تھے۔ جن میں سے باسٹھ آدمیوں کا تعلق حبشہ سے تھا اور آٹھ کا تعلق شام سے تھا۔ (مجمع البیان و قرطبی وغیرہ) تفسیر قمی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے جو روایت مروی ہے اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے اور بقولے ان کی تعداد اسی تھی جس میں سے چالیس نجران، آٹھ یمن اور بتیس حبشہ کے رہنے والے تھے (تفسیر لوامع التنزیل) یہ لوگ جب تک عیسائی تھے تو جناب عیسیٰؑ کے دین اور اس کی تعلیمات پر کاربند تھے اور جب پیغمبر اسلام معبوث ہوئے اور ان کی حقانیت اور

ان پر نازل شدہ کتاب ہدایت قرآن کی صداقت دیکھی تو ربنا امنافاکتبنا مع الشاھدین۔ کہتے ہوئے ان پر ایمان لائے اس موضوع کی دوسری تفصیلات پارہ ۷ میں گذر چکی ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

۵۵۔ومن الاحزاب۔۔الآیۃ۔

ان جماعتوں اور مختلف گروہوں میں سے یہود ونصاریٰ اور دیگر ادیان باطلہ والے لوگ مراد ہیں۔ جو قرآن کے ان حقائق اور احکام کا انکار کر دیتے تھے جو انکی خواہشات کے خلاف اور ان کے اغراض سے متصادم ہوتے تھے یا انکی شریعت کے خلاف تھے مگر ان کے اقرار وانکار سے قرآن کی صداقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۵۶۔قل انما امرت۔الآیۃ۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ صاف کہہ دو کہ تمہارے اقرار وانکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم میں سے کچھ نزول قرآن پر خوش ہو رہے ہیں اور اس کا اقرار کر رہے ہیں اور بعض ناراض ہو رہے ہیں اور انکار کر رہے ہیں تو منجانب اللہ مامور ہوں کہ صرف اس کی عبادت کروں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں اور اسی طرح لوگوں کو دعوت دوں اور اس کی طرف بلاؤں جس کی طرف میری بازگشت ہے۔

۵۷۔وکذلك انزلنا۔الآیۃ۔

خدا نے ہمیشہ ہر نبی کی زبان میں کتاب نازل کی

ہمیشہ سے دستور الٰہی یہ رہا ہے کہ اس نے ہمیشہ ہر نبی پر اس کی زبان میں کتاب نازل کی ہے۔ جناب موسیٰ کی زبان عبرانی تھی تو توراۃ عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ جناب داؤد کی زبان سریانی تھی تو زبور سریانی زبان میں اتاری گئی اور جناب عیسیٰ کی زبان چونکہ یونانی تھی اس لیے انجیل یونانی زبان میں نازل کی گئی۔ اور چونکہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قومی زبان عربی تھی تو جس طرح ان انبیاء پر ان کی قومی زبان میں کتابیں نازل کی گئی تھیں۔ اسی طرح اسی سنت اللہ کے مطابق قرآن عربی مبین میں نازل کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ وماارسلنا من رسول الابلسان قومہ۔ (ابراہیم۔۴) بنابریں مرزائے قادیانی کی نبوت کے خانہ زاد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ چونکہ ان کی قومی زبان پنجابی تھی تو چاہیے تھا کہ وہ پنجابی میں کوئی کتاب لاتے نہ کہ عربی وفارسی وغیرہ میں بہرحال قرآن کو حکماً اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ احکام واوامر اور تکالیف الٰہیہ کا مجموعہ ہے اور حکمنامہ ہے جو عربی زبان میں ہے (تفسیر لباب التنزیل) یا اس لیے کہ یہ حکم اللہ ہے اور جو اس کے خلاف ہے

وہ حکم جاہلیت ہے۔افحکم الجاھلیة یبغون ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون۔ (المائدہ۔۵۱)(تفسیر الکاشف) یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کے مطابق لوگوں کے فیصلہ کرتے تھے۔

۵۸۔ولئن اتبعت۔الآیة۔

یہ بات تو واضح ہے کہ مشرکین یہ چاہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آباؤ اجداد کی ملت کی پیروی کریں اور اس کی مخالفت نہ کریں مگر ظاہر ہے کہ بوجہ عصمت آنحضرتؐ کے بارے میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسا کریں اس لیے بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ گو خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے (مجمع البیان وغیرہ) اور بعض نے اسے فرض محال محال نباشد پر اور حق کے مقابلہ میں باطل کی پیروی کرنے کے جرم کی سختی وسنگینی اجاگر کرنے پر محمول کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر صحیح علم آ جانے کے بعد آپؐ نے ان لوگوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی کی تو پھر اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی سرپرست وحمایت کار نہ ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا اللہ اکبر! جب سرور کائنات جیسی جلیل القدر ہستی کو عبدیت اور شریعت کے دائرہ سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں ہے تو بادیگراں چہ رسد؟

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

آیات القرآن

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ان کے لیے بیوی بچے قرار دیئے اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے ہر وقت کے لیے ایک کتاب (نوشتہ) ہے (۳۸) اللہ جو چاہتا ہے وہ (لکھا ہوا) مٹا دیتا ہے اور (جو چاہتا ہے) برقرار رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب (اصل کتاب یعنی لوح محفوظ) ہے۔ (۳۹) اور اگر ہم آپ کو کچھ وہ باتیں آنکھوں سے دکھا دیں جن کا ہم ان (کفار) سے وعدہ وعید کر رہے ہیں یا ہم (ان کے ظاہر ہونے سے پہلے) آپ کو اٹھا لیں بہرحال (ہمارا پیغام) پہنچانا آپ کا کام ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے (۴۰) کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے اطراف وجوانب سے برابر گھٹاتے چلے آتے ہیں اللہ ہی حکم دینے والا (اور فیصلہ کرنے والا) ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۴۱) جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے بڑی مخفی تدبیریں کیں سو ہر قسم کی تدبیریں اور ترکیبیں اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں وہی جانتا کہ ہر شخص کیا کمائی کر رہا ہے اور بہت جلد کافروں کو معلوم ہوجائے گا کہ اس گھر کا انجام (بخیر) کس کا ہے (۴۲) اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ اللہ کافی ہے اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے (۴۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔اذن اللہ سے مراد حکم اللہ ہے۔ ۲۔**یمحو** کے معنی ہیں مٹانا اور **یثبت** کے معنی میں لکھنا۔ ۴۔ البلاغ۔کے معنی ہیں پہنچانا۔ ۵۔شہید کے معنی گواہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۹۔ولقد ارسلنا۔الآیة۔

اس آیت کی شان نزول اور انبیاء کے فوق بشر ہونے کی تردید

نبی کے بارے میں چونکہ احمق عوام کا جاہلی خیال یہ تھا کہ اس کا تعلق فوق البشر فرشتوں کی طرح کسی ایسی مخلوق سے ہونا چاہیے جسے نہ بھوک لگے نہ پیاس اور نہ اس میں کوئی جنسی خواہش ہو۔اور مروّجہ مسیحیت اور اس کے خود ساختہ عقیدہ رہبانیت نے بھی اس نظریہ کو تقویت پہنچائی جس میں خانہ داری اور عیالداری اور زن وشوہر کے تعلقات کو تقرب الٰہی کے منافی تصور کیا جاتا ہے اور تجرد اور ترک دنیا کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے خدائے علیم وحکیم نے متعدد آیات میں اس عوامی نظریہ کی ردکی ہے۔اور واضح کیا ہے کہ نبی ورسول ہوں یا ان کے وصی ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نوع بشر کے ہی افضل افراد ہوں ورنہ اس کے بغیر بعثت انبیاء کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔بہر حال ان منکرین کے منجملہ دیگر لایعنی اور بے ہودہ اعتراضات کے جو وہ پیغمبر اسلامؐ پر کرتے تھے ایک یہ تھا کہ یہ شادیاں کیوں کرتے ہیں اور ان کے اہل وعیال کیوں ہیں؟ (مجمع البیان تفسیر الجوامع وغیرہ)

اس آیت مبارکہ میں خدائے حکیم نے ان لوگوں کے اسی جاہلانہ ایراد کا جواب دیا ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیاء ہوگذرے ہیں جیسے نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، واسماعیلؑ، یعقوبؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ وسلیمان وامثالہم جن کو یہ لوگ بھی نبی تسلیم کرتے ہیں اور وہ سب عیالدار تھے تو پیغمبر اسلامؐ کی عیالداری پر اعتراض کیوں؟ اور ان کی نبوت کا انکار کیوں؟ اس آیت میں ان نام نہاد پیروں وفقیروں اور خانقاہی نظام کے صوفیوں کے لیے درس عبرت اور لمحہ فکریہ ہے جو شادی بیاہ اور بیوی کو روحانیت اور کمال ولایت کے منافی سمجھتے ہیں؟

۶۰۔وما کان لرسول۔الآیة۔

قبل ازیں کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے جسے وہ حسب مصلحت نبی وامام کے ہاتھوں پر ان کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ظاہر کرتا ہے اور اس دعویٰ کی حقانیت پر متعدد آیات وروایات اور بہت سے عقلی دلائل وبراھین موجود ہیں اور تفصیل کے لیے ہماری کتاب اصول شریعہ پانچواں باب قابل دید ہے بہرنوع اس دعویٰ کی صداقت کی دوسری آیات کے علاوہ ایک یہ آیت بھی دلیل ہے جس میں خدائے قدیر نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ کسی بھی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی مجال ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی (معجزہ) پیش کر سکے چنانچہ فاصل کاشانی اپنی تفسیر صافی میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ **وماصح له ولم يكن في وسعه ان ياتي باية يقترح عليه وحكم بلتمس منه الاباذن الله فانه القادر له على ذلك۔** یعنی نہ ہی کسی رسول کے لیے یہ روا ہے اور نہ ہی اس کی طاقت ہے کہ وہ کوئی ایسا معجزہ دکھا سکے جس کا اس سے مطالبہ کیا جائے مگر اللہ کے حکم سے کیونکہ اللہ ہی اس کے ظاہر کرنے کی قدرت وطاقت رکھتا ہے۔ (تفسیر صافی)

۶۱۔ لكل اجل كتاب الآية۔

ہر چیز کی خواہ وہ معجزہ کا دکھانا ہو یا عذاب الٰہی کا آنا، زندگی ہو یا موت اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کا نوشتہ بھی معین ہے جس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی اور اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر کتاب پر عمل کرنے کا بھی وقت مقرر ہے تو راۃ کا اپنا وقت ہے انجیل کا اپنا (جو ختم ہو چکا ہے) اور قرآن کا اپنا وقت ہے (جو قیامت تک قائم رہے گا) اور یہ بھی تحریر شدہ ہے کہ کسی دور میں کون رسول آئے گا؟ کونسی شریعت لائے گا؟ اور کونسا معجزہ دکھائے گا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کے مطالبے کرنا کہ اس قرآن میں کچھ تغیر وتبدل کریں اور فلاں فلاں معجزہ دکھائیں سراسر غلط اور ناروا ہیں اور نہ ہی آپ اس بات کے پابند ہیں (مجمع البیان)

۲۶۔ يمحوالله مايشاء۔ الآية۔

عقیدہ بداء کا اثبات

اس آیت مبارکہ سے **بعبارۃ النص** عقیدہ بدا کی صحت ثابت ہوتی ہے جو مذہب شیعہ خیر البریہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے جس کی بقدر ضرورت یہاں وضاحت کی جاتی ہے۔ ارباب عقل وعلم جانتے ہیں کہ خداوند کریم کے دو نظام ہیں۔ ۱۔ ایک نظام تشریع۔ ۲۔ دوسرا نظام تکوین۔ تو جس چیز کا نام نظام تشریع میں نسخ ہے

یعنی حالات کے بدل جانے سے ایک حکم شرعی کوختم کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نافذ کرنا اسی چیز کا نام نظام تکوین میں بدا ہے کہ حالات وظروف کے بدل جانے کی وجہ سے انسان کی کسی حالت کو دوسری حالت کے ساتھ بدل دینا علمی الفاظ میں یوں سمجھیں کہ النسخ کانہ بداء تشریعی والبدء کانہ نسخ تکوینی یعنی نسخ گویا کہ تشریعی بدا اور بدا گویا تکوینی نسخ ہے نسخ میں کیا ہوتا ہے؟ زمان مکان، اور افراد اور ان کے حالات وکوائف کے بدلنے سے وقتاً فوقتاً شرعی احکام کے بدلنے پر تو تمام اسلامی فرق ومسالک کا اتفاق ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر۔(البقرہ۔۱۰۶) ہم جس چیز کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے اسی بنا پر مختلف اوقات میں شریعتیں بدلتی رہی ہیں اور خود قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ موجود ہے۔ بالکل اسی طرح بدا میں بھی مختلف علل واسباب اور شرائط کے تحت خدائے قدیر لوگوں کے حالات وکوائف کو بدلتا رہتا ہے شاہ گدا اور گدا شاہ بن رہا ہے امیر فقیر اور فقیر امیر بندھا ہے اور کوئی دانشمند اور بابصیرت انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا نہ اس سے خدا کی معاذ اللہ جہالت لازم آتی ہے۔ اور نہ کوئی اور نقص وعیب بلکہ اس کی قدرت کاملہ اور اختیارات وسیعہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہود کے اس باطل نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ کہ ید اللہ مغلولۃ کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر معصومین علیہم السلام کی روایات میں وارد ہے کہ ماعبداللہ بشئی مثل البداء۔ عقیدہ بدا کی طرح کسی چیز سے خدا کی عبادت نہیں کی گی یا ماعظم اللہ بمثل البداء بدا۔ کی طرح کسی چیز سے خدا کی عظمت ظاہر نہیں کی گئی (اصول کافی) تعجب ہے کہ برادران اسلامی نسخ کو تو صحیح تسلیم کرتے ہیں مگر بدا کو غلط قرار دیتے ہیں اور اس کی وجہ سے

مذہب اہلبیت۔ پر زبان اعتراض دراز کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی حقیقت ایک ے اور وہ جو ایر اد بدا پر کرتے ہیں وہی نسخ پر بھی ہوسکتا ہے تو جو جواب وہ نسخ پر وارد شدہ اعتراض کا دیں گے وہی جواب بداء کے بارے میں ہمارا سمجھ لیں حذو النعل بالنعل۔

لوح محو واثبات اور لوح محفوظ کا بیان

یہ بات سابقہ عقیدہ بداء کی فرع ہے اور اسی سے متعلق ہے جو مختلف آیات سے ثابت شدہ ہے کہ خداوند عالم کے پاس دو قسم کی لوحین ہیں۔ ایک لوح محفوظ ہے جس میں کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ ۲۔ دوسری لوح محو واثبات ہے اس کے نوشتہ جات اور مندرجات میں مختلف علل واسباب اور مصالح وحکم کے تحت محو واثبات اور تغیر وتبدل کا سلسلہ جاری رہتا

ہے خدا کسی لکھی ہوئی چیز کو مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ اور چیز لکھ دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی تقدیریں مشروط ہوتی ہیں لہٰذا اگر وہ شرائط پوری ہو جائیں تو تقدیر الٰہی برقرار رہتی ہے۔ اور اگر شرائط میں ردو بدل ہو جائے تو اس سے تقدیر الٰہی بھی بدل جاتی ہے اور اس محو و اثبات اور تغیر و تبدل کا جو آخری نتیجہ ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی مثلاً لوح محو و ثبات میں لکھا ہے کہ فلاں شخص کی طبعی عمر پچاس سال ہوگی بشرطیکہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی عمر کی درازی یا کوتاہی پر کوئی اثر پڑتا ہو۔ لہٰذا اگر اس نے صلہ رحمی کی یا صدقہ دے دیا تو پچاس کی جگہ ساٹھ لکھ دیا جائے گا اور اگر قطع رحمی کی تو پچاس سال برقرار رہے گی؟ یا لوح محو و اثبات میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں وقت فلاں مصیبت آئے گی بشرطیکہ اس نے دعا نہ کی یا صدقہ نہ دیا چنانچہ جب وہ شخص اس وقت دعا کرتا ہے یا صدقہ دیتا ہے تو لوح سے وہ مصیبت محو کر دی جاتی ہے۔

اور سلامتی لکھ دی جاتی ہے مگر لوح محفوظ میں آخری نتیجہ مثلاً سلامتی درج ہے اسی طرح تقدیرات و اجال الٰہیہ بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ۱۔ محتوم۔ (نہ ٹلنے والی) ۲۔ غیر محتوم (ٹلنے والی) ارشاد قدرت ہے **ثم قضی اجلاً واجل مسمیً عندہ**۔ (سورہ انعام) اسی آیت کی تفسیر میں ان دو اجلوں کی بقدر ضرورت وضاحت کی جا چکی ہے یہاں اس سے زیادہ اس نازک مسئلہ کی تفصیلات و جزئیات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع کریں۔

۶۳۔ وان مانرینك۔ الآیۃ۔

یہ اسی آیت کی طرح ہے جو سورہ یونس آیت ۴۶ وان مانرینک بعض الذی۔ الآیۃ۔ میں مع تفسیر گذر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ سے اسلام کی فتح و فیروزی کے جو وعدے اور کفار کی ذلت و رسوائی کی جو وعیدیں کر رکھی ہیں وہ ضرور پورے ہو کر رہینگے۔ آپ یہ فکر نہ کریں کہ وہ آپ کی زندگی میں پورے ہوں یا آپ کی وفات کے بعد آپ کا کام میرا پیغام پہنچانا ہے اور بس عذاب نازل کرنا اور کب؟ یہ ہم سے متعلق ہے اس طرح اس آیت کا اس سورہ کی آیت ۳۱ سے بھی تعلق ہے جس میں مذکور ہے کہ **لایزال الذین کفرو اتصیبہم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریباً من دارھم حتی یاتی وعد اللہ**۔ کافروں پر ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے آس پاس یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آ جائے جو فتح مکہ کا وعدہ بھی ہو سکتا ہے اور عذاب آخرت کی وعید و تہدید بھی۔

۶۴۔ اولم یرو۔ الآیۃ۔

اس آیت کا حقیقی مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کو خاصی دشواری پیش آئی ہے۔ کہ خدا کے زمین کی

طرف متوجہ ہونے اور اسے اس کے اطراف و جوانب سے گھٹانے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں اور بظاہر یہ مفہوم زیادہ قریب الی الذہن ہے کہ اس سے اسلامی فتوحات مراد ہیں کہ ان کی وجہ سے روز بروز کفار کی زمینیں فتح ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کے قبضہ میں آ رہی ہیں اس طرح کافروں کی مفتوحہ زمین گھٹتی جا رہی ہے اور ان کا حلقہ برابر تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ اور مسلمانوں کا کشادہ ہو رہا ہے اور وہ دن دور نہیں ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ ساری زمین مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے گی اس معنی کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر سورہ رعد پورا مدنی نہیں تو کم از کم اس کی یہ آیتیں تو ضرور مدنی ہیں کیونکہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ حضرت رسول خداؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ میں شروع ہوا ہے اور اس کا ایک مفہوم بعض اخبار و آثار میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ زمین کی اطراف کو گھٹانے سے مراد علماء و فقہا اور صلحاء کی دنیا سے رحلت ہے چنانچہ اصول کافی میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اس کا مفہوم موت العلماء بیان کیا گیا ہے اور جناب شیخ صدوق الرحمہ فقیہ میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا اس سے مراد فقد العلماء ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی بہت سی روایات تفسیر درمنشور ج ۴ میں بھی مذکور ہیں اللہ ہی حکم دینے اور فیصلہ کرنے والا ہے اس کے فیصلہ کو کوئی نہ ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اس پر نظر ثانی کر کے اس کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے۔

۶۵۔ وقد مکر الذین۔ الآیۃ۔

اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ اگر آج دشمنان اسلام، اسلام اور بانی اسلام کے خلاف مخفی تدبیریں کر رہے ہیں اور چالیں چل رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ان سے پہلے گذرے ہوئے کفار بھی حق اور اہل حق کے خلاف ترکیبیں کرتے رہے ہیں اور چالیں چلتے رہے ہیں۔ تو جس طرح خدا نے ان کی سازشوں کو ناکام کیا اسی طرح ان کی چالوں اور مخفی تدبیروں کو بھی ناکام بنائے گا۔ کیونکہ سب تدبیریں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کیونکہ وہ قادر مطلق ہے وہ انہیں ناکام بھی بنا سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کو سزا بھی دے سکتا ہے۔ اور کوئی تدبیر و ترکیب جس قدر مخفی کیوں نہ ہو وہ اسے جانتا بھی ہے کیونکہ اس ہمہ دان کو معلوم ہے کہ کوئی شخص کیا کام کر رہا ہے اور کیا کمائی کر رہا ہے؟ اور عنقریب کافروں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ انجام کس کا بخیر ہے؟ مخفی نہ رہے کہ قبل ازیں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ مکر اور اس قسم کے دوسرے الفاظ جب خدا کی طرف منسوب ہوں تو از باب صنعت مشاکلہ ہوتے ہیں اور یہ کہ اردو کے محاورہ میں مکر کی لفظ برے معنوں میں استعمال ہوتی ہے مگر عربی زبان میں اچھے اور برے معنی میں اس کا استعمال عام ہے اور اس مطلب کی پوری وضاحت

آیت ومکرو اومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔فراجع۔

٦٦۔ویقول الذین۔الآیۃ۔

پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کے دو گوہواں کا تذکرہ

کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں خدائے عزوجل فرمارہا ہے کہ آپ کی نبوت کے دو گواہ ہیں اور وہ کافی ہیں ایک اللہ جس نے آپ کو نبی بنایا ہے اور معجزات وبینات سے آپ کی تصدیق کی ہے دوسرا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا پورا علم ہے وہ کون ہے؟ برادران اسلامی نے اس سے یہود ونصاریٰ کے علماء مراد لئے ہیں بنابریں الکتاب سے جنس کتاب مراد ہوگی جو توارۃ وانجیل وغیرہ تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے۔ یہ علماء گواہی دینگے کہ وہ پیغمبر آخرالزمانؐ جس کا ان آسمانی کتابوں میں ذکر خیر کیا گیا ہے وہ آپ ہی ہیں۔مگر حقیقی وارثان علم قرآن یعنی ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد آئمہ اہلبیتؑ ہیں اور الکتاب سے مراد قران ہے اور یہ اس کے حقیقی عالم ہیں اور اس سلسلہ جلیلہ کے گل سرسبد اور فرد اکمل حضرت امیر علیہ السلام ہیں چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ایاناعنی وعلی اولنا وافضلنا وخیرنا بعد النبی ۔کہ خدا نے اس سے ہم کو مراد لیا ہے اور حضرت علیؑ ہمارے پہلے اور پیغمبر اسلامؐ کے بعد ہم سب سے افضل وبرتر ہیں۔(الکافی ،تفسیر عیاشی وصافی) کتاب امالی میں حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا ذاک اخی علی ابن ابی طالب اس سے مراد میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ مراد ہیں کتاب احتجاج طبرسی میں خود حضرت علیؑ سے مروی ہے فرمایا ایای عنی بمن عندہ علم الکتاب۔کہ خدا نے اس آیت میں من عندہ علم الکتاب سے مجھے مراد لیا ہے اور تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ہوا میر المومنین کہ اس سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں مخفی نہ رہے کہ برادران اسلامی کے کئی مفسرین نے اس سے عبداللہ بن سلام کو مراد لیا ہے حالانکہ عبداللہ مذکور مدینہ میں اسلام لایا جبکہ یہ سورہ مکی ہے۔(تفسیر درمنثور ج ۴) لہٰذا وہ کسی طرح بھی اس کا مصداق نہیں ہوسکتا۔

سورہ ابراہیم کا مختصر تعارف

وجہ تسمیہ:

چونکہ اس سورہ کی آیت ۳۵ میں جناب ابراہیمؑ کا نام نامی واسم گرامی مذکور ہے۔ **واذقال ابراھیم رب اجعل ھذاالبلد**۔اس وجہ سے اس سورہ کا نام ابراہیمؑ مقرر ہوا جیسے سورہ ہود کا نام اس لیے ہود رکھا گیا کہ اس میں جناب ہودؑ کا ذکر مبارک ہے جو اکثر سورتوں کے ناموں کی طرح علامتی نام ہے ویسے کوئی اختصاصی پہلو نمایاں نہیں ہے اس سورہ کی آیتیں باون،رکوع سات،۸۶۱ کلمات اور ۳۴۳۴ حروف ہیں۔

عہد نزول:۔

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی ہے جبکہ اہل مکہ آنحضرتؐ اور مسلمانوں سے ہر قسم کے سماجی تعلقات توڑ رہے تھے اور ان پر ظلم وجور کے کوہ گہراں گرا رہے تھے اور برملا دیس نکالا دینے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست

۱۔کتاب رشد وہدایت قرآن کے نازل کرنے کا مقصد اجاگر کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان میں داخل کریں۔

۲۔کفار کی پرانی بیماری یعنی دنیا سے غیر معمولی محبت اور حق سے دوری اور لوگوں کو راہ حق سے روکنے کا تذکرہ۔

۳۔ہر رسول کو قوم کی زبان بولنے والا بنا کر بھیجا گیا۔

۴۔ایام اللہ کی یاد قائم رکھنے کا حکم۔

۵۔جناب موسیٰ کی بعثت کا تذکرہ اور توراۃ نازل کرنے کی غرض وغایت اور قوم کو اللہ کے احسانات یاد دلا کر اس کے شکر ادا کرنے پر آمادہ کرنا۔

۶۔وجود خدا پر ایک اقناعی دلیل۔

۷۔بشریت انبیاء کا تذکرہ۔

۸۔مختلف قوموں کا اپنے انبیاء کے ساتھ ناروا سلوک کا تذکرہ اور اس کے جواب میں خدا کا سخت لب ولہجہ۔

۹۔شیطان کا اپنے پیروکاروں کو حوصلہ شکن جواب دینا اور انہیں اپنی ملامت کرنے کو کہنا۔

۱۰۔اچھے اور برے کلمات کی مثال۔

۱۱۔خدا کے شریک بنانے اور خدائی نعمتوں کو تبدیل کرنے والوں کا انجام۔

۱۲۔خدا کی نعمتوں کا بے شمار ہونا۔

۱۳۔جناب ابراہیمؑ کے مختصر حالات اور ان کی دعا و مناجات کا تذکرہ۔

۱۴۔ذریت ابراھیمی میں سے ہر دور میں سچے اور پکے مسلمانوں کے موجود رہنے کا تذکرہ۔

۱۵۔قیام قیامت کا ہولناک منظر۔

۱۶۔قیامت کے دن مجرمین کی عبرت ناک حالت زار کی تصویر کشی۔

۱۷۔توحید پروردگار کا مبارک تذکرہ وغیرہ وغیرہ۔

سورہ ابراہیم کے پڑھنے کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو ہر جمعہ کے دن دو رکعت نماز میں سورہ ابراہیم اور سورہ حجر کی تلاوت کرے گا وہ کبھی فقر و فاقہ، جنون و دیوانگی اور کسی بلاؤ مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا انشاء اللہ (ثواب الاعمال، تفسیر، عیاشی و صافی) اور تفسیر البرہان میں بحوالہ خواص القرآن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ اگر اس سورہ کو سفید رنگ کے کپڑے پر لکھ کر چھوٹے بچے کے بازو پر باندھ دیا جائے تو وہ گریہ و بکاہ، جزع و فزع اور بچوں کی تکلیفوں سے محفوظ رہے گا (البرہان)

آیات القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ

لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝۲ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶

ترجمۃ الآیات

الف، لام را (اے رسولؐ) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لائیں (یعنی) اس خدا کے راستہ کی طرف جو غالب (اور) قابل تعریف ہے (۱) وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور تباہی و بربادی ہے سخت عذاب کی وجہ سے ان کافروں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسے ٹیڑھا بنادیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی دیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسے ٹیڑھا بنادیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں (۳) اور ہم نے (دنیا میں) جب بھی کوئی رسول بھیجا ہے تو اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے لیے (پیغام خداوندی)

کھول کر بیان کرے پس اللہ جسے چاہتا ہے (توفیق سلب کر کے) گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے وہ (سب پر) غالب ہے، بڑا حکمت والا ہے۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تھا (اور حکم دیا) کہ اپنی قوم کو (کفر کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لائے اور انہیں اللہ کے مخصوص دن یاد دلا وَ یقینا اس (یاد دہانی) میں ہر بڑے صبر و شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (۵) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا یعنی اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے اور وہ تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی (۶)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ ویل۔ اس کے معنی ہیں شر، برائی کا نزول، ہلاکت اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔ ۲۔ ذکر ہم تذکیر کے معنی ہیں یاد دلانا۔ ۳۔ یسومونکم۔ سوم کے معنی ہیں کسی کو کسی کام کی تکلیف دینا۔ ۴۔ بلاء کے معنی ہیں آزمائش و امتحان۔

تفسیر الآیات

۱۔ الر۔ کتاب۔ الآیۃ۔

کئی بار یہ حقیقت واضح و آشکار کی جا چکی ہے کہ یہ حروف مقطعات جو بعض قرآنی سوروں کے اوائل میں موجود ہیں یہ ان متشابہات میں سے ہیں۔ جن کی حقیقی تاویل خدا اور راسخون فی العلم۔ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لہٰذا ان پر اجمالی ایمان رکھنا چاہیے اور ان کی حقیقت کا علم انہی ذوات مقدسہ کے سپرد کرنا چاہیے ویسے اس کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے۔ انا اللہ اری۔ میں اللہ ہوں جو دیکھ رہا ہوں (واللہ العلم)

کتاب جو (کہ ھذا مبتدا کی خبر ہے) اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اس آیت مبارکہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور ان پر قرآن مجید کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کی جاری ہے کہ خدا کے حکم

سے تمام عالم بشریت کو کفر وشرک اور فسق وفجور کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام وایمان کی روشنی کی طرف لائیں منجملہ دوسری بہت سی دلیلوں کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ تمام بنی نوع انسان کے نبی ہیں۔ اور کسی خاص قوم یا ملک کے نبی نہیں ہیں۔ بلکہ للناس مبعوث ہوئے ہیں کفر وشرک وغیرہ کے لیے ظلمات جمع کی لفظ اور ایمان کے لیے نور مفرد کا صیغہ لاکر کفر وشرک کے مختلف انواع واقسام کی کثرت و پراگندگی اور ایمان کی وحدت واجتماعیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

باذن ربهم۔ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی بھی مبلغ حق نبی ہو یا اس کا وصی یا کوئی اور صرف راہ حق دکھانا اس کا کام ہے۔ اور بس اب اس راہ پر لے آنا اور اس پر چلانا توفیق الٰہی پر منحصر ہے اور اس خوشی نصب ہوتی ہے۔ جو ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور خلوص نیت سے اسے طلب کرتا ہے۔ **انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء**۔ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

الى صراط۔ یہ النور سے بدل ہے کہ یعنی وہ نور جس کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں وہ خدائے غالب ومحمود کا سیدھا راستہ ہے۔ **انك تهدى الى صراط مستقيم**۔ چونکہ ہدایت کے موضوع پر سورہ فاتحہ کی تفسیر میں مفصل بحث کی جا چکی ہے لہٰذا یہاں اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس مقام کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ الله الذى۔ الآية۔

قرآن مجید میں بیسیوں بار اس حقیقت کی تکرار کی گئی ہے۔ کہ آسمان ہو یا زمین یا جو کچھ ان میں ہے سب کا حقیقی مالک وہی خدا ہے جو ان کا خالق ہے حتیٰ کہ حضرت انسان جو خدا کی تملیک سے بظاہر بہت ساری چیزوں کا مالک ہے وہ بھی مالک الملک کی ملکیت ہے جس کا اقرار **انا لله وانا اليه راجعون**۔ میں کرایا گیا ہے۔

در حقیقت مالک ہر شئی خداست
ایں امانت چند روزہ پیش ما است

یہ سارا اہتمام اس لیے ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں ہو جائے تاکہ وہ اس مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے سے احتراز کریں اور حقیقی مالک کی منشاء کے مطابق تصرف کریں۔

۳۔ وويل للذين كفروا۔ الآية۔

ویل کے لغوی معنی ہلاکت وبربادی اور برائی کے ہیں نیز ویل نامی جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنمی لوگ بھی پناہ مانگتے ہیں چونکہ خدائے مہربان نے پیغمبر آخرالزمان کو قرآن دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اللہ

کے بندوں کو کفر وشرک اور بداعمالیوں کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت وایمان کی روشن راہ پر لائیں تو جن خوش قسمت لوگوں نے آپ کی دعوت حق پر لبیک کہی وہ تو دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران اور فائز المرام ہو گئے مگر جن بدبختوں نے اس کا انکار کیا جو دنیائے دوں کی چندروزہ حیات مستعار اور اس کی آسائشوں پر اس طرح فریفتہ ہو گئے کہ اسے ہی مقصد حیات سمجھ لیا اور آخرت کی ابدی زندگی اور اسے خوشگوار بنانے سے سراسر غافل ہو گئے الغرض دنیوی عارضی اور فانی زندگی کو اخروی ابدی سرمدی زندگی پر ترجیح دی اور نہ صرف یہ کہ خود اللہ کی راہ پر نہیں چلے بلکہ دوسروں کو بھی اس راہ پر چلنے سے روکا اور سب سے بڑھ کر اللہ کے راستہ کو بھی ٹیڑھا کرنا چاہا اور دین اور اس کے حقائق کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا چاہا اور اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی بجائے دین کو بدلنا چاہا تا کہ رند بھی رہ جائیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے تو ان کے لیے سخت ترین عذاب کی وجہ سے ویل ہے یعنی تباہی وبربادی ہے وہ اس عذاب کو دیکھ کر بڑا واویلا کرینگے مگر سب بے سود ہوگا مخفی نہ رہے کہ **یبغونہا عوجاً** ۔ کا ایک مفہوم تو یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے اور دوسرا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین میں شبہات نکال کر دوسروں کو گمراہ کرتے رہے۔اس بیان نیر البرہان سے واضح ہوگیا کہ جس شخص میں مذکورہ بالا تین خصلتیں پائی جائیگی جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے گا۔ ۲۔ جو لوگوں کو راہ راست سے روکے گا۔ ۳۔ اور جو دینی حقائق کو توڑ موڑ کر اپنی خواہش کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے گا اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کفار کا ہوا اور وہ اس وعید وتہدید کا مستوجب قرار پائے گا۔

۴۔ وما ارسلنا ۔ الآیة ۔

ہم سورہ رعد کی آیت ۳۷ **و کذلك انزلناہ حکماً عربیاً ۔ الآیہ** کی تفسیر میں تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ ہمیشہ سے سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ اس نے جب بھی کسی قوم میں کوئی رسول بھیجا ہے تو اپنی قوم کی زبان میں اور اس پر جب بھی کوئی کتاب نازل کی ہے تو اسی قوم کی زبان میں تا کہ سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو اور حجت تمام ہونے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور کوئی یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہماری زبان اور ہے اور نبی کی اور اس کی کتاب کی زبان اور؟

ایضاح

اس دستور الٰہی سے کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال نہ کرے کہ چونکہ پیغمبر اسلام اور قرآن کی زبان عربی ہے لہٰذا وہ صرف عربوں کی طرف ہی بھیجے گئے ہیں جس طرح سابقہ انبیاء اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے

ایسے لوگوں پر واضح رہنا چاہیے کہ کسی قوم کی زبان میں بھیجنا اور ہے اور صرف اسی زبان والوں کی طرف بھیجنا اور؟ ہمارے رسول رحمۃ للعالمین اور نذیراً للعالمین ہیں۔ ان کی رسالت زمان ومکان کی کسی حد کیساتھ محدود نہیں ہے۔ ان کو صرف عربوں کی طرف نہیں بھیجا گیا ہاں البتہ چونکہ عربی زبان سے زیادہ وسیع کوئی زبان نہ تھی اور اسی لیے اسے ام الالسنہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا خدائے حکیم نے آپ کو عربی زبان اور عربی قرآن کے ساتھ بھیجا ہے۔

۵۔ ولقد ارسلنا موسیٰ۔ الآیۃ۔

اس آیت شریفہ میں جناب موسیٰ کو معجزات دے کر بھیجنے اور ان پر توراۃ نازل کرنے کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے جو وہی ہے جو اوپر پیغمبر اسلام کی بعثت کی بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ لوگوں کو کفر وشرک اور بدعملیوں کے اندھیروں سے نکال کر رشد وہدایت اور ایمان کے اجالوں کی طرف لائیں اور ان کو ایام اللہ (اللہ کے تاریخی دن) یاد دلائیں۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ ان ایام اللہ سے کون سے دن مراد ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان ایام سے اللہ کے خصوصی انعام واحسان والے دن مرد اہیں (مجمع البیان وعیاشی) جیسے فرعون اور فرعونیوں کے ظلم واستبداد سے نجات کا دن من وسلوی کے نزول کا دن، سمندر سے بسلامتی گزرنے کا دن اور پتھر سے چشمہ بہہ نکلنے کا دن وغیرہ وغیرہ تا کہ وہ شکر کریں نیز اس سے سابقہ امتوں پر ان کے کرتوتوں کی پاداش میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کے دن بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی قومیں ہلاک وبرباد ہوگئیں تا کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ علامہ سید علی نقی نقوی لکھتے ہیں "اللہ کے دن وہ ہیں جن میں اللہ کے دین کو تقویت پہنچانے والا کوئی اہم کارنامہ ہوا ہو خواہ براہ راست اللہ کی طرف سے جیسے وہ عذاب جو اس کی جانب سے امتوں پر نازل ہوئے ہیں یا اس کے حکم سے اس کے انبیاء واولیاء اور مقرب بندوں نے اس کی راہ میں قربانیاں پیش کی ہیں وہ سب ایام اللہ میں داخل ہیں اور ان کی یاد آوری کا حکم خالق دے رہا ہے ہماری قدیم تفسیر کا مضمون اس کے مطابق ہے" (فصل الخطاب ج ۴)

۶۔ واذقال موسیٰ۔ الآیۃ۔

یہاں جو واقعات جناب موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد دلائے وہ تفصیل کے ساتھ تفسیر کی پہلی جلد میں یعنی سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکے ہیں۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ان واقعات سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں اور انہی کو قدرت کی نشانیاں نظر آتی ہیں جو صابر وشاکر ہوتے ہیں یعنی اہل ایمان ہیں کیونکہ آدھا ایمان صبر اور آدھا شکر ہے۔ کما ورد فی بعض الاثار۔

آیات القرآن

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ﴿۸﴾ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ﲜ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﲜ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّىؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَاؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَاؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَاؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۠﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے تمہیں مطلع کر دیا تھا کہ اگر (میرا) شکر ادا کرو گے تو میں

تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر کفران نعمت (ناشکری) کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے(۷) اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے سب لوگ کفر اختیار کریں تو اللہ کو اس کی کیا پروا یقیناً اللہ بے نیاز (اور) قابل ستائش ہے(۸) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے (یعنی) قوم نوحؑ اور عاد و ثمودؑ اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ جب ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں (معجزے) لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لئے اور کہا کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور تم جس (دین) کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہو ہم اس کی طرف سے تردد آمیز شک میں ہیں(۹) ان کے رسولوں نے کہا کیا (تمہیں) اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے اس پر ان لوگوں نے کہا تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر (اور انسان) تم چاہتے ہو کہ جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں ہمیں ان کی عبادت سے روکو! سو ہمارے پاس کوئی کھلا ہوا (ہمارا مطلوبہ) معجزہ لاؤ(۱۰) ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بے شک ہم نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر (اور انسان) مگر اللہ اپنے بندں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا احسان فرماتا ہے۔ اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تمہیں کوئی کھلی ہوئی دلیل (معجزہ) پیش کریں مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر ہی اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔(۱۱) آخر ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی کی) راہوں کی راہنمائی کی ہے اور تم ہمیں جو ایذائیں پہنچا رہے ہو ہم ان پر صبر کرینگے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔(۱۲)۔

تشریح الالفاظ

۱۔تَاَذَّن۔ کے معنی ہیں اطلاع دینا اور آگاہ کرنا۔ ۲۔**فاطر السموات**۔ فطر کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔

۳سلطان مبین۔ کے معنی ہیں کھلی ہوئی دلیل یعنی معجزہ۔

تفسیر الآیات

۷۔ واذ تأذن۔ الآیۃ۔

یہ آیت انہی الفاظ کے ساتھ قبل ازیں سورہ آیت نمبر میں گذر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر بھی گذر چکی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ بھی جناب موسیٰؑ کے کلام کا جزء ہے کہ میرے ذریعہ خدا تمہیں اس بات کی اطلاع دے چکا ہے۔ کہ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے شکر کا شرعی اور عملی مفہوم یہ ہے کہ خدا نے جو نعمت جس مقصد و مصرف کے لیے عطا کی ہے اسے اسی میں صرف کیا جائے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب خدا کسی بندہ کو کسی نعمت سے نوازے اور وہ دل سے اس کا ادراک و اعتراف کرے زبان سے اپنے منعم کی حمد و ثنا اور شکر کرے تو اس کا کلام مکمل ہوتے ہی اس نعمت میں اضافہ کا حکم دے دیا جاتا ہے (الکافی) نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا۔ جب خدا کسی بندہ کو کسی چھوٹی یا بڑی نعمت سے نوازے اور وہ کہے الحمدللہ تو اس نے اس کا شکر ادا کر دیا ہے۔ (تفسیر صافی) واضح رہے کہ نعمت میں یہ اضافہ نعمت کی مقدار میں بھی ہوسکتا ہے اور بقاء و دوام کی صورت میں بھی کفر سے یہاں مراد کفران نعمت ہے یعنی ناشکری جو قول سے بھی ہوسکتی اور فعل سے بھی کفر کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم کفران نعمت بھی ہے (ایضاً) اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو غلط مصرف میں صرف کرنا ہی حقیقی ناشکری ہے۔

۸۔ وقال موسیٰ ان تکفروا۔ الآیۃ۔

ادائیگی شکر کا مطالبہ کرنے اور اس کے فوائد بیان کرنے اور ناشکری سے روکنے اور اس کے نقصانات بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ اللہ بے نیاز ہے وہ اس چیز کا محتاج نہیں ہے نہ تمہارے شکر کرنے سے اس کی عظمت بڑھتی ہے اور نہ تمہارے کفران نعمت سے اس کی شان گھٹتی ہے وہ بہرحال بے نیاز بھی ہے اور ستودہ صفات بھی۔ لہٰذا اگر شکر گذاری میں فائدہ ہے تو بھی شکر گذار بندوں کا اور اگر کفران نعمت کرنے میں نقصان ہے تو وہ بھی ناشکرے بندوں کا۔ فان اللہ لغنی حمید۔

۹۔ الم یاتئکم نباء الذین۔ الآیۃ۔

اس میں قدرے اختلاف ہے کہ آیا یہ حضرت پیغمبر اسلام اور مشرکین عرب کو خطاب ہے یا جناب موسیٰ کا بنی اسرائیل کو؟ کلام کا سیاق و سباق اسی بات کا مقتضی ہے کہ یہ جناب موسیٰؑ ہی بنی اسرائیل کو خطاب کر رہے ہیں

اورانہیں گذشتہ قوموں کے عبرت انگیز واقعات کی طرف توجہ دلا کرانہیں عبرت حاصل کرنے کی تلقین کر رہے ہیں کہ قوم نوح، قوم عاد ثمود اور دیگر ان قوموں کے حالات پر نگاہ کرو جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اللہ نے کس طرح ان کو گونا گوں نعمتوں سے نوازا تھا مگر جب انہوں نے نہ صرف یہ کہ اللہ کے نمایندوں کا انکار کیا اور کفر وشرک پر اصرار کیا بلکہ انہیں مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائیں تو کس طرح خدائے جبار وقہار نے انہیں عبرتناک عذابوں میں گرفتار کیا اور صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹادیا لہٰذا اگر تم بھی اپنے کفر اور کرتوتوں سے باز نہ آئے تو تمہاراانجام بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔

۱۰۔فردوا ایدیھم۔الآیۃ۔

اس جملہ کامفہوم متعین کرنے میں مترجمین نے بڑی عجیب قلابازیاں کھائی ہیں۔اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لفظ ''ید'' اور ''وجہ'' کو اپنے حقیقی معنی پر باقی رکھا جائے تو پھر ''ایدیھم'' اور پھر ''**افواھھم**'' کی جمع مذکر غائب کی ضمیروں کا مرجع کیا ہے؟(ا) دونوں جگہ مرجع کفار ہیں کہ جب رسول روشن دلیلیں لے کر ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبائے یعنی اپنی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا یا ایسا کر کے رسولوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

۲۔دونوں جگہ ان ضمیروں کا مرجع رسول ہیں بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ جب رسول تبلیغ شروع کرتے تو یہ گستاخ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیتے اور انہیں خاموش کر دیتے

۳۔ایدیھم۔کی ضمیر کا مرجع کفار اور **افواھھم** کی ضمیر کا مرجع رسول ہیں یعنی جب رسول وعظ ونصیحت کرنے لگتے تو یہ بے ادب اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیتے مگر پہلا ترجمہ انسب ہے اسی لیے ہم نے اسے اختیار کیا ہے اور اگر ان لفظوں کو ان کے حقیقی معنی پر باقی نہ رکھا جائے اور ان سے مجازی معنی مراد لیے جائیں تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ ''ان تمام لوگوں کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے لیکن انہوں نے ان کی باتیں انہی پر لوٹادیں اور کان دھرنے سے انکار کر دیا۔(ترجمان القرآن ج ۲)

۱۱۔قالت لھم رسلھم۔الآیۃ۔

خالق کائنات کا اجمالی اقرار بدیہی ہے۔

اپنے مقام (علم کلام) میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ جس طرح کل کا جزء سے بڑا ہونا فاقد شئی کا معطی شئی نہ ہونا دو اور دو کا مل کر چار ہونا یا برف کا ٹھنڈا اور آگ کا گرم ہونا بدیہی ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں

ہے اسی طرح معلول کا بلا علت، اثر کا بلا موثر، فعل کا بلا فاعل بنا کا بلا بانی اور مخلوق کا بلا خالق کے وجود میں آنے کا ناممکن ہونا بھی بدیہی اور ضروری ہے لہٰذا کائنات کے خالق وبانی کی ہستی کا اجمالی ثبوت بدیہی وفطری ہے اور کسی دلیل وبرہان کا محتاج نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء ومرسلین ائمہ طاہرین اور علماء کاملین نے وجود خدا پر دلائل وبراھین قائم کرنے کی بجائے صرف خواب غفلت میں سوئے ہوئے منکرین کو جگانے کے لیے تنبیہات پر اکتفا فرمائی ہے۔ جیسے اسی آیت میں مذکور ہے کہ قالت لھم رسلھم کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ اس انسانی فطرت کو جھنجھوڑا اور تعجب کے لہجہ میں فرمایا افی الله شك فاطر السموات والارض؟ منقول ہے کہ ایک بار محقق دوانی اثبات صانع کے موضوع پر ایک رسالہ لکھنے بیٹھے ان کی خادمہ نے پوچھا کہ کس موضوع پر خامہ فرمائی کا ارادہ ہے؟ کہا اثبات صانع پر خادمہ نے فوراً یہ آیت پڑھی افی الله شك فاطر السموات والارض؟ دوانی نے ہاتھ سے قلم رکھ دیا اور اس ارادہ سے باز آئے (احسن الفوائد فی شرح العقائد) اس موضوع کی دیگر تفصیلات معلوم کرنے کے طلبگار حضرات ہماری اسی کتاب (احسن الفوائد) کی طرف رجوع کریں۔

۱۲۔ قالوا ان انتم ۔ الآیة۔

بشریت انبیاء علیہم السلام

تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ جب بھی انبیاء ورسل نے منجانب اللہ اپنے نبی ورسول ہونے کا اعلان کیا تو ہمیشہ کفار نے ان کے جنبہ بشری کو دیکھ کر ان کی نبوت کا انکار کیا اور کہا ابعث الله بشر اً رسولاً۔ (بنی اسرائیل ۹۴) کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ ایک بشر وانسان خدا کی طرف سے راہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا ابشر یھدوننا (تغابن۔ ٦)

کیا بشر ہمیں ہدایت کرینگے؟ الغرض کفار نے ہمیشہ یہ کہہ کر ان کی نبوت کا انکار کیا کہ ان انتم الا بشر مثلنا۔ تم تو ہماری طرح بشر وانسان ہو یعنی نبی تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اور اسی وجہ سے عیسائی جناب عیسیٰ کی بشریت وانسانیت کا انکار کر بیٹھے۔

آج تک کفار کی دیکھا دیکھی اکثر نام نہاد مسلمان بھی انبیاء وائمہ کی بشریت کی نفی کر کے ان کو کسی اور نوع کے افراد ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ اپنے خیال خام کے مطابق یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں حالانکہ قرآن وسنت پر نگاہ رکھنے والے بابصیرت لوگوں پر یہ حقیقت روز روشن کی

طرح واضح ہے کہ اشرف الکائنات اور افضل الموجودات انسان ہے اور یہ ذوات مقدسہ اسی افضل واعلیٰ نوع کے افضل واعلیٰ افراد کاملہ ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

قرآن اور تاریخ انبیاء علیہم السلام گواہ ہے کہ خدا نے یا انبیا نے کبھی اپنی بشریت کی نفی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اس کا اقرار کیا ہے البتہ تصویر کے دوسرے رخ کی بھی نشاندہی کی ہے جس کا کافر انکار کرتے تھے یعنی کافران کو صرف اپنے جیسا بشر کہتے تھے اور خدا نے انہیں جس احسان وانعام سے نوازا ہے وہ اس کا انکار کرتے تھے اور انبیا نے اپنے دوسرے جنبہ اور خصوصیات کی طرف ان کی توجہ دلائی ہے کہ ان نحن الابشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔ بے شک ہم نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر اور انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا احسان فرماتا ہے اور اس نے اپنا خصوصی احسان فرما کر ہمیں خلعت نبوت سے سرفراز کیا ہے لہٰذا ہم صرف بشر نہیں بلکہ ایسے بشر ہیں جو نبی و رسول بھی ہیں اس طرح انہوں نے دوسرا رخ پیش کر کے لوگوں کو دعوت فکر دی اسی طرح پیغمبر اسلامؐ نے بھی فرمایا انما انابشر مثلکم یوحیٰ الیٰ ۔(سورہ کہف ۱۱۰)۔ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس وحی نبوت کے اعلان کے ساتھ ان بہت سارے خصائص ولوازم کا بھی اعلان ہے جو ایک حامل وحی نبوت میں پائے جانے ضروری ہیں اور انبیاء نے ہمیشہ اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ اپنی انہی خصائص کا اظہار کیا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔

عقلاً بھی انبیاء کے لیے انسان ہونا ضروری ہے

عقل سلیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ جب خدائے حکیم نے ان ذوات مقدسہ کو انسانوں کی طرف ہادی وراہنما بنا کر بھیجا ہے تو انہیں انسان ہونا چاہیے تا کہ ان کے اقوال واعمال انسان کے لیے حجت اور سند ہوسکیں۔ چنانچہ خدا بھی فرماتا ہے۔ قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئن لنزلنا علیھم من السماء ملکاً رسولاً ۔(بنی اسرائیل۔ ۹۵) کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے۔لیکن جب رسول بھیجنا انسانوں کی طرف تھا تو ضروری تھا کہ انسان کو رسول بنا کر بھیجتے تا کہ ان پر حجت تمام ہوسکے اور ہر قسم کا عذر قطع ہوجائے اس موضوع پر قبل ازیں بھی گفتگو ہوچکی ہے۔اور بعدازیں بھی ہوگی اور جو حضرات اس موضوع کی جملہ تفصیلات

وجزئیات معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری کتاب اصول الشریعہ کے باب دوم وسوم کا مطالعہ کریں۔

۱۳ وما کان لنا۔ الآیۃ۔

یہ بعینہ اسی آیت کی مانند ہے جو ابھی اوپر سورہ رعد آیت ۳۸۔ وما کان لرسول ان یاتی بآیۃٍ الا باذن اللہ۔ میں مع تفسیر گذر چکی ہے۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کا فعل ہے لہٰذا اس کا دکھانا اور اس کا پیش کرنا اس کی مشیت اور اس کے حکم پر منحصر ہے نبی ہو یا وصی معجزہ دکھانا اس کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے ممکن ہے مزید تسلی کی خاطر مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۴۔ وما لنا الا نتوکل۔ الآیۃ۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ داعیان حق اور ہادیان برحق کو جاہلوں اور گمراہوں کی ایذا رسانی، ان کے ظلم وجور اور ہر قسم کی بدسلوکی پر صبر وضبط سے کام لینا چاہیے اور ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کرنا چاہئے کیونکہ جن کا بھروسہ خدائے قادر وقیوم پر ہوتا ہے وہ حوادث روزگار اور گردش لیل ونہار سے گھبرایا نہیں کرتے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ ان کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے موانع اور رکاوٹوں کو دور کرکے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کی راہنمائی کرتا ہے اور دنیا وآخرت میں انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے الغرض اپنے مقصد کی صداقت پر یقین محکم، استقامت وثابت قدمی کے ساتھ جہد مسلسل اور قادر مطلق اور مہربان خدا پر بھروسہ کامیابی کی کلید ہے۔

مشکلے نیست کہ آساں نشود
امامردے باید کہ ہراساں نشود

فائدہ

ابودرداء حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب (پسو) تمہیں اذیت پہنچائیں تو پانی کا ایک پیالہ لے کر اس پر سات بار یہ آیت پڑھیں وما لنا الا نتوکل علی اللہ۔ الآیہ اور بعد ازاں کہیں۔"فان کنتم آمنتم باللہ فکفوا شرکم واذا کم عنا"۔پھر وہ پانی اپنی خوابگاہ کے اردگرد چھڑک دیں آرام سے رات گذارو گے۔(مجمع البیان)۔

آیات القرآن

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ٍۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ؑ

ترجمۃ الآیات

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یا پھر

ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ اور تب ان کے پروردگار نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کردینگے۔ ۱۳۔ اور ان کے بعد ہم تمہیں اس سرزمین میں آباد کریں گے۔ یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لیے ہے جو میری بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری تہدید سے خائف ہو (۱۴) اور انہوں (رسولوں) نے (ہم سے) فتح مندی طلب کی (جو قبول ہوئی) اور ہر سرکش ضدی (حق کی مخالفت کرنے والا) نامراد ہوا (۱۵) اس (نامرادی) کے پیچھے جہنم ہے اور اسے کچ لہو قسم کا پانی پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پئے گا۔ اور گلے سے اتار نہ سکے گا اور ہر طرف سے اس کے پاس موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں اور (مزید برآں) اس کے پیچھے ایک اور سخت عذاب ہوگا (۱۷) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال کی حالت اس راکھ جیسی ہے جسے سخت آندھی والے دن ہوا اڑا لے جائے جو کچھ انہوں نے کیا (کمایا) اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا یہی بہت بڑی گمراہی ہے (۱۸) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق (وحکمت) کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے۔ (فنا کردے) اور نئی مخلوق کو لے آئے (۱۹) اور یہ بات اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے (۲۰) اور (قیامت کے دن) وہ سب ایک ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ تو جو کمزور (پیروکار) ہوں گے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے (سردار) بنے ہوئے تھے کہ ہم تو (زندگی بھر) تمہارے پیروکار تھے تو تم آج ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو؟ وہ (بڑے) کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہیں ہدایت دیتے اب ہمارے لیے برابر ہے جزع فزع کریں یا صبر کریں آج ہمارے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (۲۱)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ خاب۔ کے معنی ہیں بے نیل مرام ہونا۔ ۲۔ صدید کے معنی ہیں کچلھو خون، پیپ۔ ۳۔ یسیغونہ۔ سوغ کے معنی خوشگوار بنانے کے ہیں۔ ۴۔ محیص۔ محیص اور حیصہ کے معنی گلوخلاصی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۵۔ وقال الذین کفروا ۔ الآیۃ ۔

قبل ازیں سورہ اعراف آیت (۱۸۸) اس آیت سے ملتی جلتی ایک آیت گذر چکی ہے ۔ قال الملاء الذین استکبروا من قومه لنخرجنك یاشعیب والذین آمنوا معك من قریتنا اولتعودن فی ملتنا ۔ الایہ ۔
اور وہیں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی ہے کہ ہادیان برحق ہمیشہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ حق کی دعوت دیتے ہیں مگر کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے کیونکہ ۔ لا اکراہ فی الدین ۔ مگر گمراہ اور باطل نواز چونکہ علم و عقل اور دلیل و برہان کے ساتھ اہل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہ تشدد کرنے اور اوچھے ہتھیار استعمال کرنے پر اتر آتے ہیں جو ان کی ذہنی شکست خوردگی کی ناقابل انکار دلیل ہوتی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اسی مقام پر ''مگر یہ کہ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ'' کی بھی وضاحت کی گئی ہے ۔

۱۶۔ فاوحی الیھم ربھم ۔ الآیۃ ۔

کفار کی دھمکیوں کے جواب میں خداوند عالم اپنے رسولوں کو اپنی امداد و نصرت اور انجام کار کامیابی کی نوید دے رہا ہے اور بشارت دے رہا ہے کہ وہ ان ظالموں کو ہلاک و برباد کرکے ان کی سرزمین پر ان کو آباد کرے گا ۔ چنانچہ صادق الوعد خدا نے ایسا ہی کیا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے ۔ واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم ۔ (احزاب ۔ ۲۷) اور خدا نے تمہیں ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث و مالک بنادیا ۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد ۔ اور اللہ کا یہ وعدہ فتح و فیروزی انبیاء اور ان کے سچے پیروکاروں اور پرہیزگاروں کے لیے بھی ہے جو اللہ کی بارگاہ میں مقام حساب میں کھڑا ہونے اور اس کے شدید عذاب سے ڈرتے ہیں ہمیشہ آخری فتح حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے اور ناکامی نامرادی دشمنان حق کا مقدر ہے ۔ الا ان حزب اللہ ھم الغالبون ۔ حضرت رسول خدا سے مروی ہے فرمایا ۔ من اذی جارہ طمعافی مسکنہ ورثہ اللہ دارہ وقرء ھذہ ۔ الایۃ ۔ جو شخص اپنے پڑوسی کو اس لیے اذیت پہنچانے کے اس کا مکان اس کے ہاتھ لگ جائے تو خدا اس پڑوسی کو اس کے مکان کا وارث بنائے گا ۔ (تفسیر قمی)

۱۷۔ واستفتحوا ۔ الآیۃ۔

استفتحوا کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟ مشہور یہ ہے کہ رسولوں کی طرف راجع ہے اور ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور بعض مفسرین نے اسے مشرکین کی طرف اور بعض نے ہر دو کی طرف راجع کیا ہے اور بہرصورت مطلب صحیح ہے البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اس فقرہ کا مفہوم کیا ہے؟ آیا یہ فتح سے ہے جس کے معنی فتح و فیروزی کے ہیں یا فتاحہ سے ہے جس کے معنی فیصلہ کے ہیں؟ مشہور یہ ہے کہ یہ فتح سے ہے کہ رسولوں نے خدا سے فتح و فیروزی کا مطالبہ کیا۔ اور خدا نے ان کو فتح مندی عطا فرمائی یا مشرکین نے یا ہر دو نے یہی مطالبہ کیا اور خدا نے رسولوں کی مظفر و منصور کر کے مشرکین کو نامراد کیا یہ ایسے ہی ہے جیسے سورہ انفال آیت ۱۹ میں جنگ بدر کے واقعہ میں مذکور ہے ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم وان تعودوا نعد۔ یا جیسے جناب لوطؑ کی یہ دعا سورہ عنکبوت میں مذکور ہے۔ رب انصرنی علی القوم المفسدین۔

اور اگر فتاحہ سے ہے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے رسولوں کو فتح مند اور مشرکوں کو نامراد کر کے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے رسولوں کی دعا ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق۔ (اعراف ۸۹) اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اور اللہ نے سرکشوں اور معاندین حق پر عذاب نازل کر کے فیصلہ صادر کر دیا۔

۱۸۔ من ورائہ جھنم ۔ الآیۃ۔

عذاب جہنم کی تصویر کشی

لفظ وراء اضداد میں سے ہے جس کے معنی آگے کے بھی ہیں اور پیچھے کے بھی اور یہاں دونوں مفہوم مراد لیے جا سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جباروں اور حق کے مخالفوں کے لیے اسی دنیا کی ناکامی و نامرادی پر بس نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس کے بعد یعنی ان کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے جس میں انہیں جھونکا جائے گا اور پھر اس میں ان کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اس کی تصویر کشی قرآن مجید نے کر دی ہے کہ جب شدت پیاس سے دم نکلنے لگے گا تو پینے کے لیے خون و پیپ ملا پانی (کچ لہو) اور وہ بھی کھولتا ہوا بدبودار اور بدذائقہ پئیں۔ تو کیسے اور حلق سے نیچے سے اتاریں تو کیوں کر۔؟ اتارنے کی کوشش ضرور کریں گے مگر اتار نہیں سکیں گے اور جب شدت گرسنگی سے نڈھال ہوں گے تو کھانے کے لیے تھوہڑ کے درختوں میں سے کھلایا جائے گا (لاکلون من شجر من زقوم ۔ الواقعہ۔ ۵۲) ہر طرف سیاہ دھوئیں کے

بادل چھائے ہوں گے(وظل من یحموم ۔الواقعہ۔۴۳) چاروں طرف سے ان پر موت اپنے اسباب کے ساتھ حملہ آور ہوگی کہ اب مرے مگر وہ مریںگے نہیں کہ عذاب سے چھٹکارا مل جائے بلکہ اس کے پیچھے سخت عذاب کا سامنا ہوگا کہ کلما نضبحت جلودھم بدلنھا جلوداً غیرھا۔کہ جب ان کے چمڑے گل سڑ جائینگے تو ہم اور چمڑے بدل دیں گے۔اللھم اعتقنا من النار وارزقنا الجنة بجاہ النبی والہ الاطھار۔

۱۹۔مثل الذین کفروا۔الآیة۔

مشرکین کے اعمال کی تمثیل

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند وبالا ہے کہ ہر قسم کے اعمال کی قبولیت کی شرط اولین ایمان اور خلوص نیت ہے ومن یعمل من الصالحات من ذکرا وانثی و ھو مومن۔اور جب وہی موجود نہیں ہے تو پھر بموجب اذا فات الشرط فات المشروط۔جب ایمان مفقود ہے اور کفر وشرک موجود ہے تو پھر ان کے ان اعمال خیریہ کی جو دنیا میں بخیال خویش انہوں نے کئے تھے ان کی مثل وحالت راکھ کے ایک ڈھیر کی مانند ہے کہ تیز وتند آندھی آئے اور اس کو اڑا کرلے جائے۔اور انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔جسے وہ میزان میں رکھ سکیں۔یعنی ان کو کچھ بھی اجر وثواب نہیں ملے گا۔کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا یعنی جو خیراتی اور رفاہی کام کئے تھے وہ خدا کی خوشنودی کے لیے نہیں بلکہ نام ونمود اور دنیا کی عزت وشہرت کے لیے کئے تھے۔جو ان کو حاصل ہوگئی۔وما لھم فی الاخرۃ من نصیب وقدمنا الی ماعملو امن عمل فجعلناہ ھباءً منشوراً۔بہرحال اعمال کی قبولیت میں ایمان واخلاص ضروری ہے۔ ومن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولایشرك بعبادۃ ربہ احدا۔

۲۰۔الم تر ان اللہ۔الآیة۔

الم تر کے معنی ہیں الم تعلم۔کیا تم نہیں جانتے کہ کائنات ارضی وسماوی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی گئی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلاً۔کہ ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ اس کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ کائنات کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ کسی خاص مقصد ومصلحت سے بنائی گئی ہے تو جب ہر چیز کی تخلیق کا کوئی مقصد ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ عالم امکان کی اشرف واعلیٰ مخلوق یعنی انسان کو عبث پیدا کیا گیا ہو؟ افحسبتم انما خلقنا کم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔الغرض غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔کہ جہاں ہے تیرے لیے تو

نہیں جہاں کے لیے وما خلقت الجن والانس الالیعبدون ۔ پھر منکرین حق اور نافرمانوں کو دھمکی دی جارہی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تمہارا محتاج ہے؟ یا تمہارے بغیر دنیا کی یہ رونق ختم ہوجائے گی وہ قادر چاہیے تو چشم زدن میں تم سب کو ختم کرے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لائے کیونکہ اس کا قانون قدرت اور آئین فطرت یہ ہے کہ وہ غیر نافع کو مٹا دیتا ہے اور نافع کو باقی رکھتا ہے۔ اور یہ چیز قادر و توانا خدا کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے۔

۲۱۔ وبرزوا اللہ جمیعاً ۔ الآیۃ۔

میدان حشر کا منظر۔

جب قیامت کے دن سب لوگ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوجائینگے مومن بھی اور کافر بھی نیکوکار بھی اور بدکار بھی، رعایا بھی اور سردار بھی طاقتور بھی اور کمزور بھی اور پیر بھی اور پیروکار بھی ۔ وحشرنا ھم فلم نغادر منھم احدًا ۔ اور پھر اپنا کردار بھی سامنے ہوگا اور جہنم کے شعلے بھی تو کمزور طبعیت کے مالک لوگ جنہوں نے اپنی طبعی بزدلی اور کمزوری یا دنیا کے مال یا اس کے جاہ وجلال کے لالچ میں اپنے گمراہ اور ظالم سرداروں کی پیروی یا بے دین پیشواؤں اور دین فروش ملاؤں کی اندھی تقلید و تاسّی کی ہوگی اور اپنی عقل وبصیرت اور دیانت وامانت سے کام نہ لیا ہوگا وہ عوام کالانعام اپنے سرداروں اور مذہبی اجارہ داروں سے کہیں گے کہ ہم نے دار دنیا میں تمہاری پیروی کی تھی آج ہمیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچاؤ۔ وہ کہیں گے ہم جب اپنے کو نہیں بچا سکتے تو تمہیں کس طرح بچائیں اگر ہم اپنے کو اس عذاب کی گرفت سے بچا سکتے تو تمہیں بچاتے بنابریں یہاں ہدایت سے مراد خدا کے عذاب سے نجات ہے اور حصول ثواب ہے لہذا بموجب۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں

آج ہم جزع فزع کریں یا صبر وبرداشت سے کام لیں اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے آج اپنے اعمال کا خمیازہ اور نتائج بھگتنے کا وقت ہے اس سے کوئی مفر نہیں ہے خدائے مہربان نے بروز قیامت پیش آنے والے واقعات کو بڑے موثر اور دلنشین انداز میں پیش کر کے خواب غفلت میں گرفتار لوگوں کو بیدار کرنے اور اپنی اس غلط روش و رفتار سے باز آنے کی سعی جمیل کی ہے کہ وہ کورکورانہ تقلید سے باز آئیں اور تحقیق سے کام لیں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یا حار الحق لایعرف بالرجال اعرف الحق تعرف اھلہ۔ اے حارث ہمدانی! حق کو لوگوں کے ذریعہ سے نہیں پہنچانا جاتا (بلکہ لوگوں کو حق کے ذریعہ سے پہنچانا جاتا ہے) حق کو پہچانو۔ اہل حق کا خود بخود پتہ چل جائے گا۔ (مجمع البیان) فھل من مدکر ۔ (ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟)

آیات القرآن

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب (ہر قسم کا) فیصلہ ہوجائے گا تو اس وقت شیطان کہے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور مجھے تم پر کوئی تسلط (زور) تو تھا نہیں سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (کفر اور گناہ کی) دعوت دی اور تم

نے میری دعوت قبول کر لی پس تم مجھے ملامت نہ کرو (بلکہ) خود اپنے آپ کو ملامت کرو (آج) نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں۔ اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو اس سے پہلے (دنیا میں) جو تم نے مجھے (خدا کا) شریک بنایا تھا میں اس سے بیزار ہوں بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے (۲۲) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ ان بہشتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہونگی اور اپنے پروردگار کے حکم سے ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں ان کی باہمی دعا (بوقت ملاقات) سلام ہوگا۔ (سلام علیکم تم پر سلامتی ہو) (۲۳) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح اچھی مثال بیان کی ہے کہ کلمہ طیبہ (پاک کلمہ) شجرہ طیبہ (پاکیزہ) درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اسکی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے (۲۴) جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں پیش کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (اور سمجھیں) (۲۵) اور کلمہ خبیثہ (ناپاک کلمہ) کی مثال شجرہ خبیثہ (ناپاک درخت) کی سی ہے جسے زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کے لیے ثبات و قرار نہ ہو (۲۶) اللہ ایمان والوں کو قول ثابت پر ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور ظالموں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے (۲۷)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ **بمصر خکم**۔ صرخ کے معنی فریاد رسی کرنے کے ہیں۔ ۲۔ **اجتثست**۔ جث اور اجتث کے معنی ہیں کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑنا۔ ۳۔ قرار اسکے معنی ہیں قرار و سکون کا مقام۔

تفسیر الآیات

۲۲۔ وقال الشیطان۔ الآیۃ۔

شیطان اور اس کے پیروکاروں کا باہمی مکالمہ

جب جہنم کے اکابر و اصاغر یا بالفاظِ مناسب کمزور عوام اور مستکبرین کا یا پیروں اور پیروکاروں کا قضیہ

ختم ہوجائے گا۔ (جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے) اور ان کی لعنت ملامت ختم ہوجائے گی اور جنتیوں اور جہنمیوں کا فیصلہ ہوگا تو اب سارے جہنمی شیطان کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسکی لعنت ملامت شروع کرینگے اور وہ ان کے جواب میں تین باتیں کہے گا۔

ا۔ خدا نے تم لوگوں سے بعث ونشور اور جزا وسزا کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اس نے پورا کردکھایا اور میں نے تمہیں گناہوں کی رغبت دلاتے ہوئے جو سبز باغ دکھائے تھے وہ سب غلط تھے چنانچہ میں نے کوئی وعدہ بھی پورا نہیں کیا۔ ۲۔ میں تم پر اس طرح مسلط نہیں تھا کہ تمہیں گناہ پر مجبور کرتا بلکہ میں نے تو مختلف طریقوں سے دجل سے فریب سے وسوسہ سے اور تزویر وترغیب سے تمہیں گناہ وعصیان کی دعوت دی تھی مجبور تو نہیں کیا تھا میری دعوت پر لبیک تو تم نے اپنے اختیار سے کہی تھی۔ اس لیے میری لعنت ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کی لعنت ملامت کرو۔

۳۔ میں تمہاری کوئی فریادرسی نہیں کرسکتا اور نہ ہی تم میری فریاد رسی کرسکتے ہو تمہیں اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اور مجھے اپنی سرکشی اور گمراہ کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی اور ہاں تم نے جو خدا کے مقابلہ میں میری اطاعت کرکے مجھے خدا کا شریک بنایا تھا۔ میں اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی دنیا میں غیر خدا سے امید قائم کرنا اور اس کے جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کرنا بھی شرک ہے اللہ اللہ وہ وقت شیطان کے پیروکاروں کے لیے جو زندگی بھر اپنے خالق ومالک کا حکم ٹھکرا کر اس مردود کا حکم مانتے رہے اور اس کے سبز باغوں پر کہ نہ کوئی سزا ہے اور نہ جزا بھروسہ کرتے رہے کس قدر حسرت وندامت اور شرمندگی کا وقت ہوگا جب وہ اس مشکل وقت میں یوں ٹکا سا جواب دے کر ان سے اپنی برأت کا اعلان کردے گا اور کس قدر روح فرسا ہوگی وہ ساعت ان لوگوں کے لیے جنہوں نے شفیع المذنبین کا دامن شیطان کے بھروسہ پر چھوڑا تھا اور اب وہ قیامت کی گھڑی میں یہ روکھا پھیکا جواب دے کر نہ صرف ان کو مایوس کردے گا بلکہ ان کو اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے کا حکم دے کر عرق انفعال میں غرق کردے گا اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو اس دنیا میں شیطان کا رویہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ بالکل یہی ہے۔ جو قیامت کو ہوگا وہ آج مختلف حیلوں بہانوں اور تحریکوں وترغیبوں سے گنہگاروں کو مختلف گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور جب وہ اس کے دام ہمرنگ زمین میں پھنس کر گناہ کر بیٹھتے ہیں اور اس کی پاداش میں جب اس کی سزا بھگتنے کا وقت آتا ہے یعنی ہاتھ کٹوانے کا سنگسار ہونے کا اور تختہ دار پر لٹکنے کا تو شیطان ان سے اپنی آنکھیں پھیر لیتا ہے اور ان کی سزا پر بغلیں بجا کر ان کے زخموں پر نمک پاشی کرتا ہے خدائے مہربان یہ واقعات اس لیے بیان کرتا ہے کہ شاید کوئی خوش قسمت شیطان کے دام تزویر سے نکل کر توحید کے دامن رحمت اور اسلام وقرآن کی آغوش عافیت میں آجائے۔ آہ۔

ما اکثر العبر و اقل الاعتبار۔؟

۲۲۔ وادخل الذین۔ آمنوا۔ الآیة۔

یہ آیت شریفہ تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ سورہ یونس ۹،۱۰ میں گذر چکی ہے۔ ان الذین آمنوا اوعملوا الصلحت یھدیھم ربھم بایمانھم تجری من تحتھم الانھار فی جنت النعیم۹۔ دعویھم فیھا سبحانك اللھم و تحیتھم فیھا سلام۔ الآیہ۔ اسی مقام پر اس کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے الغرض عباد الشیطان کے برے انجام کا تذکرہ کرنے کے بعد خدا نے عباد الرحمن کے اچھے انجام کا ذکر خیر فرمایا ہے۔

۲۴۔ الم تر کیف ضرب الله۔ الآیة۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے بندہ مومن اور اس کے عقائد حقہ اور اس کے اعمال صالحہ کو ایک ایسے شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے جس کی جڑیں زمین کی تہوں میں راسخ ہیں اور اسکی شاخیں فضائے بسیط میں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور یہ درخت ہر وقت پھلا پھولا ہوا ہے اور پھل دے رہا ہے۔ بنابریں کلمہ طیبہ سے مراد ایمان، کلمہ توحید بھی ہوسکتا ہے عقیدہ اسلامیہ بھی ہوسکتا ہے اور ہر وہ کلمہ خیر بھی جس سے بندگان خدا کو کسی قسم کا فائدہ پہنچے جس کا فرد کامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جو عقل وفطرت میں راسخ ہے اور شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہیں۔ (مجمع البیان وتفسیر الکاشف) اور ایک بندہ کا فر ومشرک اور اس کے کفریہ وشرکیہ عقائد اور اعمال فاسدہ کو جو کہ کلمہ خبیثہ ہیں اس شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جڑ زمین میں زیادہ نہیں ہوتی جب کوئی چاہے سطح زمین کے اوپر سے اسے اکھاڑ لے بنابریں کلمہ خبیثہ سے کفر وشرک اور باطل عقائد، غلط اعمال مراد ہیں اور وہ کلمہ مراد ہے جس سے بندگان خدا کو ضرر وزیاں پہنچے نہ عقل وفطرت میں اسکی کوئی بنیاد ہی راسخ ہے اور نہ عند اللہ اس کی کوئی شاخ بلند ہے اور نہ اسکا کوئی پھل مفید اور کارآمد ہوتا ہے اور یہی کیفیت ایک کافر ومشرک اور مردم آزار اور بے فیض شخص کی ہوتی ہے جو کہ شجرہ خبیثہ ہے۔

مخفی نہ رہے کہ فریقین کی تفاسیر میں شجرہ طیبہ سے کھجور اور شجرہ خبیثہ سے تمہ مراد لیا گیا ہے بعض اخبار وآثار میں اس شجرہ طیبہ کی تاویل سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام سے کی گئی ہے چنانچہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اس آیت میں شجرہ طیبہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کی بنیاد (جڑ) حضرت رسول اللہؐ ہیں اس کی فرع (شاخ) حضرت امیر علیہ السلام، اس کی ٹہنیاں دوسرے ائمہ اہلبیت ان کا علم وفضل اس کا پھل اور مخلص محبان اہلبیت اس کے پتے ہیں فرمایا جب کوئی محب پیدا ہوتا ہے تو اس درخت پر ایک پتہ کا اضافہ ہوجاتا

ہے اور جب کسی مومن کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔ (کافی وصافی)۔

اور شجرہ خبیثہ کی تاویل بنی امیہ سے کی گئی ہے (مجمع البیان عن الباقر علیہ السلام)۔ خدائے حکیم اس قسم کی مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ معقولات کو محسوسات کے ذریعہ سے اور محسوسات کو مشاہدات کے ذریعہ سے واضح واجاگر کر دے اور لوگوں کو ذہن نشین کرائے۔

۲۵۔ یثبت اللہ۔ الآیۃ۔

جو حقیقی مومن ہیں یعنی صرف گفتار کے غازی نہیں بلکہ عقیدہ و کردار کے غازی ہیں جب کہ ارشاد وقدرت ہے۔ **انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابو وجاھدو اباموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئك ھم الصادقون۔** (الحجرات۔ ۱۵) اللہ ان کو قول ثابت یعنی پائیدار ایمان کی برکت سے دنیا وآخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے شیاطین جنی وانسی ہزار زور لگائیں وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے پائے ایمان میں لغزش آتی ہے اور وہ مرتے وقت عدیلہ سے بھی محفوظ رہتے ہیں اور آخرت میں یعنی نکیرین کے سوال وجواب کے وقت وہ صحیح جواب دیتے ہیں جس سے متاثر ہو کر نکیرین ان سے کہتے ہیں۔ **ثبتك اللہ کما تحب وترضی۔** اللہ تجھے اسی طرح ثابت قدم رکھے جس طرح تو چاہتا ہے (مجمع البیان) پھر وہیں جزا وسزا کا فی الجملہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور قبر ایک بندہ مومن کے لیے آرام گاہ اور بے ایمان کے لیے اذیت گاہ بن جاتی ہے عالم برزخ کی مکمل سرگذشت معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کا مطالعہ کریں۔

۲۴۔ ویضل اللہ۔ الآیۃ۔

ظلم سے مراد عام ظلم ہے خواہ کفر وشرک اور معصیت کر کے اپنی ذات پر کیا جائے یا دوسروں پر ظلم وزیادتی کی جائے خدا ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے دنیا وآخرت میں ثابت قدم نہیں رکھتا وہ جس طرح دنیا میں گمراہ ہوتے ہیں اسی طرح قبر میں نکیرین کے سوالات کے صحیح جوابات بھول جاتے ہیں اس لیے غلط جواب دیتے ہیں اور اس طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اللہ جو چاہتا کرتا ہے وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی اس لیے اسے اپنی قضاومشیت کے نافذ کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

آیات القرآن

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

ترجمة الآیات

کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمت کو کفران نعمت سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں یعنی دوزخ میں جا اتارا۔ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے (۲۹) اور انہوں نے اللہ کے لیے کچھ ہمسر (شریک) بنا لیے میں تا کہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے بھٹکائیں (اے رسول) آپ کہہ دیجئے! کہ (چندے) عیش کر لو آخر یقیناً تمہاری بازگشت آتش دوزخ کی طرف ہے۔ (۳۰) آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جو ایمان لائے ہیں کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ میں نے

انہیں دیا ہے اس سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کریں اس سے پہلے کہ وہ آئے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ مخلصانہ دوستی ہوگی۔(۳۱) اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہاری روزی کے لیے پھل پیدا کئے۔ اور تمہارے لیے سورج و چاند کو (بھی) مسخر کر دیا جو برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا (۳۳) اور جس نے تمہیں ہر چیز میں سے دیا جو تم نے مانگا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے بے شک انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔(۳۴)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ دارلبوار۔ کے معنی ہیں ہلاکت کا گھر۔ ۲۔ انداداً۔ یہ ند کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مثل اور نظیر۔ ۳۔ خلال۔ یہ خلہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دوستی اور بھائی بندی۔ ۴۔ لا تحصوھا۔ احصاء۔ کے معنی احاطہ کرنے اور شمار کرنے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۷۔ الم تر الی الذین۔ الآیۃ۔

تفسیر طبری اور تفسیر درمنثور کی روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے مراد جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کو کفران نعمت سے تبدیل کیا قوم قریش کے دو قبیلے ہیں بنی مغیرہ اور بنی امیہ۔ بنی مغیرہ کا تو خدا نے بدر کے دن استیصال کر دیا البتہ بنی امیہ کو کچھ وقت تک مہلت دی گئی مگر بعض احادیث اہلبیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس سے تمام قوم قریش بالخصوص اس کے لیڈر مراد ہیں جنہیں خدا نے دوسرے قبائل پر فضیلت دی ان پر اپنی نعمت تمام کی اور پیغمبر اسلام کو ان میں مبعوث کیا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس نعمت عظمٰی کی قدر کرتے مگر انہوں نے آپ کا اور آپ کی وحی برحق کا انکار کر کے اور آپ کے خلاف جنگ کر کے الغرض کفران نعمت کر کے نہ یہ کہ آپ تباہ ہوئے بلکہ اپنی قوم کو بھی واصل جہنم کیا۔ (کافی مجمع البیان اور صافی) بعض آثار میں وارد ہے فرمایا وہ اللہ کی نعمت ہم اہلبیت ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنے بندوں پر احسان کیا ہے اور جو کامیاب ہوگا وہ ہمارے ذریعہ سے ہی کامیاب ہوگا۔ (تفسیر قمی وعیاشی)۔

۲۸۔ وجعلوا للہ انداداً۔ الآیۃ۔

انداد، ند کی جمع ہے اور ''ند'' کے معنی، ہمسر اور مد مقابل کے ہیں چونکہ کفار و مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ کا ہمسر قرار دے رکھا تھا وہ ان سے اسی طرح محبت کرتے تھے جس طرح خدا سے کی جاتی ہے اور ان کی اسی طرح پرستش کرتے تھے جس طرح خدا کی جاتی ہے اپنے زعم میں ان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ ہدایت حاصل کریں مگر ان کی اس غلط روش و رفتار کا نتیجہ یہ نکلا اور انجام یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکا یا۔ بنابریں لیضلوا میں جو لام ہے وہ عاقبت اور انجام کی لام ہے جیسے۔

للموت و ابنوا للخراب۔ میں لام عاقبت ہے۔تمتعو اقلیلاً۔ اب اس چند روزہ حیات مستعار میں عیش و عشرت کرلو۔ آخر انجام کار تمہارا انجام آتش دوزخ ہے۔

۲۹۔ قل لعبادی۔ الآیۃ۔

اہل ایمان کو قیامت سے پہلے آداب و شرائط کے ساتھ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ دنیا کی چند روزہ حیات مستعار کو غنیمت سمجھیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں۔ اور صدقات و خیرات دے کر آتش دوزخ کو بجھانے کا اہتمام کریں قبل اس کے کہ زندگی کا چراغ گل ہو جائے اور وہ نماز پڑھنے زکوۃ دینے اور دوسری بدنی و مالی عبادات کرنے کے قابل نہ رہیں قیامت کے دن تو نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا کہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن سکے اور نہ ہی وہاں کوئی دنیاوی دوستی اور رشتہ داری کام آئے گی اگر کام آئے گی تو یہی نماز اور یہی انفاق فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال صالحہ۔

۳۰۔ اللہ الذی۔ الآیۃ۔

ان تین آیتوں میں خدائے منان نے جو احسانات گنوائے ہیں قبل ازیں متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ مع تفسیر کیا جا چکا ہے مثلاً آسمان و زمین کو پیدا کرنے کا تذکرہ سورہ انعام آیت ۷۳ وھو الذی خلق السمٰوات والارض بالحق۔ میں آسمان سے پانی برسانے کا تذکرہ سورہ البقرہ آیت ۲۲ اور سورہ رعد آیت ۸۔ انزل من السماء ماء فا خرج بہ من الثمرات زقاً لکم۔ میں اور کشتی کے چلنے کا سورہ بقرہ آیت ۱۶۴ ھو الذی جعل لکم اللیل لتسکنو افیہ والنہار مبصراً۔ میں کیا جا چکا ہے اسی طرح سورہ رعد کی آیات ۲، ۳ اور ۴ میں سورہ انعام کی آیات ۱۴۲، ۱۴۳ اور ۱۴۴۔ میں بہت سے احسانات و انعامات گنوائے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر نعمت پر شکر منعم واجب ہوتا ہے اور یہ تو وہ محسن اعظم اور منعم اکبر ہے

جس کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کرسکتا جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے۔

۳۱۔ وان تعدوا نعمة الله۔ الآیة۔

کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے کیونکہ **مابکم من نعمة فمن الله**۔ تمہارے پاس جو بھی کوئی دینی یا دنیوی نعمت ہے ہر نعمت کا عطا کرنے والا خدا ہے اللہ ہر وہ چیز بھی عطا کرتا ہے جو اس سے مانگی جائے اور بے مانگے بھی عطا فرماتا ہے۔ عالم آفاق اور عالم انفس میں اور عالم اصغر اور عالم اکبر میں اس محسن اعظم کی اس قدر نعمتیں موجود ہیں کہ اگر تمام جن وانس متحدہ طور پر شمار کرنا چاہیں تو شمار کرتے کرتے ان کی زندگیوں کے چراغ بجھ جائینگے مگر وہ ان نعمتوں کو شمار نہیں کرسکیں گے بھلا جس محسن اعظم کے احسانات کی کثرت کا یہ عالم ہو کہ ایک ایک سانس میں دو دو نعمتیں ہوں۔ جب اندر جائے تو نئی زندگی کا پیغام لائے اور جب باہر آئے تو تفریح طبع کا باعث بن جائے تو دوسری نعمتوں کو شمار کون کرسکتا ہے اور ان کا شکریہ کون ادا کرسکتا ہے؟۔

مخفی نہ رہے کہ خدائے منان نے قرآن میں جہاں بھی اپنی بعض نعمتیں بیان فرمائی ہیں وہاں اکثر مقامات پر ''**لکم** '' (تمہارے) لیے کی تکرار فرمائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تخلیق کائنات سے مقصود بالذات انسان کی خلقت ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے **خلق لکم مافی الارض جمعیاً**۔ باقی سب کچھ اسی کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اسی حقیقت کو شیخ سعدی نے یوں نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

ابروباد ومہ وخورشید وفلک درکارند آند
کہ تاتو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ وفرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

نیز یہ بھی واضح رہے کہ ان چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے ان ان چیزوں کو ایسے فطری قوانین کا پابند کردیا ہے کہ انسان ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتو انسان نہ بحری سفر کرسکتا اور نہ دریا سے نہریں نکال سکتا اور نہ ہی زندگی گذار سکتا۔

۳۲۔ ان الانسان۔ الآیة۔

جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان شکر بھی بے شمار کرتا ہے جب کوئی نعمت ملتی تو شکر کرتا اور اگر کبھی کوئی مصیبت آتی تو صبر کرتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ۔

ہرچہ ازدست دوست برسد خوبست

مگر انسان طبعاً بڑا زیادتی کرنے والا بے انصاف اور ناشکر واقع ہوا ہے نعمت کی یلغار ہو تو سرکش بن جاتا ہے اور خدا کو بھی بھول جاتا ہے اور مصیبت کی یورش ہو تو مایوس ہو جاتا ہے۔

آیات القرآن

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے (بارگاہ ایزدی میں) دعا کی تھی اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔ (۳۵) اے میرے پروردگار (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا

ہے سو جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے یقیناً تو بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔(۳۶) اے ہمارے پرودگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس بے زراعت میدان میں آباد کیا ہے اے ہمارے مالک تا کہ (وہ یہاں) نماز قائم کریں اب تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں (۳۷) اے ہمارے پروردگار! بے شک جو کچھ ہم چھپاتے ہیں تو اسے بھی جانتا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں اسے بھی اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے(۳۸) ساری ستائش اللہ کے لیے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیلؑ و اسحاقؑ (دو بیٹے) عطا فرمائے بے شک میرا پرودگار دعا کا بڑا سننے والا ہے(۳۹) اے میرے پروردگار! مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پروردگار اور میری دعا کو قبول فرما(۴۰) اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا (لیا جائے گا)(۴۱)۔

تشریح الالفاظ

۱۔تھوی الیھم۔ھوی الیه ۔ کے معنی ہیں مائل ہونا۔۲۔آمنا۔ کے معنی ہیں جائے امن۔ ۳۔ واجنبی جنب یجنب جنباً کے معنی ہیں دور رکھنا۔ ھٹانا اور بچانا۔ ۴۔الکبر کے معنی کبرسنی اور بڑھاپے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۳۳۔واذقال ابراھیم۔ الآیة۔

ابراہیم خلیل اللہ کی اس دعا کا کچھ حصہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۶ میں گذر چکا ہے۔ اور وہیں اس کی تفسیر بھی بیان کی جا چکی ہے۔ لہٰذا مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ جناب خلیل کی دعا کا اثر ہے کہ اولاد اسماعیلؑ میں کوئی بت پرست نہیں ہوا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ فانتھت الدعوہ الی والی اخی علی فلم یسجد منالصنم قط۔ کہ خلیل خدا کی یہ دعا مجھ تک اور میرے بھائی علیؑ تک پہنچی ہے لہٰذا ہم میں سے کسی

نے بھی کبھی کسی بت کی پرستش نہیں کی ہے۔

۳۴۔ رب انهن۔ الآية۔

بتوں کی طرف اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت مجازی ہے یعنی ان کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ مال و دولت نے فلاں شخص کو سرکش بنا دیا ہے یعنی وہ مال و زر کی وجہ سے سرکش بن گیا ہے۔

۳۵۔ فمن تبعنى۔ الآية۔

جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے فرمایا: من اتقى الله منكم واصلح فهو منا اهل البيت۔ جو شخص تم میں سے پرہیز گار اور نیکوکار رہے وہ ہم اہل بیت میں سے ہے۔ راوی نے ازراہ تعجب عرض کیا کہ وہ آپ اہلبیت میں سے ہے؟ فرمایا: ہاں پھر ثبوت میں یہی آیت پیش فرمائی (تفسیر عیاشی) اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: من احبنا فهو منا اهل بيت۔ جو شخص ہمارا (حقیقی) محب سے وہ ہم اہل البیت سے ہے (تفسیر صافی) واضح رہے کہ اہل بیت کی تین قسمیں ہیں۔ نسبی۔ (شریک فی النسب) سکنی (شریک فی السکونت) اشرفی (شریک فی الشرف) یہ ارشادات اہل بیت شرفی کے بارے میں ہیں اور اسی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے جناب سلمان محمدی کے بارے میں فرمایا تھا۔ سلمان منا اھل البیت اور جو میرا نافرمان ہے تو تو غفور و رحیم ہے چاہے تو اسے بخش دے اور اس پر رحم کردے یعنی وہ مجھ سے نہیں ہے اور میں اس سے بیزار ہوں ہاں البتہ اگر تو اسے سزا دے تو یہ تیرا عدل ہے اور اگر بخش دے تو یہ تیرا فضل ہے۔

۳۶۔ ربنا انى اسكنت۔ الآية۔

اس دعا کا تذکرہ تفسیر کی پہلی جلد ص ۲۰۲، ۲۰۳۔ پر آیت ۲۶۔ کی تفسیر کے ضمن میں کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے ہاں البتہ یہاں ایک بات کی تھوڑی سی وضاحت فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ جناب خلیل نے دعا میں یہ عرض کیا تھا کہ فاجعل افئدة من الناس۔ کہ کچھ لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی طرف مائل فرما حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انه لم يعن الناس كلهم۔ کے جناب خلیل نے یہ نہیں کہا تھا کہ سب لوگوں کے دلوں کو میری ذریت کی طرف مائل فرما بلکہ کہا تھا افئدۃ من الناس یعنی کچھ لوگوں کے دلوں کو مائل کر (تفسیر عیاشی) یہی وجہ ہے کہ تھوڑے لوگوں کے دل اس خانوادہ عصمت وطہارت کی طرف مائل

ہوتے ہیں وقلیل من عبادی الشکور فرمایا تمام لوگوں کے بالمقابل تمہاری تعداد اتنی ہے جیسے سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال (ایضاً) امام علیہ السلام فرماتے ہیں فنحن واللہ دعوۃ ابراھیم ۔ خدا کی قسم ہم ہی جناب ابراہیمؑ کی دعا کا مدعا ہیں (الکافی)

۳۷۔ وما یخفی ۔ الآیۃ ۔

یہ خالق کون و مکان اور مالک دو جہاں کی شان ہے کہ کائنات ارضی و سماوی کا کوئی ذرہ بھی اور کسی وقت بھی اس کے کلی و احاطی علم سے مخفی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اس ذاتی علم سے سب کچھ جانتا ہے جس کی نسبت ہر معلوم کی طرف مساوی ہے اور اس علمی صفت میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے ۔ اس لیے جناب خلیلؑ نے کہا اے اللہ! تو ہمارے ظاہر و باطن کو اور ہماری ضرورتوں کو جانتا ہے ۔ اور تو بے مانگے بھی عطا کر دیتا ہے ۔ مگر ہم محض اپنی بندگی اور احتیاج کے اظہار کے لیے سوال کر رہے ہیں وبس ۔

۳۸۔ الحمد للہ الذی ۔ الآیۃ ۔

قرآن و سنت کے دوسرے بیسیوں دلائل و شواہد کے علاوہ جناب خلیلؑ کے یہ شکریہ کے الفاظ بھی اس بات کی قاطع دلیل ہیں کہ اولاد عطا کرنا جو امور تکوینیہ میں سے ایک امر ہے خداوند عالم سے متعلق ہے اور اس نے یہ کام کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کیا بیٹا دے یا بیٹی جوانی میں دے یا بڑھاپے میں یہ اسکی مرضی و مشیت پر منحصر ہے وہ طبعیت و نیچر کے کسی قانون کا پابند نہیں ہے کہا جاتا ہے کہ جب جناب اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو جناب خلیلؑ کی نناوے سال عمر تھی اور جب جناب اسحاق متولد ہوئے تو آپ کی عمر ایک سو بارہ سال تھی ۔ (تفسیر صافی) اس موضوع پر کسی اور مناسب مقام پر مفصل گفتگو کی جا چکی ہے ۔

۳۹۔ رب اجعلنی ۔ الآیۃ ۔

جناب خلیلؑ کا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بارگاہ خداوندی سے یہ دعا کرنا کہ ہمیں نماز کا قائم کرنے والا بنا نماز کی عظمت اور اس کی اہمیت کی وہ قطعی دلیل ہے کہ جس کا کوئی صحیح الدماغ اور صحیح العقیدہ مسلمان انکار نہیں کر سکتا ۔ واضح رہے کہ اس نماز سے وہ عمومی بے اثر نماز مراد نہیں ہے جو عوام بلکہ اکثر خواص پڑھتے ہیں بلکہ وہ خاص نماز مراد ہے جو تمام برے کاموں سے روکے ۔ فان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ۔

۴۰۔ ربنا اغفرلی ۔ الآیۃ ۔

جناب خلیل خدا کا اپنے اور اہل ایمان کے علاوہ اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کا مانگنا

ان کے والدین کے مومن اور موحد ہونے کی نا قابل رد دلیل ہے اور یہ کہ آ ذر آپ کا چچا تھا حقیقی باپ نہیں تھا۔اس مقام پر فاضل پانی پتی کی وہ تحقیق جو انہوں نے اپنی تفسیر مظہری میں پیش کی ہے وہ قابل دید وداد ہے اور اس بات کی قبل ازیں کسی مناسب مقام پر وضاحت بھی کی جا چکی ہے۔

آیات القرآن

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُۙ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌؕ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍۙ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍؕ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِۚ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُۙ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) جو کچھ (یہ) ظالم لوگ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے غافل نہ سمجھو۔ وہ تو انہیں اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں (شدت خوف وحیرت سے) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی۔ (۴۲) وہ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اوپر اٹھاتے ہوئے اس عالم میں کہ ان کی نگاہ خود ان کی طرف نہیں پلٹے گی اور ان کے دل (خوف ودہشت کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہوں گے (۴۳) (اے رسول) لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دیدے ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور (تیرے) رسولوں کی پیروی کرینگے (انہیں جواب دیا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں کبھی زوال نہ ہوگا (۴۴) حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے۔ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اور ہم نے (تمہیں سمجھانے کے لیے) مثالیں بھی بیان کردی تھیں (۴۵) اور انہوں نے اپنی ساری تدبیریں کیں (اور چالیں چلیں) اور اللہ کے پاس ان کی ہر تدبیر اور چال (کا جواب) ہے اگرچہ ان کی تدبیریں وترکیبیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں (۴۶) خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف کرے گا بے شک اللہ (سب پر) غالب ہے (اور) انتقام لینے والا ہے (۴۷) (اور یہ اس دن ہوگا) جس دن یہ زمین دوسری قسم کی زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی (بدل جائینگے) اور سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوجائینگے جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے (۴۷) اور تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے (۴۹) ان کے کرتے تارکول کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی (۴۹) یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۵۱) یہ سب انسانوں کے لیے ایک پیغام ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعہ سے ڈرایا جائے

اور یہ کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ الٰہ بس ایک ہی ہے نیز یہ کہ عقل والے لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔(۵۲)۔

تشریح الالفاظ

ا۔**تشخص فیه الابصار**۔جس میں آنکھیں کھلی رہ جائینگی کہا جاتا ہے "شخص بصرہ" اس نے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ ۲۔**مھطعین ھطع ھطعا ھطوعاً** کے معنی ہیں ڈر کی وجہ سے آگے آگے جلدی چلنا۔ ۳۔مقنعی رؤسہم۔کہا جاتا ہے واقع رائسہ اس نے اپنے سر کو بلند کیا۔ ۴۔مقرنین فی الاصفاد۔وہ زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ۵۔سر ابیلھم یہ سربال کی جمع ہے جس کے معنی قمیص کے ہیں۔ ۶۔قطران۔کے معنی ہیں تارکول۔

تفسیر الآیات

۴۱۔فلا تحسبن الله۔الآیة۔

حسب ظاہر تو یہ خطاب پیغمبر اسلامؐ سے ہے اور درحقیقت کفار مکہ اور دوسرے تمام مشرکین کو یہ دھمکی دی جا رہی ہے اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات سنا کر انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے۔کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ کفر و شرک سے توبہ و انابہ کر کے اصلاح احوال کر لیں۔ورنہ آخرت کے ہیبت ناک عذاب و عقاب کے لیے تیار ہو جائیں نیز آنحضرتؐ اور ہر مظلوم کو تسلی بھی دی جا رہی ہے کہ ایسا نہیں کہ ہمیں مخالفین کی ظالمانہ کاروائیوں کی خبر نہیں ہے یا ہمیں ان کی کارستانیوں کا علم نہیں ہے۔یقینا ہے۔لہٰذا مظلوموں کی دادرسی ضرور کی جائے گی اور ظالموں سے انتقام ضرور لیا جائے گا ہاں البتہ وہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت گرفت میں جلدی نہیں کر رہا بلکہ ان کو اس دن کے لیے ڈھیل دی جا رہی ہے جس کی ہولنا کیوں کی وجہ سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائینگی اور پلک بھی نہیں جھپک سکیں گے اور حیران و پریشان سر اٹھائے دیوانہ وار دوڑ رہے ہوں گے اور ان کے دل خوف و دہشت کی وجہ سے ہر خیال سے خالی ہوں گے اور اڑے جا رہے ہوں گے۔

۴۲۔وانذر الناس۔الآیة۔

خدائے مہربان نے لوگوں کو ہدایت کے لیے انبیاء کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا مگر منکروں نے انکار کیا

انہوں نے حیات بعد الموت کی خبر دی اور جزاوسزا سے آگاہ کیا مگر، کافروں نے مذاق اڑایا ان ھذا الا اساطیر الاولین۔اب جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے،غفلت کے پردے چاک ہوجائینگے اور حقائق نکھر کر سامنے آجائینگے تو کہیں گے ہمیں کچھ مدت کے لیے مہلت دے یعنی دوبارہ دنیا میں بھیج تا کہ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں یہ مطالبہ ایسے ہی ہے جیسے ایک اور مقام پر وارد ہے رب ارجعون لعلّی اعمل صالحاً۔کہ مجرم کہے گا کہ اے پروردگار ایک بار مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دے تا کہ میں جا کر نیک عمل بجالاؤں۔مگر اس وقت یہ درخواست منظور نہیں ہوگی۔

۴۳۔اولم تکونوا۔الآیۃ۔

ان کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جائے گا کہ کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہماری شان وشوکت کو کبھی زوال نہ ہوگا۔اور ہم یونہی عیش وعشرت کرتے رہیں گے اور حیات بعد الموت اور حشر ونشر سب ایک افسانہ ہے یہ سورہ نحل کی آیت ۳۸ کی طرف اشارہ ہے جس میں وارد ہے کہ''اقسمو باللہ جھد ایمانھم لا یبعث اللہ من یموت۔'' حالانکہ تم ان لوگوں کے مسکنوں میں رہتے تھے جنہوں نے کفر وشرک کرکے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور یہ بھی تمہیں معلوم تھا کہ اس کی پاداش میں ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا مگر تم نے اس سے بھی کوئی نصیحت اور عبرت حاصل نہ کی؟

۴۴۔وقد مکروا۔الآیۃ۔

جناب لوط سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء تک خدا نے جب بھی نبی ورسول بھیجے تو ہر دور میں کفار ومشرکین نے حق کو مٹانے اور انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے کے لیے تدبیریں کیں اور چالیں چلیں جن کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اللہ سے وہ چالیں پوشیدہ نہ تھیں اس لیے اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ساری تدبیریں اور سب چالیں بے کار کردیں اور جہاں دین اور اس کے احکام،اور انبیاء کے نام وکام کو دوام بخشا وہاں ان منکرین حق کا نام بھی حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

۴۵۔فلا تحسبن اللہ۔الآیۃ۔

اس پیرایہ میں بظاہر تو پیغمبر اسلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ خدا اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے اپنے

رسولوں سے کر رکھا ہے" کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز (المجادلہ۔۲۱)۔اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہینگے بے شک خدا بڑا طاقتور (اور) غالب ہے آپ کو فتح و فیروزی عطا فرمائے گا اور کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور دراصل کفار ومشرکین کو دھمکی دی جارہی ہے کہ تم خیال نہ کرو کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف کرے گا ہرگز نہیں بلکہ جس طرح اس نے پہلے اپنے رسولوں کی نصرت کی اوران کے مخالفین کو ذلیل ورسوا کیا وہ صادق الوعد خدا اب بھی اپنے پیغمبر خاتمؐ کو فتح مبین عطا فرمائے گا اور آپؐ کے مخالفین کو دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا بھی کرے گا اور تباہ وبرباد بھی کرے گا۔

۴۶۔یوم تبدل الارض۔الآیۃ۔

قیامت کے دن زمین وآسمان تبدیل کردے جائینگے احادیث واقوال میں اس کی کیفیت دوطرح بیان کی ہے ا۔ایک قول یہ ہے کہ زمین یہی ہوگی مگر اس کی سطح اس طرح برابر کردی جائے گی کہ اس میں نہ کوئی اونچ ہوگی نہ نیچ۔نہ کوئی ٹیلہ نہ کوئی پہاڑ اور نہ کوئی گہرائی اور نہ کوئی غار، بالکل چٹیل میدان کی طرح ہوجائے گی اور آسمان کے شمس وقمر بے نور ہوجائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑینگے اس قول کی بنا پر موجودہ زمین وآسمان بالکل نیست ونابود نہیں ہونگے بلکہ ان کا موجودہ طبعی نظام اور اسکی شکل وھیت درہم وبرہم کردی جائے گی اور صفات بدل جائینگی۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ زمین وآسمان کی صرف صفات تبدیل نہیں ہونگی بلکہ ان کی ذات بھی تبدیل کردی جائے گی زمین پانی میں دھنس جائے گی اور اس کی جگہ ایک ایسی صاف وبراق زمین لائی جائیگی جس کی رنگت سفید ہوگی اور اس موجودہ زمین کی کوئی علامت از قسم مکان اور درخت وپہاڑ وغیرہ کوئی چیز نہیں ہوگی۔ لاتریٰ فیھا عوجاً ولاامتاً۔اور وہ ایسی زمین ہوگی جس پر کبھی خدا کی کوئی نافرمانی نہیں ہوئی ہوگی۔اس زمین پر لوگوں کا حساب وکتاب ہوگا۔اسی طرح آسمان کا شامیانہ بھی لپیٹ دیا جائے گا اور اسکی جگہ دوسرے آسمان کا شامیانہ لگایا جائے گا الغرض جس زمین وآسمان سے ہم واقف ہیں ان کی بجائے قیامت کے دن زمین وآسمان دوسرے ہونگے اوران زمین را آسمانے دیگر است۔کا منظر سامنے ہوگا اس وقت تمام لوگ اپنے اصلی اجسام وارواح کے ساتھ خدائے یگانہ وغالب کی بارگاہ میں محشور ہونگے اور حساب وکتاب کے بعد جزاوسزا کا فیصلہ کیا جائے گا یعنی یہ معاد صرف روحانی نہیں ہوگی بلکہ جسمانی وروحانی ہوگی اس موضوع کی دوسری تفصیلات اور زمین وآسمان میں ذاتی یا صفاتی تبدیلی کی تحقیق اور میدان محشر کے دوسرے کوائف وحالات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع فرمائیں۔

۴۷۔ وتری المجرمین۔ الآیۃ۔

اس دن کی ہولنا کی اور مجرمین کی اپنے کفر وشرک اور دوسرے جرائم کے مطابق ھیبت نا کی کی تصویر کھینچی گئی ہے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے جن کا لباس تارکول کا ہوگا جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جا تا ہے اور جسے آگ جلدی پکڑتی ہے اور بھڑک اٹھتی ہے اور انکے چہروں پر آگ کے شعلوں کی لپٹ ہوگی یہ میدان محشر کا اہتمام اور لوگوں کو محشور کرنے کا انتظام اس لیے ہوگا کہ ہر شخص کو اس کے اعمال اور عقائد وکردار کا مناسب بدلہ دیا جائے ان خیراً فخیراً وان شراً فشراً۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ ذرہ ذرہ کا حساب وکتاب ہوگا اور پھر عادل حقیقی اس کی مناسب جزاوسزا دے گا اور اللہ چونکہ سریع الحساب ہے اس لیے اسے حساب وکتاب میں کوئی زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔

۴۸۔ ھذا بلاغ۔ الآیۃ۔

ہذا کا اشارہ قرآن اور اس کے تمام محتویات کی طرف ہے کہ یہ قرآن، اس کے احکام، اسکے وعدے اور وعیدیں، اس کے تعلیمات اور مشمولات یہ سب کچھ کیا ہے؟ اللہ کا پیغام ہے اپنے تمام بندوں کے نام جو پہنچا دیا گیا ہے۔ تا کہ اس کے ذریعہ سے انہیں خدا کے عذاب وعقاب سے ڈرا کر حجت تمام کردی جائے تا کہ صاحبان عقل وخرد اسکے حقائق ومعارف میں غور وفکر کریں اور ان پر یہ حقیقت واضح وآشکار کردی جائے تا کہ ان کا اللہ یگانہ ویکتا ہے اور ذات وصفات وغیرہ میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تا کہ ان کو عبرت ونصیحت حاصل ہو اور وہ شرک سے باز آجائیں اور اپنا سر نیاز طاعت اس کی چوکھٹ پر جھکائیں۔

آج بتاریخ ۱۵ جنوری ۲۰۰۲ء بمطابق ۳۰ شوال ۱۴۲۲ھ بوقت پونے چار بجے سورہ ابراہیم کی تفسیر بخیر وخوبی اختیام پذیر ہوئی۔ والحمدللہ رب العالمین۔

سورہ الحجر کا مختصر تعارف

یہ سورہ مکی ہے جس کی ۹۹ آیتیں اور رکوع ۶ ہیں

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورہ مبارکہ میں خصوصیت کے ساتھ اصحاب حجر کا تزکرہ کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام سورہ حجر مقرر ہوا ہے۔

عہد نزول

یہ سورہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے مگر یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس سال میں نازل ہوئی البتہ قرائن سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کو کافی عرصہ گذر چکا ہے اور آپ نا قابل رد دلائل قاطعہ سے اسلام کی صداقت ثابت کر چکے ہیں مگر کفار قریش تعصب اور ہٹ دھرمی کی روش پر قائم ہیں اور ایمان لانے پر آمادہ نہیں آنحضرت دل شکستہ ہوتے ہیں مگر اللہ انہیں تسلی دے رہا ہے اور حوصلہ دے رہا ہے۔ الغرض اس کا زمانہ نزول سورہ ابراہیم کے نزول سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ العالم۔

سورہ کے مضامین کی مختصر فہرست

۱۔ قرآن کی حقانیت کا بیان۔

۲۔ قرآن کی حفاظت کا وعدہ۔

۳۔ فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم اور شیطان کی حکم عدولی۔

۴۔ جناب آدم کا قصہ۔

۵۔ موت کا وقت مقرر ہے۔

۶۔ جہنم کے طبقوں کا تذکرہ۔

۷۔ بہشتیوں کے دلوں سے کینہ وعداوت کا دور کیا جانا۔

۸۔ جناب ابراہیم قوم لِوط قوم شعیب، اور قوم صالح کے قصص وحکایات۔

۹۔ قوم ایکہ پر عذاب کا نازل ہونا۔

۱۰۔اعلانیہ تبلیغ اسلام کا حکم۔

۱۱۔جو لوگ تعصب وہٹ دھرمی کی وجہ سے آنحضرتؐ کی رسالت کا انکار کرتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو آپ سے پہلے ایسا کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔

۱۲۔علاوہ بریں خدا کی توحید، آنحضرت کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں۔

۱۳۔مال کی بے وقعتی۔

۱۴۔اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا۔

اس سورۃ کو پڑھنے کی فضیلت

اس سورہ کے پڑھنے کی فضیلت قبل ازیں سورہ ابراہیمؑ کی تمہید میں بیان کی جا چکی ہے۔فراجع۔

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الٓرٰ‌ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ۝۲ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ‌ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ۝۳ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ۝۴ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ۝۵ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌؕ۝۶ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ۝۸ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ۝۹ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ۝۱۰ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَۙ۝۱۲ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَقَدۡ خَلَتۡ

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

الف، لام، را، یہ کتاب (الٰہی) یعنی روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔(۱) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ بہت تمنا کرینگے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے (۲) (اے رسول ؐ) انہیں چھوڑ دو کہ وہ کھائیں (پئیں) اور عیش و آرام کریں اور (بے شک جھوٹی) امید انہیں غفلت میں رکھے عنقریب انہیں (سب کچھ) معلوم ہوجائے گا (۳) اور ہم نے کبھی کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر یہ کہ اس کے لیے وقت معلوم لکھا ہوا تھا (۴) کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے (۵) اور وہ (کفار) کہتے ہیں اے وہ جس پر ذکر (قرآن) اتارا گیا ہے یقیناً تم دیوانہ ہو (۶) اگر تم سچے ہو تو پھر ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے (۷) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر (صحیح موقع پر فیصلہ) حق کے ساتھ اور پھر لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی (۸) بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۹) اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف جماعتوں میں رسول بھیجے (۱۰) اور ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے مذاق نہ کیا ہو (۱۱) اسی طرح ہم اس (ذکر) کو مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (۱۲) (مگر) وہ اس (ذکر) پر ایمان نہیں لاتے اور جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا طریقہ بھی یہی رہ چکا ہے (۱۳) اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں جس سے وہ دن دہاڑے چڑھنے لگیں (۱۴) تو پھر بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو مدہوش کر دیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے (۱۵)

تشریح الالفاظ

یلھھم الامل الھی یلھی الھاء۔ کے معنی غافل کرنے کے ہیں اور الامل کے معنی امید کے ہیں۔ ۲۔ شیع شیعہ کی جمع ہے جس کے معینی پیروکار اور جماعت کے ہیں اور عرف عام میں حضرت علیؑ کے مخصوص حبداروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ۳۔ سکرت ابصارنا۔ اس کا مادہ سکر ہے جس کے معنی نشہ اور مدہوشی کے ہیں اور ابصار بصر کی جمع ہے جس کے معنی آنکھ کے ہیں۔ ۴۔ قوم مسحوروں۔ کے معنی ہیں جادوزدہ قوم۔

تفسیر الآیات

۱۔ الف،لام،را۔ الآیة

سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں کے اوائل میں اس بات کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ یہ حروف مقطعات ان متشابہات میں سے ہیں۔ جن کی تاویل خدا اور راسخون فی العلم۔ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

۲۔ تلك۔ الآیة۔

سورہ ابراہیم کا اختتام قرآن کے تذکرہ پر ہوا تھا اور سورہ حجر کا آغاز ذکر قرآن سے ہو رہا ہے یہاں الکتاب اور قرآن سے ایک ہی چیز یعنی قرآن مجید ہی مراد ہے بنابریں یہ عطف تفسیری ہے اس قرآن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مجموعی طور پر مبین ہے یعنی متشابہات سے قطع نظر وہ اپنی دعوت اور اس کے دلائل میں واضح ہے اس کی کوئی بات ناقابل فہم نہیں ہے۔ ہر صحیح دماغ اسے سمجھ سکتا ہے اور ہر سلیم دل اسے قبول کرتا ہے اور ہر روح اس سے مطمئن ہو سکتی ہے یہ حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے اور یہ وہ ''النور'' ہے جس کی روشنی انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو منور و درخشندہ کرتی ہے۔

۲۔ ربما یود الذین۔ الآیة۔

رب جو کہ رب بالتشد ید حرف جار کا مخفف ہے یہ کثرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے یا قلت پر اس میں اختلاف ہے بعض فضلاء کا یہ موقف قوی ہے کہ رب صرف کسی چیز کے اثبات پر دلالت کرتا ہے اب رہی اس کی قلت یا کثرت وہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال یہاں سیاق کلام سے کثرت کے معنی

انسب معلوم ہوتے ہیں کہ وہ کافرلوگ جو آج اسلام کا نام سن کر اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے وہ وقت آنے والا ہے کہ جب حقیقت حال واضح ہوگی اور انہیں اپنے کفر کا انجام بدسامنے نظر آئے گا تو بسا اوقات یعنی بار بار یہ تمنا کرینگے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے! وہ یہ تمنا کب کرینگے؟ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا اذا کان یوم القیامۃ نادی منادمن عند اللہ لایدخل الجنۃ الامسلم فیومئذٍ یودّ۔

الذین کفروالو کانوامسلمین (جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا کی طرف سے ایک منادی ندا کرے گا کہ آج جنت میں وہی داخل ہوگا جو حقیقی مسلمان ہوگا اس وقت کافرلوگ تمنا کرینگے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے (تفسیر قمی وصافی)۔اس سلسلہ میں روایات اور بھی ہیں مگر راجح قول یہی ہے۔

۴۔ذرھم۔۔۔الآیۃ

کھاتا پیتا مومن بھی ہے اور کافر بھی بلکہ نبی بھی اور امام بھی اور یہ چیز نہ عقلاً قبیح ہے اور نہ شرعاً ممنوع ہے وما جعلنا ھم جسدالا یاکلول الطعام۔ہم نے ان (انبیاءؑ) کوایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ طعام نہ کھاتے ہوں مگر اس سلسلہ میں بھی ایک بندہ مومن اور ایک کافر میں فرق یہ ہے کہ مومن بشری تقاضوں کے تحت بے شک کھاتا پیتا ہے مگر بقدرضرورت اور وہ بھی حلال لیکن وہ اس کھانے پینے کو مقصد زیست نہیں سمجھتا بلکہ اس کی توجہ کا مرکز آخرت کی زندگی ہوتی ہے اور وہ اسے ہی خوشگوار بناتا ہے بخلاف کافر کے کہ وہ اس دینوی زندگی کو سنوارنے اور خوشگوار بنانے کی خاطر طویل منصوبہ بندی کرتا ہے اور اسی چیز کا نام طول امل ہے یعنی لمبی امیدیں باندھنا۔ اور فکر آخرت سے آزاد ہو کر صرف دنیوی زندگی کیلئے طویل منصوبہ بندی کرنا حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الھوٰی وطول الامل وہ خوفناک ترین چیز جس کا مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک خواہش نفس کی پیروی اور دوسری لمبی امید۔ پھران کے نقصانات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تک خواہش نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو حق سے باز رکھتی ہے اور جہاں تک لمبی امید کا تعلق ہے تو یہ آدمی کو آخرت بھلادیتی ہے (نہج البلاغہ)۔بہرحال خداتعالیٰ اپنی ناراضی ظاہر کرتے ہوئے اپنے حبیبؐ سے فرمارہاہے کہ ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور انہیں خوب کھانے پینے اور عیش وعشرت کرنے دو۔عنقریب ان کو معلوم ہوجائے گا کہ ان کی اس کافرانہ روش ورفتار کا انجام کیا ہے؟ یہ بات جس طرح سابقہ کافروجاہل قوموں پر صادق آتی تھی بالکل اسی طرح آج کی بزعم خویش مہذب وروشن خیال قوموں پر بھی صادق آتی ہے۔

وما اھلكنا ۔۔۔الآیة۔

یہ آیت گویا کہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ کفر پر اڑے ہوئے اور عصیان کاری میں پڑے ہوئے ہیں تو ان پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جس طرح ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہوتا ہے جس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی اسی طرح اس ہلاکت اور عذاب کے نزول کا بھی ایک وقت مقرر ہے جو ابھی نہیں آیا اسی لیے فوراً ان کی گرفت نہیں ہو رہی ہے۔

۶۔ وقالو یایھا الذی ۔الآیة۔

کفار کا یہ بے ادبانہ بلکہ گستاخانہ فقرہ کہ ''تم دیوانے ہو'' اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا پہلے یہ کہنا کہ اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے یہ از راہ تمسخر و استہزاء ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم پر قرآن اتارا گیا مگر ہمارے نزدیک تو تم دیوانہ ہو (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کتاب میں ایسی باتیں ہیں جن کو ہماری عقل قبول نہیں کرتی اور تم ان باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو؟ پھر ہم کس طرح تسلیم کریں کہ آپ عقلمند ہیں۔

۷۔ لوماتأتینا ۔الآیة۔

سابقہ گستاخانہ جملہ کہنے کے بعد ھٹ دھرمی سے یہ احمقانہ مطالبہ کر دیا کہ تم جو کہتے ہو کہ تمہارے پاس فرشتہ آتا ہے اور وحی لاتا ہے تو تم ان فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لاتے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کریں ان لوگوں کے اس احمقانہ مطالبہ کے جواب میں خدائے حکیم یہ جواب دے رہا ہے کہ انفس و افاق میں پھیلی ہوئی ہزاروں نشانیوں میں اور قرآن کے پیش کردہ حقائق و معارف میں غور و فکر کر کے ایمان لانا چاہیے۔ باقی رہا فرشتوں کا اتارنا تو یہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہے بے شک یہ فرشتے انبیاء و مرسلین پر وحی لے کر آتے ہیں اور ان کے جھٹلانے والوں پر عذاب لے کر بھی آتے ہیں مگر اس وقت اتارے جاتے ہیں جب قوموں پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔مگر وہ حق کشی اور باطل کوشی سے باز نہیں آتیں اور ان پر عذاب نازل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہ جاتا تو وہ صحیح وقت پر یعنی جب مہلت کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو وہ فیصلہ عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں جس کے بعد انہیں تہس نہس کر دیا جاتا ہے اس موضوع کی مزید وضاحت قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ۸ **وقالو لو لا انزل علیه ملك**۔ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۸ انانحن ۔الآیة۔

اس آیت شریفہ کی مکمل تفسیر اس تفسیر کی پہلی جلد کے ساتویں مقدمہ کے ضمن میں ص ۲۸، ۲۹ پر

گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے الغرض اس آیت کو تحریف کے متنازعہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ صرف خدائے دو جہان کی طرف سے ''قرآن کی عظمت کا اعلان ہے کہ اسے ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں کہ اس میں جو کچھ ہے وہ سب حق اور ابدالا باد تک باقی رہنے والا ہے اس میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش اور دلیل و برہان سے اس کے بطلان کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وانه لكتاب عزيز لايأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد (سورہ فصلت ۴۱)

۹ ولقد ارسلنا ۔ الآية ۔

اس قسم کی ایک آیت سورہ انعام آیت ۳۴ ولقد كذبت رسل من قبلك آلاية ۔ مع تفسیر گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس پیرایہ میں حضرت پیغمبرؐ اسلام کو تسکین و تسلی دی جارہی ہے کہ اگر آج یہ گستاخ لوگ آپ کے اور قرآن کے بارے میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کررہے ہیں تو نہ یہ کوئی نئی بات ہے اور نہ کوئی انوکھا سلوک ہے بلکہ ہم نے آپ سے پہلے مختلف جماعتوں، مختلف گروہوں اور مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجے اور انہوں نے نہ صرف ان کی تکذیب کی بلکہ الٹا ان کا مذاق اڑایا اور ان کے ساتھ تمسخر کیا مگر انبیاء نے اس کے اس ناروا سلوک پر صبر کیا تو آپ بھی انہی کی طرح قوم کی اہانت آمیز روش و رفتار پر صبر کریں فاصبر كما صبر اولو العزم من الرسل ۔ ان الله مع الصابرين ۔ بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

۱۰ ۔ كذلك نسلكه ۔ الآية ۔

اس فقرہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

یہ نسلکہ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر کس چیز کی طرف راجع ہے؟ برادران اسلامی کے اکثر مفسرین نے اسے کفر و استہزاء کی طرف راجع کیا ہے کہ ''اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو مجرموں کے دلوں میں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (ضیاالقرآن)

اسی طرح ہم یہ استہزاء مجرمین (یعنی کفار مکہ) کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے'' (معارف القرآن) بنابریں اگر اللہ نے ہی گمراہی اور استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں ڈالا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کا قصور کیا ہے؟ اور پھر ان کی یہ مذمت کیوں کی

جارہی ہے؟ ہے جبریہ فرقہ کے پاس اس ایراد کا کوئی معقول جواب؟ ؟لا واللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ نسلکہ اور لا یومنون بہ میں دونوں جگہ اس ضمیر کا مرجع ذکر بمعنی قرآن ہے جو پہلے مذکور ہے (انا نحن نزلنا الذکر) بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ ''ہم تو قرآن کو مجرموں کے دلوں میں ڈالتے ہیں مگر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ دین میں جبر واکراہ نہیں ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے اناھدیناہ السبیل اماشاکراً واما کفورا۔ یہ مفہوم عقیدہ عدلیہ کے عین مطابق ہے۔

۱۱۔ ولو فتحنا علھیم۔ الآیۃ۔

یہ ان لوگوں کے تعصب وھٹ دھرمی کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ اگر ان لوگوں کے لیے آسمان کا دروازہ بھی کھول دیا جائے اور وہ ملکوت سماوی کا مشاہدہ بھی کرلیں اور ملائکہ کو بھی بچشم خود دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائینگے بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظریں بند کردی گئی ہیں۔ اور ہماری آنکھوں کو مدہوش ومخمور کردیا گیا ہے اور ہم پر جادو کردیا ہے اور یہ سب کچھ پیغمبر اسلامؐ کے جادو کا اثر ہے ان حالات میں اگر بالفرض ان لوگوں کا مطالبہ پورا بھی کردیا جاتا یعنی آسمان سے فرشتے اتر آتے اور آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت کی گواہی دے دیتے تو ان لوگوں پر کیا اثر ہوتا؟ خوئے بدرا بہانہ بسیار وہ یہاں بھی یہی کہدیتے کہ بل سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔

سچ ہے کہ لاتغنی الایات والنذر عن قوم لایومنون۔ کہ نہ ماننے والوں کے لیے نہ معجزات کارگر ہوتے ہیں اور نہ ڈراوے۔ کیونکہ ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں؟

اس قسم کی ایک آیت سورہ انعام نمبر ۸ میں مع تفسیر گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ

كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ⑳ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉑ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ㉒ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ㉓ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ㉔ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ㉕

ترجمۃ الآیات

اور بے شک ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنا دیئے اور اس (آسمان) کو دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کر دیا ہے (۱۶) اور ہم نے اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا (۱۷) مگر یہ کہ کوئی (شیطان) چوری چھپے کچھ سن لے تو (اس صورت میں) ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے (۱۸) اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں نپی تلی اگائیں۔ (۱۹) اور ہم نے اس میں تمہارے لیے بھی معاش کے وسائل بنانے اور ان کے لیے بھی جن کے روزی رساں تم نہیں ہو (۲۰) اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معین مقدار میں (۲۱) اور ہم ہواؤں کو باردار بنا کر بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہ پانی ہم تمہیں پلاتے ہیں حالانکہ تم اس کے خزانہ دار نہیں (۲۲) اور بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث ہیں (۲۳) اور یقیناً ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے ہو گذرے اور ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں (۲۴) بے شک تمہارا پروردگار (بروز قیامت) سب کو جمع کرے گا وہ بڑا حکمت والا اور بڑا علم والا ہے (۲۵)۔

تشریح الالفاظ

۱۔استرق السمع کامفہوم ہے کہ چوری چھپے کچھ سن گن لینا ۲۔لواقح ان ہواؤں کو کہا جاتا ہے۔جو درختوں کو باردار کرتی ہیں اور بارش لانے والی ہوتی ہے۔

تفسیر الآیات

۱۲۔ولقد جعلنا۔الآیۃ۔

بروج کے معنوں کی تحقیق

بروج برج کی جمع ہے عربی میں برج کے معنی قلعہ،قصراور شاہراہ اور مستحکم عمارت کے ہیں اور قدیم علم ہیئت میں برج کی لفظ ان بارہ منازل کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا ہے چنانچہ بعض مفسرین نے بروج کو انہی معنوں پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس سے بڑے سات سیارے مراد لیے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد نے طویل بحث کی ہے کہ آیا نزول قرآن کے وقت عرب برج کا لفظ ان بارہ فرضی اشکال میں استعمال کرتے تھے جو قدماء نے دورہ شمسی کے انضباط کے لیے قرار دی تھیں اور کیا قرآن میں یہ لفظ اسی اصطلاحی معنی میں بولا گیا ہے؟اور مقصود بارہ برج ہیں؟ یا لغوی معنی ہیں مستعمل ہوا ہے اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحر وبر کی ظلمتوں میں مسافروں کی راہنمائی کرتے ہیں؟ پھر ثابت کیا ہے کہ بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی۔پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کرلیا آخر میں لکھا ہے کہ پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں بروج سے مقصود روشن کواکب ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس سے یہی تفسیر منقول ہے(ترجمان القرآن)

اور صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں''اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ نزول قرآن سے پہلے عرب اس تقسیم کو جانتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے تو پھر ان برجوں سے وہی بارہ برج مراد ہوں گے جن کے نام اوپر لکھے گئے ہیں (یعنی حمل،ثور،جوزا،سرطان،اسد،سنبلہ،میزان،عقرب،قوس،جدی، دلو اور حوت)اور اگر اس کا قابل اعتماد ثبوت بہم نہ پہنچے تو بھی آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں کیونکہ اس

وقت بروج سے مراد وہ سات سیارے یا دیگر بڑے بڑے چمکدار ستارے ہوں گے جو کروڑوں چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی خوب نمایاں نظر آتے ہیں (''ضیا القرآن ج ۲) الغرض قرآن علم ہیئت یا فلکیات کی کتاب نہیں ہے کہ ہم بروج کی حقیقت سے بحث کریں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ہم اللہ کی قدرت اور اسکی حکمت اور عالم بالا میں پائی جانے والی ان چیزوں کی عظمت میں غور فکر کر کے خدا کی وحدانیت و کبریائی کا اذعان حاصل کریں ویسے وارثان علم قرآن یعنی آئمہ اہلبیت کی احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہی اصطلاحی بارہ برج مراد ہیں چنانچہ تفسیر قمی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان بروج سے مراد کواکب اور وہ برج ہیں جو موسم ربیع وگرما میں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد اور سنبلہ ہیں اور موسم خریف وسرما میں عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہیں (تفسیر قمی) اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق السلام سے مروی ہے فرمایا ان بروج سے بارہ برج مراد ہیں (مجمع البیان) واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔ پھر صانع حکیم نے یونہی ستاروں کا جال نہیں بکھیر دیا اور نہ یونہی غیر منظم طریقہ پر رکھ دیا بلکہ ناپیدا کنار عالم بالا کو اس احسن طریقہ پر ستاروں سے سجایا ہے اور اس طرح ان سے مزین کیا ہے کہ جن کے جلوے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں اور جن کی حسن ترتیب عقل کو دنگ کر دیتی ہے۔

۱۳۔ حفظنا ھا۔ الآیۃ۔

شیاطین جنی اسی زمینی خطے میں مقید ہیں عالم بالا ان کی دسترس سے ماوراء ہے اس طرح آزاد نہیں ہیں کہ جہاں تک چاہیں پرواز کریں ہاں البتہ وہ ملائکہ سے سن گن کی کوشش ضرور کرتے ہیں مگر ایسا کرنے پر ان پر ''شہاب ثاقب'' کے آتشین تازیانے برسائے جاتے ہیں اس لیے ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا متعدد اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰ کی ولادت تک جنات وشیاطین کا آسمانوں میں داخلہ ممنوع نہیں تھا۔ وہ وہاں تک جاتے تھے اور فرشتوں کی زبانی وہاں سے کچھ خبریں لاتے تھے اور کاہنوں اور ساحروں کو آکر بتاتے تھے اور اس طرح وہ اپنی غیب دانی کا ڈھونگ رچاتے تھے مگر جناب عیسیٰ کی ولادت پر ان کا تین آسمانوں تک جانا تو ممنوع قرار دیا گیا لیکن دوسرے چار آسمانوں تک جا سکتے تھے اور جب حضرت پیغمبر اسلامؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساتوں آسمانوں میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا اور اب اگر کوئی وہاں جانے اور آسمانی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے شہابی پتھروں کے آتشیں کوڑے لگائے جاتے ہیں (آمالی، تفسیر قمی وصافی اور برہان) لہٰذا آج کل جو پیر وفقیر اور بہروپئے قسم کے عامل غیب دانی کے دعوے کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کا مالی استحصال کرتے ہیں وہ ہرگز نہ غیب جانتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس غیبت دانی کے کوئی ذرائع اور وسائل ہیں۔

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ شہاب ثاقب جس کے لغوی معنی چمکتا ہوا شعلہ کے ہیں۔اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ آیا یہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ہے جوٹوٹا ہے جس کا بیشتر حصہ ہماری فضا تک پہنچنے سے پہلے یا گرد بن جاتا ہے۔ یا بخار بن کر اڑ جاتا ہے اور کبھی کبھی اس کے کچھ ٹکڑے زمین پر گر پڑتے ہیں جو مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ یا یہ کچھ کائناتی شعاعیں ہیں یا ان سے بھی زیادہ شدید کوئی اور چیز ہے؟ اور پھر اس سے شیطانوں کے روکنے کا کام کس طرح لیا جاتا ہے؟ تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم وادراک سے معلوم نہیں کر سکتے وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کردی ہے اس پر یقین کرنا چاہیے اور مزید کاوش میں نہیں پڑنا چاہیے۔'' (ترجمان القرآن ج ۲)۔

۱۴۔ والارض مددناھا۔ الآیۃ

اس آیت کے مطالب و معانی کی تحقیق اور اسکی تفسیر سورہ رعد کی آیت ۳ **وھو الذی مدالارض وجعل فیھا رواسی**۔ الایہ میں کردی گئی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یہاں جومن کل شئی موزون وارد ہے اس کی تفصیل سورہ رعد کی آیت ۹ **وکل شئی عندہ بمقدار** میں کردی گئی ہے مقصد یہ ہے کہ ہر نباتات اپنی کیفیت، کمیت، شکل وصورت اور مقصد خلقت کے اعتبار سے ایک موزوں اور مناسب ومعین مقدار میں میزان دانش وحکمت پر تول کر پیدا کی گئی ہے اس مقدار سے کم ہوتی ہے تو دشواری پیدا ہوتی اور زیادہ ہوتی تو مشکل پیدا ہوتی اور قد کاٹھ شکل وصورت میں بھی موزونیت اور تناسب کو مدنظر رکھا گیا ہے جن کے حسین وجمیل مناظر سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے بہرحال انسان کو اپنی زندگی گذارنے اور اپنی معیشت کو سنوارنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ سب مناسب مقدار میں زمین میں مہیا کردی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حد بندی کا یہ اصول کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے اور اسی سے نظام کائنات وابستہ اور بحال ہے۔

۱۵۔ وجعلنا لکم۔ الآیۃ۔

یہ خدائے منان کے ایک اور احسان کا ذکر ہے کہ اس نے اس زمین میں نہ صرف ہمارے معاش وزیست از قسم ماکولات، مشروبات اور ملبوسات کے وسائل واسباب زراعت، تجارت صنعت وحرفت وغیرہ مقرر فرمائے بلکہ دوسری بہت سی اپنی مخلوقات کی زیست کے سامان بھی بہم پہنچائے جن کے ہم روزی رساں نہیں ہیں بلکہ ان سب کا رازق و پالک وہی ہے جو ان کا خالق و مالک ہے جیسے بحری وبری جانور، پرندے، چرندے، کیڑے مکوڑے اور دیگر تمام جاندار مخلوق۔

۱۶۔ وان من شئی۔ الآیۃ۔

ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اس ہر چیز سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے اس سے بارش مراد لی ہے کیونکہ وہی ہر قسم کی معاش اور روزی کا سبب ہے کہ مگر اصح یہ ہے کہ اس سے انسانی ضروریات کی ہر چیز مراد ہے کہ تمام ضروریات زندگی کے وسائل اور اسباب خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ حسب ضرورت جدو جہد اور سعی وکوشش کرنے والوں کو عطا فرماتا ہے اور نکموں اور ناکاروں کو محروم رکھتا ہے کیونکہ وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی لہٰذا وہ قانون حکمت کے تحت معلوم اور معین مقدار کے مطابق عطا کرتا ہے۔ کیونکہ ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔

مروی ہے کہ ایک بار جناب موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ تو جو کائنات کا روزی رساں ہے مجھے اپنے خزانے تو دکھا ارشاد ہوا اے موسیٰ تمہارا کیا خیال ہے کہ میرے خزانے بادشاہوں کی طرح ہیں؟ میرے خزانے تو کاف اور نون (یعنی کن) کے درمیان ہیں (عین الحیاۃ)

۱۷۔ وارسلنا الریاح۔ الآیۃ۔

لواقح لاقحہ کی جمع ہے جب نر و مادہ جمع ہوں اور نر مادہ تولید مادہ میں ڈالے تو کہا جاتا ہے القحہا رالفحل ہواؤں کو لواقح کہنے کی متعدد وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بارش کے پانی کو بادلوں میں اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش برساتی ہیں زندگی کا پیغام لاتی ہیں۔ **وجعلنا من الماء کل شئی حی**۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ درختوں کے گابھوں (بور کو لے کر مادہ درختوں کے گابھوں میں ڈالتی ہیں اور اس طرح ان کو باردار کرتی ہیں کیونکہ نر و مادہ کا سلسلہ صرف جاندار مخلوق میں ہی جاری نہیں ہے۔ بلکہ نباتات میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے ارشاد قدرت ہے **سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لایعلمون**۔ (یس) حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں۔ **ولا تسبوالریح فانھا بشر وانھا نذر وانھا لواقع فا سئلو اللہ من خیرھا وتعوذوابہ من شرھا**۔ ہوا کو گالی نہ دو۔ یہ تو بشارت اور نذارت کا سبب ہیں اور یہ بار آور کرنے والی ہیں پس تم اللہ سے ان کی اچھائی کا سوال کرو اور اس سے ان کی برائی سے پناہ مانگو۔ تفسیر عیاشی)۔

۱۸۔ وما انتم لہ۔ الآیۃ

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پانی کا خزانہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جس سے وہ وقتاً فوقتاً برساتا

رہتا ہے بلکہ اس کا صاف وسادہ مطلب یہ ہے کہ طبعی اسباب وغیرہ سے خدا بارش برساتا ہے اور پھر زمین اسے اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ظاہر کرتی ہے الغرض پانی برسانا بھی خدا کا کام ہے اور اسکی حفاظت کا انتظام بھی وہی کرتا ہے باقی رہے ہمارے تالاب اور ڈیم وغیرہ تو یہ بھی اسی ذات اقدس کی کرم نوازی کا نتیجہ ہیں۔

۱۹۔ وانالنحن۔ الآیۃ۔

اس آیت میں یہ حقیقت بتائی جارہی ہے کہ جس طرح زمین کا پیدا کرنا ہوائیں چلانا، بارشیں برسانا اور نباتات اگانا الغرض تمام نظام کائنات چلانا اللہ کا کام ہے۔اسی طرح جلانا اور مارنا یعنی پہلے انسان کو دنیا میں بسانا اور پھر یہاں سے اٹھانا یہ بھی اسی قادر وقیوم خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کوئی دیوی دیوتا یہ کام نہیں کرتا اور نہ کوئی نبی وامام یہ فرائض انجام دیتا ہے جیسا کہ مشرک لوگ یہ باطل عقیدہ رکھتے ہیں وہی ہر چیز کا وارث ہے جن وانس کی پیدائش سے پہلے بھی زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے خدا کے تھے اور ان سب کے فنا اور نیست ونابود ہوجانے کے بعد بھی خدا کے ہی رہینگے۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ تم خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔ جو ان اشیاء کا خالق ہے وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔

درحقیقت مالک ہر شئ خدا است
ایں امانت چند روزہ پیش ما است

۲۰۔ ولقدعلمنا۔ الآیۃ۔

خدائے حکیم اپنی قدرت کاملہ کے اثبات کے بعد اب یہاں اپنے کامل علم کا تذکرہ فرمارہا ہے۔ کہ وہ ان لوگوں کو اور ان کے حالات وکوائف کو بھی جانتا ہے جو پہلے گذر چکے اور ان کو بھی جانتا ہے جو بعد میں پیدا ہوں گے اور ان کو بھی جانتا ہے جو اعمال صالحہ اور نیکیوں میں سابق ہیں اور آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جو اس سلسلہ میں پیچھے رہ جانے والے ہیں اور پھر وہ سب کے ساتھ ان کے مرتبہ ومقام کے مطابق سلوک کرتا ہے کیونکہ وہ عالم بھی ہے اور عادل بھی۔

۲۱۔ وان ربّك۔ الآیۃ۔

خداوند عالم قیامت کے دن تمام اولین وآخرین کو اس طرح محشور فرمائے گا کسی ایک کو بھی باقی نہیں چھوڑے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ وحشرناھم فلم نغادر منھم احداً۔ کہ ہم ان لوگوں کو محشور کرینگے

کہ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے کسی کی موت کو ہزاروں سال گذر گئے اور اس کے اجزاء بکھر کر کہیں بھی چلے گئے ہوں وہ سب کو جانتا بھی ہے اور سب کو اکٹھا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا وہ سب کو محشور فرمائے گا تا کہ نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا دے سکے اس سورہ کے آغاز سے لے کر اب تک جو کچھ ہم نے اس کائنات ارضی وسماوی اور اس کے اعتدال وتوازن اور تناسب کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے وہ بتاتا ہے کہ یہ کائنات اتفاقی حادثہ کے طور پر وجود میں نہیں آئی اور نہ ہی متعدد خداؤں کی صنعت گری کا نتیجہ ہے بلکہ۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی مٹی سے پیدا کیا ہے(۲۶) اور اس سے پہلے ہم نے جان کو بے دھواں تیز گرم آگ سے پیدا کیا (۲۷) (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (۲۸) پس جب میں اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی (خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ (۲۹) چنانچہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا (۳۰) سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا (۳۱) ارشاد ہوا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟ (۳۲) اس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھنائی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے (۳۳) ارشاد ہوا (یہاں سے) نکل جا کہ تو مردود (راندہ ہوا) ہے (۳۴) اور روز جزا (قیامت) تک تجھ پر لعنت ہے (۳۵) اس نے کہا کہ اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائینگے (۳۶) فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے۔(۳۷) (جنہیں) وقت معلوم تک مہلت دی گئی ہے (۳۸) اس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی زمین میں ان (بندوں) کے لیے گناہوں کو خوشنما بناؤں گا اور سب کو گمراہ کروں گا (۳۹) سوائے تیرے مخلص بندوں کے (۴۰) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک پہنچنے والا (۴۱) جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی قابو نہ ہوگا سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کرینگے۔ (۴۲) اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے (۴۳) اس کے سات دروازے ہیں (اور) ہر دروازے کے لیے ان (لوگوں) میں سے ایک حصہ ہے (۴۴)

تشریح الالفاظ

۱۔صلصال۔ کے معنی ہیں خشک کھنکھتی مٹی۔ ۲۔حماء۔مسنون کے معنی ہیں بدبودار کیچڑ۔ ۳۔رجیم، کے معنی ہیں رجم کیا ہوا۔اور ملعون ومردود۔ ۴۔فانظرنی۔انظار کے معنی ہیں مہلت دینے کے ہیں۔ ۵۔لیس لك علیھم سلطان۔یہاں سلطان کے معنی قابو پانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۲۔ولقد خلقنا۔الآیة۔

انسانی خلقت کے مختلف فلسفے اور اصل حقیقت کا بیان؟

انسان کی خلقت کے بارے میں کئی فلسفے اور نظریے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کی یہاں نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش جن میں سے ایک نظریہ ارتقاء بھی ہے کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے پہلے پہل اس نظریہ نے قدیم عقائد کی دنیا میں ایک زلزلہ پیدا کردیا مگراب رفتہ رفتہ اپنی موت آپ مررہا ہے۔کیونکہ اس وقعیت پر نہ کوئی عقلی دلیل دقائم نہ نقلی وہ محض ناقص استقراء پر مبنی مفروضہ ہے جس کا کوئی سرا ہے۔اور نہ ہی درمیان کی کوئی کڑی محض ظن وتخمین پر مبنی ہے۔وان الظن لایغنی من الحق شیئاً۔اس نظریہ کے بطلان اور پادر ہوا ہونے کے تفصیلی دلائل وبراہین دیکھنے کے خواہش مند حضرات ہماری اسلامی عقائد پر مفصل کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

بہرکیف قرآن وسنت کے مسلمات میں سے ہے کہ ابوالبشر آدم کی خلقت آب وگل سے عمل میں آئی ہے مگر اس سلسلہ میں الفاظ وکلمات مختلف وارد ہوئے ہیں جن سب کا ماحصل ایک ہی ہے مثلاً بعض آیات میں پانی وارد ہے وھو الذی خلق من الماء بشراً۔(الفرقان۔۵۴) خدا وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا بعض میں تراب وارد ہے۔ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون۔(آل عمران۔۵۹) عیسیٰ کی حالت آدم جیسی ہے خدا نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور اسے کہا کہ ہوجا۔پس وہ ہوگیا اور بعض میں طین وارد ہے۔ھو الذی خلقکم من طین۔(الانعام۔۲)

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا اور زیر قلم آیت میں صلصال، حماء اور مسنون کے الفاظ وارد ہیں۔ صلصال اس گارے کو کہا جاتا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے اور حماء گارے اور کیچڑ کو کہا جاتا ہے اور مسنون کا مطلب ہے سڑا ہوا۔ الغرض یہ مٹی ہی کی مختلف حالتوں کے پیش نظر مختلف نام ہیں مقصد یہ ہے کہ انسان کا قالب آب وگل کے امتزاج سے بنا ہے اور اللہ نے اسے مکمل کیا ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی خاص روح پھونکی ہے تو اس وقت سے وہ اشرف المخلوقات کہلایا ہے اور خالق حکیم نے اس کے سامنے ملائکہ کو سجدہ ریز فرمایا ہے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

الناس من جهة التمثال اكفاء
ابوهم آدم والام حواء
فان يكن لهم شرف
يفاخرون به فالطين والماء

یعنی تصویر کے اعتبار سے سب لوگ برابر ہیں کیونکہ سب کے باپ آدم اور ماں حوا ہیں اور اگر ان کو کوئی ایسا شرف حاصل ہے جس پر وہ فخر کر سکیں تو وہ مٹی اور پانی ہے کس قدر کبیر ہے وہ خالق جس نے اس عنصر حقیر سے پیدا کر کے انسان کو اس شان کبیر پر فائز کیا ہے اور اسے ان صلاحیتوں سے نوازا کہ جن پر ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں۔ سچ ہے کہ۔

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

ایضاح:

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ آیا مجرد ہے یا جسم لطیف رکھتی ہے اور بہر صورت اس جسم کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت کیا ہے؟ ان امور کی تحقیق و تنقیح کے لیے ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع کریں۔

۲۳۔ والجان خلقنه۔ الآیة۔

جنات کی خلقت کا تذکرہ

اس جملہ میں انسان کی خلقت سے پہلے بنی نوع جن کی خلقت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ جس طرح انسان کو بہت سے عناصر سے پیدا کیا گیا ہے مگر چونکہ اس میں خاکی عنصر غالب ہے اس لیے اسے ''خاکی''

مخلوق کہا جاتا ہے اسی طرح اگرچہ جن کی خلقت میں بھی اور عناصر شامل ہیں مگر چونکہ اس میں ناری عنصر غالب ہے اس لیے اسے ناری مخلوق کہا جاتا ہے اور شیطان نے جو جنوں میں سے تھا (کان من الجن) اپنی اسی خلقت کو اپنی افضیلت کی دلیل قرار دے کر آدم کے سامنے سجدے ریز ہونے سے انکار کیا تھا۔ اور ملعون ومردود قرار پایا تھا۔ نار کے معنی تو آگ کے ہی ہیں مگر سموم گرم ہوا (لو) کو بھی کہا جاتا ہے اور اس سخت گرم آگ کو بھی کہا جاتا ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ کہ اللہ نے جنوں کو ایسی تیز گرم آگ سے پیدا کیا ہے جس میں دھواں نہ تھا اسی مفہوم کو سورہ رحمن میں یوں ادا کیا گیا ہے **وخلق الجان من مارج من نار**۔ (۱۵) کہ خدا نے جان کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ بنی نوع جن میں جان کی وہی حیثیت ہے جو بنی نوع انسان میں جناب آدمؑ کی ہے کہ وہ سب جنوں کا باپ ہے جس طرح یہ سب انسانوں کے باپ ہیں ابلیس بھی اسی جان کی اولاد میں سے تھا۔ اب یہ اصطلاح بن چکی ہے کہ جان کی اولاد میں سے جن کا تعلق ابلیس کی اولاد اور نسل سے ہے انہیں شیاطین کہا جاتا ہے اور اس کی دوسری عام اولاد کو جنات کہا جاتا ہے جو بنی نوع انسان کی طرح مختلف ادیان و مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں کافر بھی ہیں اور مسلمان بھی یہودی بھی ہیں اور نصرانی بھی، اور ہر قماش و کردار کے مالک ہیں نیکوکار بھی اور بدکار بھی، طالح بھی اور صالح بھی جن کی حقیقت اور ان کے دیگر کوائف وحالات پر قبل ازیں کسی مناسب مقام پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ فراجع۔

۲۴۔ واذقال ربك۔ الآیة۔

خداوند عالم کا خلقت آدم کی فرشتوں کو پیشگی اطلاع دینا اور اس سلسلہ میں ان کا خدا سے گفتگو کرنا، اور انجام کار خدا کا فرشتوں کو سجدہ کا حکم دینا۔ اور شیطان کا اس سے انکار کرنا اور راندۂ بارگاہ ہونا اور یہ کہ وہ سجدہ کس قسم کا تھا؟ جبکہ اسلام میں ہر قسم کا سجدہ خدا سے مخصوص ہے اور غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے ان تمام باتوں پر اس تفسیر کی پہلی جلد اور سورہ بقرہ کی آیت ۳۱ تا ۳۵ کی تفسیر میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۵۔ قال رب فانظرنی۔ الآیة۔

وقت معلوم سے کونسا وقت مراد ہے؟

شیطان نے تو بالاتفاق قیامت تک زندہ رہنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہلت مانگی تھی مگر خدا نے

اسے وقت معلوم تک مہلت دی اب مفسرین میں اختلاف ہے کہ اس وقت معلوم سے کونسا وقت مراد ہے؟ اکثر مفسرین نے اس سے نفخۂ اولیٰ مراد لیا ہے جب شرعی تکلیف ختم ہوجائے گی اور باب توبہ بند ہوجائے گا (مجمع البیان، کاشف) اور بعض مفسرین نے بعض احادیث کی بنا پر اس سے امام زمانہ کا زمانہ ظہور مراد لیا ہے یعنی زمانہ رجعت جیسا کہ تفسیر قمی وعیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ واللہ العالم۔

۲۶۔ قال رب بما اغویتنی۔ الآیۃ۔

عقیدۂ جبر کا بانی شیطان ہے

حضرت آدم سے ترک اولیٰ ہوتا ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں توبہ وانابہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خیر وشر اور نیکی وبدی کو بندہ کا فعل جانتے ہیں اور شیطان رجیم تکبر وقیاس جیسا سنگین جرم کرتا ہے اور توبہ کرنے یا اپنے کئے پر نادم ہونے کی بجائے اور اکڑ جاتا ہے اور اپنی گمراہی کی نسبت خدا کی طرف دیتا ہے ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ عقیدہ عدل کا سنگ بنیاد جناب آدم نے رکھا تھا اور عقیدۂ جبر کا شیطان نے لہٰذا جو عدلیہ ہیں وہ ایک نبی کے پیروکار ہیں اور جو جبریہ ہیں وہ شیطان کے پیروکار اسی بدعقیدہ کا یہ نتیجہ ہے کہ شیطان کہہ رہا ہے کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو اب میں تیری مخلوق کو گمراہ کروں گا کس طرح؟ جبر واستیلا تو میرے ہاتھ مین ہے نہیں میں تو صرف گناہوں کو لوگوں کی نظر میں خوشنما بنا کے اور آراستہ کر کے ان پر اپنا جال پھینک سکتا ہوں۔ اور انہیں سبز باغ دکھا کر بہلا پھسلا سکتا ہوں اور بس اس قسم کی آیتیں سورہ اعراف میں نمر ۱۵ تا ۱۷ مع تفسیر گذر چکی ہیں قال فبما اغوتینی تاقولہٖ ولا تجدا کثرھم شاکرین۔ مزید وضاحت کے لیے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۷۔ الا عبادك۔ الآیۃ۔

خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کا کوئی قابو نہیں ہے۔

شیطان اقرار کر رہا ہے کہ جو تیرے مخلص اور منتخب بندے ہوں گے وہ میرے بہکاوے میں نہیں آئینگے اور خدا نے بھی یہی حقیقت واضح کی ہے کہ ان عبادی لیس لك علیھم سلطان۔ کہ جو میرے خاص بندہ ہیں ان پر تیرا کوئی قابو نہیں ہوگا یعنی تو ان سے کوئی گناہ نہیں کرا سکے گا۔ بنابریں جو لوگ انبیاء اور ان کے اوصیاء کی عصمت کے قائل نہیں ہیں ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ پھر خدا کے وہ مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کا کوئی قابو نہیں ہے؟ واضح رہے کہ جناب آدم وحوا کے قصہ سے ان پر شیطان کا قابو پانا ثابت نہیں ہوتا

کیونکہ ہم اس تفسیر کی پہلی جلد میں نا قابل ردّ دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ جناب آدمؑ کا ترک اولیٰ تھا کوئی گناہ نہیں تھا فراجع۔ ہاں البتہ جو شیطان کی پیروی کرینگے وہ گمراہ ہوں گے اور ان سب گمراہوں کی وعدہ گاہ جہنم ہے جہاں سب اکٹھے ہوں گے۔

۲۸۔ لها سبعة ابواب۔ الآية۔

جہنم کے سات دروازوں کا تذکرہ

جہنم کے ساتھ دروازے ہیں بدعقیدہ اور بدکاروں کے لیے ہر دروازہ کے لیے ایک حصہ مقرر ہے کہ کوئی ٹولہ کسی دروازے سے داخل ہوگا اور کوئی جماعت کسی اور دروازہ سے جیسا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ایمانداروں اور نیکوں کاروں کیلئے کہ کوئی خوش قسمت گروہ کسی دروازہ سے داخل ہوگا اور کوئی خوش نصیب کسی اور دروازے سے اور بعض مفسرین نے سات دروازوں کا مطلب سات طبقے بیان کیا ہے جو عذاب کی شدت میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہوں گے اس قسم کی ایک روایت حضرت امیر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔ فرمایا۔ ان جهنم لها سبعة ابواب ای اطباق بعضها فوق بعض۔۔۔ (مجمع البیان وتفسیر ابن کثیر)۔

آیات القرآن

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۝۵۷ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۝۵۸ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۵۹ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ۝۶۰

ترجمۃ الآیات

بے شک پرہیز گار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے (۴۵) (ان سے کہا جائیگا) کہ تم سلامتی اور امن وامان کے ساتھ ان میں داخل ہوجاؤ (۴۶) اور ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کی کدورت نکال دینگے اور وہ بھائیوں کی طرح تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (۴۷) ان کے اندر انہیں کوئی تکلیف وزحمت چھوئے گی بھی نہیں اور نہ ہی وہ وہاں سے نکالے جائینگے۔(۴۸) (اے رسول) میرے بندوں کو آگاہ کرو کہ میں بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہوں (۴۹) اور یہ بھی (بتادو) کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے (۵۰) اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کا واقعہ بھی سنادو (۵۱) جبکہ وہ ان کے پاس آئے اور سلام کیا اور انہوں نے (جواب سلام کے بعد) کہا ہم کو تم سے ڈر لگ رہا ہے (۵۲) (مہمانوں) نے کہا کہ ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک صاحب علم بچہ کی (ولادت کی) بشارت دیتے ہیں (۵۳) ابراہیمؑ نے کہا تم مجھے اس حال میں بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا ہے یہ کس چیز کی بشارت ہے جو تم مجھے دیتے ہو؟ (۵۴) انہوں نے کہا ہم آپ کو ایک بالکل سچی بشارت دے رہے ہیں تو آپ ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہوں (۵۵) ابراہیمؑ نے کہا اپنے پروردگار کی رحمت سے تو گمراہوں کے سوا کون مایوس ہوتا ہے؟ (۵۶) (پھر کہا) اے اللہ کے فرستادو آخر تمہیں کیا مہم درپیش ہے؟ (۵۷) انہوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں سوا لوطؑ کے گھر والوں کے کہ ہم ان سب کو بچالینگے بجز اسکی بیوی کے اس کی نسبت ہم نے یہ طے کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی (۶۰)

تشریح الالفاظ

ا۔غل کے معنی ہیں کینہ اور کھوٹ۔ ۲۔وجلون۔ یہ وجل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ڈرنے والے جو کہ وجل سے مشتق ہے۔ ۳۔قانطین۔ یہ قنط وقنوط سے مشتق ہے جس کے معنی مایوس ہونے کے ہیں۔ ۴۔الغابرین۔ یہ غبور سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں گذر جانا اور غبار آلود ہونا۔

تفسیر الآیات

۲۹۔ ان المتقین۔ الآیة۔

متقین بہشت عنبر سرشت میں ہوں گے

مجرمین ومبغوضین یعنی دوزخی لوگوں کے انجام بد کا بیان کرنے کے بعد یہاں خدا کے محبوبین یعنی متقین اوران کے انجام بخیر ہونے کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ کہ وہ بہشت عنبر سرشت کے باغوں چشموں کے درمیان عیش وعشرت اور آرام واطمینان کے ساتھ ابدی زندگی گذارینگے۔ جن سے جنت الفردوس میں داخل کرتے وقت کہا جائے گا کہ خیر وعافیت، صحت وسلامتی اور امن وامان اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوجاؤ یہاں نہ کوئی خوف وخطر ہے اور نہ کوئی فکر واندیشہ اور نہ کوئی مشقت وزحمت اور نہ کوئی تکلیف وتھکان اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سب نعمتیں ابدی ودائمی ہونگی جنہیں نہ زوال ہوگا اور نہ انقطاع۔

۳۰۔ ونزعنا مافی صدورھم۔ الآیة۔

اہل ایمان کے سینوں سے ہر قسم کی کدورت نکال دی جائے گی

متعدد حدیثوں میں وارد ہے کہ **المومن لایکون حقودًا** ۔ کہ مومن کے دل میں کسی اہل ایمان کے متعلق حقد وکینہ نہیں ہوتا (جامع السعادات) تو قابل غور بات یہ ہے کہ پھر اس کینہ وکدورت سے مراد کیا ہے؟ جو بہشتی مومنوں کے دلوں سے دور کیا جائے گا؟ تو بظاہر اس سے وہ کدورتیں اور شکر رنجیاں مراد ہیں جو دنیا میں باہمی میل جول اور باہمی معاملات میں غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہیں لہٰذا وہ جنت میں داخلہ سے پہلے ان کے دلوں سے دور کیا جائے گا؟ تو بظاہر اس سے وہ کدورتیں اور شکر رنجیاں مراد ہیں جو دنیا میں باہمی میل جول اور باہمی

معاملات میں غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہیں لہٰذا وہ جنت میں داخلہ سے پہلے ان کے دلوں سے دور کر دی جائیگی اس لیے وہ وہاں بھائیوں کی طرح جنت کی مسندوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے واضح رہے کہ اس سے وہ حقد و کینہ مراد نہیں ہوسکتا جس کا تعلق دینی نظریات وعقائد سے ہو اور وہ بھی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی نصوص صریحہ کی خلاف ورزی سے ہوا ور اس کا سبب دنیائے دوں کا چند روزہ وقار واقتدار اور اس کی حکومت وسلطنت کا حصول ہو یا باہمی حسد ولداد اور بغض وعناد جبکہ ان مشاجرات ومخاصمات کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کا ناجائز اتلاف وضیاع ہوجائے اور ایسا تفرقہ پیدا ہو کہ جس کا کبھی سدباب نہ ہو سکے۔

۳۱۔نبئ عبادی۔الآیۃ۔

امید وبیم کا حسین امتزاج

اس آیت میں امید وبیم ، رجاء وخوف کا بڑا حسین امتزاج موجود ہے اور یہی امید وبیم کا اجتماع ہی ایمان کا جوہر ہے حدیث میں وارد ہے کہ اگر مومن کے دل کو چاک کر کے دیکھا جائے تو اس میں امید وبیم دونوں برابر برابر ہوں گے۔الغرض اس آیت مبارکہ میں بشارت ونذارت کو بڑے احسن انداز میں جمع کیا گیا ہے تا کہ بڑے سے بڑا گنہگار خدائے رحیم کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور بڑے سے بڑا نیکوکار عجب وغرور میں گرفتار نہ ہو۔

۳۲۔ونبئهم عن۔الآیۃ۔

جناب ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کا مہمان بن کر آنا اور ان کا مہمان نوازی کی خاطر بھونا ہوا بچھڑ الانا اور ان کا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا اور اس سے جناب خلیل کا خوف کھانا اور ان کا انہیں اولاد کی بشارت دینے اور ان کا اور ان کی زوجہ محترمہ (سارہ) کا بڑھاپے کی وجہ سے تعجب کرنا وغیرہ وغیرہ سب امور کی تفصیل سورہ ہود کی آیت ۶۹۔تا آیت نمبر ۷۳ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۳۔قال فما خطبکم۔الآیۃ۔

فرشتوں کا جناب لوط کے پاس جانا اور ان کی قوم کا بدکاری کے ارادہ سے ان کے گھر چڑھ دوڑنا اور پھر عذاب الٰہی کا نازل ہونا اور جناب لوط کے خاندان اور دوسرے اہل ایمان کے سوا ان کی بیوی سمیت باقی سب کا ہلاک وبرباد ہوجانا یہ سب واقعات قبل ازیں سورہ ہود کی آیت ۷۴ تا آیت ۸۳ کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کئے جاچکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا
بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا
یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ قَضَیْنَاۤ اِلَیْهِ ذٰلِكَ
الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ
یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ
اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا
عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا
لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ
الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

پس جب اللہ کے فرستادہ خاندان لوط کے پاس آئے (۶۱) تو لوط نے کہا کہ تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو (۶۲) انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم تمہارے پاس وہ چیز (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں (یہ) لوگ شک کیا کرتے تھے (۶۳) اور ہم آپ کے پاس حق (عذاب) لے کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم بالکل سچے ہیں (۶۴) تو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے اہل وعیال کو لے کر

نکل جائیں اور خود آپ ان کے پیچھے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جدھر جانے کا آپ کو حکم دیا گیا ادھر ہی چلے جائیں (۶۵) اور ہم نے ان (لوط) کو بذریعہ وحی اس فیصلہ سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑ بالکل کاٹ دی جائے گی (۶۶) اور شہر والے (نوجوان اور خوبصورت مہمانوں کو دیکھ کر) خوشیاں مناتے ہوئے آ گئے (۶۷) (لوط نے) کہا یہ لوگ میری مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو (۶۸) اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو (۶۹) انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے آپ کو دنیا بھر کے لوگوں (کو مہمان کرنے) سے منع نہیں کر دیا تھا (۷۰) آپ نے کہا اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو پھر یہ میری (قوم کی) بیٹیاں موجود ہیں (۷۱) آپ کی جان کی قسم! یہ لوگ اپنے نشہ میں بالکل اندھے ہو رہے تھے (۷۲) آخر کار سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک ہولناک آواز (چیخ) نے آ لیا۔ (۷۳) پس ہم نے اس (بستی) کو تہہ و بالا کر دیا (اوپر کا طبقہ نیچے کر دیا) اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کر دی۔ (۷۴) بے شک اس (واقعہ) میں حقیقت کی پہچان رکھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (۷۵) اور وہ (بستی) ایک عام گزرگاہ پر واقع ہے جو اب تک قائم ہے (۷۶) بے شک اس (واقعہ) میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے (۷۷) اور بے شک ایک (گھنے جنگل) والے بڑے ظالم تھے۔ (۷۸) ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ دونوں (بستیاں) شارع عام پر واقع ہیں (۷۹)۔

تشریح الالفاظ

۱۔دابر کے معنی ہیں اصل، گذرا ہوا۔ کہا جاتا ہے قطع اللہ دابرہم اللہ نے انکی بیخ کنی کرے۔
۲۔سجیل۔ کے معنی ہیں کنکر اور سنگ گل ۳۔لمتوسمین۔ یہ توسم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فراست سے کوئی چیز معلوم کرنا اور پہچاننا۔

تفسیر الآیات

۳۴۔فلما جاء ال لوط۔ الآیۃ۔

جناب لوط اور ان کی قوم کے واقعات اور ان کے ہاں بطور مہمان فرشتوں کی آمد کی تفصیل اور رقوم

کا ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا اور انجام کار ان پر عذاب کا نازل ہونا اور اس کی کیفیت یہ سب باتیں قبل ازیں سورہ اعراف آیت ۸ تا ۸۴ اور سورہ ہود کی آیت ۷۷ تا ۸۳ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۵۔ ولا تلتفت۔ الآیۃ۔

سورہ ہود کی آیت ۸۱ سے ثابت ہے کہ جناب لوط کی بیوی نے جو کہ کافرہ تھی اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی اور وہ اسی قومی عذاب میں مبتلا ہوئی تھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کی مناہی کا مطلب اس کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بدکار قوم سے اپنے تعلق خاطر کو توڑ لیا جائے اور ان کے حالات اور ان کے انجام سے کوئی دلچسپی نہ رکھی جائے نیز یہ جلد روانہ ہونے اور اس میں کسی قسم کی دیر و درنگ نہ کرنے کا محاورہ بھی ہو سکتا ہے۔

۳۶۔ لعمرك۔ الآیۃ۔

جناب لوط کی قوم کے حالات کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر سرکار ختمی مرتبت کا تذکرہ اور آپ کی مقدس زندگی کی قسم کھانے سے آنحضرتؐ کی عظمت شان ورفعت مکان پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کسی وضاحتی بیان کی محتاج نہیں ہے ابن عباس سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کے سوا اور کسی نبی ورسول کی جان کی قسم نہیں کھائی (مجمع البیان) اور یہ انداز تخاطب حبیب خداؐ کی شان کا بڑا ترجمان ہے۔

۳۷۔ للمتوسمین۔ الآیۃ۔

توسم کے کئی معنوں سے ایک معنی تفکر کے بھی ہیں جبکہ دوسرے معنی تذکر اور تیسرے تفرس کے ہیں بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ اس واقعہ میں غور وفکر کرنے، عبرت ونصیحت حاصل کرنے اور فہم وفراست رکھنے والے حقیقت بین لوگوں کے لیے عبرت ونصیحت کی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔

کاخ جہاں پر است از ذکر گزشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہدایں صدا کم است

۳۸۔ وان کان اصحب الایکہ۔ الآیۃ

اصحاب ایکہ سے مراد اہل مدین ہیں جن کی طرف جناب شعیبؑ کو بھیجا گیا تھا اس قوم کا تذکرہ سورہ اعراف آیت ۸۵ والی مدین اخاھم شعیبا۔ سے آیت ۹۳ تک نیز سورہ ہود میں آیت ۸۴ سے آیت ۹۶ تک بڑی تفصیل سے کیا جا چکا ہے لہٰذا ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

مخفی نہ رہے کہ ایکہ کے معنی گھنے درخت اور بن کے ہیں چونکہ مدین کا علاقہ بڑا زرخیز تھا اور اس کے پاس ایک بن یعنی گھنا جنگل بھی تھا اس لیے ان لوگوں کو اہل ایکہ کہا جاتا تھا انہوں نے کس طرح کفروشرک اختیار کیا اور ناپ تول میں کس طرح بددیانتی کی؟ اور اس کے نتیجہ اور پاداش عمل میں کس طرح ہلاک ہوئے اور کس طرح نشان عبرت بنے؟ اس کی تفصیلات مذکورہ بالا مقامات پر بیان کی جا چکی ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔

۳۹۔ لبامام مبین۔ الآیۃ۔

امام کے معنی جہاں اس راہنما کے ہیں جس کی اقتداء کی جائے وہاں اس کے دوسرے معنی راستہ کے بھی ہیں اور مبین کے معنی ظاہر اور واضح کے ہیں الغرض امام مبین کی لفظ کا اطلاق لوح محفوظ پر بھی ہوتا ہے اور شاہراہ عام پر بھی کیونکہ وہ بھی راہروں کے لیے راہنما ہوتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام پر بھی یہاں مطلب یہ ہے کہ قوم لوط اور قوم ایکہ (قوم مدین) کی تباہ شدہ دونوں بستیاں شام کے درمیان شاہراہ عام پر واقع ہیں اور آج بھی وہاں سے گذرنے والوں کے لیے نشان عبرت ہیں اور انہیں دعوت فکر دیتی ہیں۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ

لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَۙ۝۹۲ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝۹۳ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ۝۹۴ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَۙ۝۹۵ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۝۹۶ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَۙ۝۹۷ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَۙ۝۹۸ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ۠۝۹۹

ترجمۃ الآیات

اور بے شک حجر کے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا (۸۰) اور ہم نے انہیں نشانیاں عطا کیں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے (۸۱) اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تاکہ امن واطمینان سے رہیں (۸۲) پس صبح کے وقت انہیں ایک ہولناک آواز نے پکڑا (۸۳) سو جو کچھ انہوں نے کمایا تھا وہ ان کے کام نہ آیا (۸۴) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو پیدا نہیں کیا مگر حق وحکمت کے ساتھ اور قیامت یقیناً آنے والی ہے پس (اے رسول) آپ شائستہ طریقہ سے درگذر کریں (۸۵) بے شک آپ کا پروردگار ہی بڑا پیدا کرنے والا (اور) بڑا جاننے والا ہے (۸۶) اور بلاشبہ ہم نے آپ کو دھرائی جانے والی سات آیتیں عطا کی ہیں اور (کافروں) کو بہرہ مند کیا ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں غمگین ہوں اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو پھیلا دیں (ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں) (۸۸) اور کہہ دیجئے کہ میں تو عذاب سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں (۸۹) (اے رسول) جس طرح ہم نے تقسیم کرنے والوں پر اپنا کلام نازل کیا تھا جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کردے (اسی طرح) آپ پر بھی نازل کیا ہے (۹۰) آپ کے پروردگار کی قسم ہم ان سے ان کے اعمال کی بابت ضرور سوال کرینگے۔ (۹۳) پس جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا واضح اعلان کردیں اور مشرکوں سے اعراض کریں (ان کی کچھ پروا نہ کریں) (۹۴) جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں (۹۵) جو

خدا کے ساتھ دوسرا الٰہہ قرار دیتے ہیں انہیں عنقریب (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ (۹۶) اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ (یہ لوگ) کہتے رہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے (۹۷) تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں (۹۸) اور اس وقت تک برابر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں جب تک کہ تمہارے پاس موت نہ آجائے (۹۹)

تشریح الالفاظ

۱۔ینحتون۔ نحط کے معنی ہیں سنگ تراشی کرنا اور پہاڑ کھودنا۔ ۲۔عضین۔ یہ عضہ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے اور فرقے کے ہیں۔ ۳۔فاصدع۔ یہ صدع سے مشتق ہے کہا جاتا ہے صدع بالحق اس نے کھلم کھلا حق کا اظہار کیا۔

تفسیر الآیات

۴۰ ولقد کذب۔ الآیۃ۔

اصحاب حجر کا قصہ

یہاں سے ان اصحاب حجر کا قصہ شروع ہو رہا ہے جن کے نام پر اس سورہ کا نام حجر مقرر ہوا حجر اس جگہ کا نام ہے جہاں اس قوم کا مسکن تھا اور وہ شمالی عرب اور شام کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے مراد قوم ثمود ہے جن کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا گیا تھا مگر اس بدبخت قوم نے ان کی تکذیب کی اور اس کی پاداش میں عبرتناک عذاب کے ساتھ ہلاک و برباد ہوئی اس قوم کے حالات وواقعات قبل ازیں سورہ اعراف آیت ۷۳ تا آیت ۷۵ اور سورہ ہود آیت ۶۱ تا ۶۸ میں تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے مخفی نہ رہے کہ باوجودیکہ قوم ثمود نے تکذیب ایک رسول کی کی تھی یعنی جناب صالحؑ کی مگر مرسلین کی لفظ سے مستفاد ہوتا ہے کہ بہت سے رسولوں کی تکذیب کی اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ سب انبیاء کا کلام و پیغام ایک ہے لہٰذا ان میں سے ایک کی تکذیب گویا سب کی تکذیب کے مترادف ہے۔

۴۱۔ وکانوا ینحتون۔ الآیة

اس قوم کے حالات میں مورخین لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو سنگ تراشی اور پہاڑوں کو تراش کران کے اندر مستحکم اور شاندار مکانات بنانے کے فن میں بڑا کمال حاصل تھا اور انہیں اس پر بڑا ناز بھی تھا چنانچہ آٹھویں صدی میں ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں ''یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کران کے اندر بنائی تھیں ان کے نقش ونگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج بنائے گئے ہوں ان مکانات میں اب بھی سڑی گلی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں'' (رحلہ ابن بطوطہ)

۴۲۔ وما خلقنا السموات۔ الآیة۔

یہ آیت ایسی ہے جیسے یہ آیت وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا (ص۔۲۷) کہ ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو بیکار پیدا نہیں کیا جب خالق حکیم نے کائنات کی کوئی چیز بھی حق وحکمت کے خلاف پیدا نہیں کی تو اتنے بڑے آسمان وزمین کس طرح بے کار اور عبث پیدا ہو سکتے ہیں؟ یہ دنیا و مافیھا کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے اور نہ ہی اس میں لوگ اس طرح آزاد ہیں۔ کہ جو چاہیں کرتے پھریں کہ ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سارا نظام ایک متعین مقصد کی طرف رواں دواں ہے اور وہ مقصد قیامت کا قیام اور اس کا حساب وکتاب اور اسکے نتیجہ میں جزا وسزا کا ملنا ہے اور کبھی کبھی خدائے جبار کافروں اور گنہگاروں کو آخرت سے پہلے دنیا کے عذاب میں بھی گرفتار کرلیتا ہے جس طرح قوم مدین کو کیا تھا کیونکہ کائنات جس نہج پر پیدا ہوئی ہے وہ حق کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور باطل کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی اسی لیے یہاں حق کو دوام واستقرار ہے اور باطل کو دوام نہیں ہے لہٰذا خلق عظیم کے مالک کو حکیمانہ حکم دیا جارہا ہے کہ آپ مخالفت کرنے والوں سے اچھائی وعمدگی سے درگذر کریں کیونکہ اعراض ودرگذر کے بغیر دعوت حق کا کام موثر انداز میں نہیں کیا جا سکتا ہے اللہ ان سے انتقام لے گا آپ اس کا شکوہ بھی نہ کریں۔ واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجراً جمیلاً۔ (المزمل۔۱۰)۔

۴۳۔ ولقد اتیناك۔ الآیة۔

سبع مثانی کا تذکرہ

قریباً تمام مفسرین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سبعاً من المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں جن میں سے ایک بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور اسے مثانی جو کہ مثنی کی جمع ہے اس لیے کہا جاتا ہے

کہ اسے نماز میں دھرایا جاتا ہے یعنی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے (عیون الاخبار میں) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے (تفسیر عیاشی میں) یہی مروی ہے اور بعض مفسرین نے اس سے وہ سات بڑی سورتیں مراد لی ہیں جن میں دو دو سو آیتیں ہیں (مجمع البیان) حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا خدا نے تورات کی جگہ مجھے طویل سورتیں اور انجیل کی جگہ سو سو آیتوں والی سورتیں اور زبور کی جگہ مجھے مثانی عطا فرمائی ہیں (اصول کافی) اس سے سورہ فاتحہ کی بڑی عظمت واہمیت واضح وعیاں ہوتی ہے کہ خدا نے قرآن کی نعمت عظمیٰ کے بالمقابل سورۃ فاتحہ کو وہ دوسری نعمت کبریٰ شمار کیا ہے جن کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اس کے مطالب ومعانی کی وسعت وہمہ گیری کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

۴۴۔ لاتمدن عینیك الآیة۔

دنیاوی نعمتوں کی طرف نگاہ کرنے کی ممانعت

خداوند حکیم حضرت رسولؐ خدا کو قرآن کی نعمت عظمیٰ عطا کرنے کے بعد جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری دولتیں اور نعمتیں ہیچ ہیں فرماتا ہے کہ آپ ان نعمتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو ہم نے دنیا کے مختلف قسم کے کافروں، مشرکوں اور یہود ونصاریٰ اور ہنود کو دے رکھی ہیں۔ کیونکہ خدا نے پیغمبر اسلام کو قرآن واسلام کی جو روحانی دولت گرانمایہ عطا فرمائی ہے وہ قابل رشک ہے نہ کہ وہ مادی نعمت جو ان لوگوں کو عطا کی گئی ہے حضرت جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا۔ قال رسول اللہ من اوتی القرآن فظن ان احداً من الناس اوتی افضل مما اوتی فقد عظم ما حقر اللہ وحقر ما عظم اللہ۔ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن (کا علم) عطا کیا جائے اور وہ خیال کرے کہ کسی شخص کو اس سے بہتر نعمت عطا کی گئی ہے تو اس نے اس چیز کو بڑا سمجھا جسے خدا نے حقیر قرار دیا ہے اور اس چیز کو حقیر سمجھا ہے جس کو خدا نے عظیم قرار دیا ہے (کافی، صافی) (کافی وصافی) چنانچہ ہادیان برحق کا ارشاد ہے کہ دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھو اور دین میں اپنے سے بہتر وبرتر کو دیکھو تاکہ تمہارے اندر جذبہ تشکر وامتنان پیدا ہو اور کفران نعمت سے محفوظ رہو۔

۴۵۔ ولاتحزن علیھم۔ الآیة۔

چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ کفار اسلام لائیں اور جہاں اسلام کی تقویت کا باعث نہیں وہاں اپنی عاقبت کو بھی سنواریں اور جب وہ اسلام نہیں لاتے تھے تو آنحضرتؐ اس کی وجہ سے کڑھتے تھے اور آپ کو اس کا رنج وملال ہوتا تھا تو خداوند عالم آپ کو تسلی دے رہا ہے کہ جن کو اپنے نفع ونقصان کا احساس نہیں اور خیر خواہ

وبدخواہ میں تمیز نہیں آپ ان کے غم میں کیوں کڑھتے ہیں؟ سبحان اللہ کیا شان رحمۃ للعالمینی ہے؟؟

۵۶۔ واخفض جناحك۔ الآیة۔

مخلص اہل ایمان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرنے کا حکم

اس فقرہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلص مومنین کے ساتھ تواضع سے پیش آنے اور ان کے لیے شفقت کا بازو جھکانے کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا خدا کے لیے تواضع کے مترادف ہے جس طرح کہ خائنین ومفسدین کے ساتھ تکبر سے پیش آنا جہاد فی سبیل اللہ کے زمرہ میں شامل ہے (تفسیر کاشف) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی حق کو ایمان نہ لانے والوں پر افسوس نہیں کرنا چاہیے اور اپنی پوری توجہ ایمان لانے والوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی دلجوئی پر مبذول کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرنا چاہیے۔

۴۷۔ کما انزلنا علی۔ الآیة۔

مقتسمین سے کون لوگ مراد ہیں؟

ان تقسیم کرنے والوں سے مراد کون ہیں؟ اور قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے کیا مراد ہے؟ مشہور یہ ہے کہ ان مقتسمین سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے اس معنی میں قرآن کو تقسیم کیا تھا کہ اس کے وہ حصے جو انکے مفادات ومصالح کے موافق ہوتے تھے وہ انہیں مانتے تھے اور جو حصے ان کے اغراض ومقاصد اور ان کی رسموں ورواجوں سے ٹکراتے تھے انہیں نہیں مانتے تھے ان کی حالت بیان کی گئی ہے۔ **افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض**۔ (سورہ بقرہ) بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ پر قرآن اسی طرح نازل کیا ہے جس طرح مقتسمین پر کتابیں (توراۃ وانجیل) نازل کی تھیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے وہ سولہ آدمی مراد ہیں جن کو حج کے موسم میں ولید بن مغیرہ نے مکہ کے مختلف راستوں پر متعین کردیا تھا جو ان راستوں سے گذرنے والوں کو پیغمبر اسلامؐ سے بدظن کرتے تھے اور ان کا شکوہ وشکایت کرکے لوگوں کو آپ پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور خود ولید مسجد الحرام کے دروازہ پر بیٹھ کر آنحضرتؐ کی پرزور تردید اور اپنے گماشتہ لوگوں کی تائید کرتا تھا (مجمع البیان وقرطبی) بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ میں تمہیں اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو ہم نے مقتسمین پر نازل کیا تھا مگر اس مفہوم کی بنا پر ان لوگوں کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا مطلب اسی طرح ناقابل فہم ہے جس طرح پہلے مفہوم کی بنا پر قرآن سے توراۃ مراد لینے کا مطلب بعید از فہم ہے بہرحال ان سب

سے پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے؟

۴۸۔ فاصدع بما تؤمر۔ الآیۃ۔

حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا کہ اعلان نبوت کے بعد تین سال تک اور بروایتے پانچ سال تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طور پر عبادت خدا کرتے تھے اور تبلیغ وہدایت کا سلسلہ بھی مخفی طریقہ پر جاری تھا ایک ایک دو دو آدمیوں کو خفیہ طور پر ارشاد و تبلیغ کرتے تھے۔ کیونکہ علی الاعلان تبلیغ رسالت کرنے سے کفار کی سخت ایذا رسانی کا سخت اندیشہ تھا یہاں تک کہ خدا نے ان اشرار کے شر سے حفاظت کرنے کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی اور علی الاعلان تبلیغ وارشاد کرنے کا حکم دیا اور پھر یہ سلسلہ شروع ہوا وہ لوگ جو پیغمبر اسلامؐ کا استہزاء وتمسخر اڑاتے تھے اور آپ کی ایذا رسانی میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ تھی مگر ان کے سرغنہ پانچ آدمی تھے۔ اولید بن مغیرہ۔ ۲۔ عاص بن وائل۔ ۳۔ اسود بن المطلب۔ ۴۔ حارث بن طلحہ۔ ۵۔ اور اسود بن عبد یغوث سب لوگ جو حضرت رسول خدا کو ہلاک کرنے کی دھمکیاں دیتے تھے مگر آپؐ کا تو بال بھی بیکا نہ کر سکے لیکن وہ خود مختلف عذابوں میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہو گئے (مجمع البیان وغیرہ) اور اس طرح خدا نے آپؐ کا مذاق اڑانے والوں کے شر سے آپ کی کفایت وحفاظت کی **وھو اصدق الصادقین**۔ اور یہ بد بخت عنقریب اپنا انجام معلوم کر لینگے۔

۴۹۔ واعرض۔ الآیۃ۔

ایک داعی حق کو الجھنے والوں سے روگردانی کرنے کا حکم

داعی حق کو ہر قسم کے ناملائم حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لوگ بھاتوں بھات کی باتیں کرتے ہیں لہٰذا اگر وہ ان الجھنے والوں سے الجھنا شروع کر دے تو وہ کوئی مثبت کام نہیں کر سکتا لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ اعراض وروگردانی کا طریقہ اختیار کرے اور طرح طرح کی بے معنی باتیں کرنے والوں سے نہ الجھے بلکہ اپنی ساری توجہ حق کا اعلان کرنے اور بے کم وکاست اسے لوگوں تک پہنچانے پر مرکوز کرے تب کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوگا۔

۵۰۔ ولقد نعلم۔ الآیۃ۔

منکرین کی ایذا رسانیوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔

اور یہ دل تنگی ایک طبعی اور فطری امر ہے بھلا وہ رحمۃ اللعالمین جس کا دل ودماغ خلق خدا کی خیر خواہی

سے لبریز ہو جو رات دن ایک کر کے اور خون پسینہ بہا کر مخلوق خدا کو جہنم سے بچانے اور جنت الفردوس میں پہنچانے کی تگ و تاز میں ہمہ تن مصروف ہو مگر سفلہ فطرت مخالفین آپ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائیں اور مختلف الزام و اتہام لگائیں کوئی آپ کو دیوانہ کہے تو کوئی جادوگر اور کوئی طنز و تمسخر کے نشتر چلائے تو ان حالات میں دل کا تنگ ہونا اور سینہ میں گھٹن کا محسوس ہونا تو فطری امر ہے خداوند عالم نے اپنے حبیب مصطفیٰ کو دو طرح تسلی دی ہے ایک اس طرح کہ **مایقال لك الاماقد قیل للرسل من قبلك**۔ کہ آپ کے بارے میں وہی باتیں کہی جارہی ہیں جو آپ سے پہلے گذرے ہوئے رسولوں کے بارے میں کہی جاتی رہی۔ **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل**۔ لہٰذا آپ اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم انبیاء نے صبر کیا۔ اور دوسرا اس طرح کہ **فسبح بحمد ربك الایہ**۔ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی بارگاہ میں سجدہ کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک داعی کو مخالفین کی ناجائز باتوں سے صدمہ پہنچے اور دل تنگ ہونے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ خدا کی تسبیح و تقدیس اور نماز و عبادت میں مشغول ہو جائے کیونکہ تکلیفوں اور لوگوں کی ایذا رسانیوں کے مقابلے میں اگر طاقت مل سکتی ہے تو خدا کی بندگی اور نما پر مداومت کرنے سے یہی چیز تمہارے اندر صبر و استقامت اور ناموافق حالات کا مقابلہ کرنے کی ایسی توانائی پیدا کرے گی کہ تم دنیا بھر کی گالیں کھا کر بھی نہ بدمزہ ہو گے اور نہ ہی اپنے فرض کی ادائیگی ترک کرو گے چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ کسی وجہ سے غمگین ہوتے تھے تو نماز کی پناہ لیتے تھے (مجمع البیان)

۵۱۔ فاعبد ربك الآیۃ۔

موت تک عبادت کرنے کا حکم اور صوفیوں کی تردید

یہاں یقین سے کیا مراد ہے۔؟ جس کی آمد تک برابر عبادت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے؟ جمہور مفسرین اسلام کا اتفاق ہے کہ یہاں الیقین سے مراد موت ہے کیونکہ موت اس قدر یقینی امر ہے کہ خدائے حکیم نے اس کا نام ہی یقین رکھ دیا ہے بنابریں مفہوم یہ ہوگا کہ اس وقت تک برابر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو۔ **حتیٰ یائتیك الموت** یہاں تک کہ موت آجائے جیسا کہ سورہ مدثر کی اس آیت **وکنا نکذب بیوم الدین حتیٰ اتانا الیقین**۔ میں الیقین سے مراد موت ہے۔ ہاں البتہ بعض مدعیان تصوف وعرفان نے اس سے معرفت مراد لی ہے یعنی سیر وسلوک کی راہ میں ایک ایسی منزل آجاتی ہے۔ کہ جب عارف اس پر پہنچتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ **العبادۃ قنطرۃ المعرفۃ**۔ کہ عبادت تو معرفت

حاصل کرنے کا ایک پل ہے جو منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ نظریہ محض کفر والحاد ہے جیسا کہ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے صراحت کی ہے کہ ''وھذا کفر وضلال وجھل'' کہ یہ کفر ہے، گمراہی ہے اور جہالت ہے (ابن کثیر) اور اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اس صوفی صافی اور اس مدعی معرفت کا مقام حضرت پیغمبر اسلام اور حضرت امیر علیہ السلام کی معرفت پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ وہ تو اپنے آخری لمحات حیات تک خدا کی عبادت کرتے رہے تھے حتیٰ کہ حضرت امیر کی شہادت بھی عین حالت نماز میں ہوئی تھی ہم ایسے ملحدین کے بارے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ۔

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اللھم وفقنا لعبادتك وطاعتك واجتناب معصيتك حتیٰ یأتینا الیقین بحق النبی وآله الطاھرین علیہ السلام۔

سورۃ النحل کا مختصر تعارف

وجہ تسمیة

چونکہ اس سورہ مبارکہ میں خصوصی طور پر شہد کی مکھی کا تذکرہ کا کیا گیا ہے(واوحی ربك ربك الی النحل الایه)اس لیےاس کا نام سورۃ النحل رکھا گیا ہے۔

عہد نزول

اس سورہ کے مضامین ومطالب سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی ہے جبکہ کفار قریش کی ایذا رسانی اور ستم ظریفی ظلم کی آخری حد کو چھوڑ رہی تھی اور اس سے پہلے ہجرت حبشہ واقع ہوچکی تھی جیسا کہ الذین هاجرو افی الله من بعد ماظلموا۔ سے ظاہر ہے اور ہجرت مدینہ کے سب اسباب جمع ہو چکے تھے اور اب وہ وقوع پذیر ہونے والی تھی۔

اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست

۱۔دلائل وبراھین اور انفس وافاق کے شواہد وآثار سے خدا کی وحدانیت ویکتائی کا اثبات اور شرک کا ابطال۔

۲۔خداوندعالم کی نعمتوں کے بے شمار ہونے اور ان میں سے بعض نعمات الٰہیہ کا تذکرہ۔

۳۔پیغمبر اسلام کو نہ ماننے بلکہ ان کا تمسخر اور مذاق اڑانے کے برے عواقب ونتائج پر تنبیہ۔

۴۔ہر قوم میں پیغمبروں کے بھیجے جانے اور ان کے پیغام کی یکسانیت کا تذکرہ۔

۵۔ہر نبی اپنی امت کا گواہ ہوتا ہے اور حضرت پیغمبر خاتمؐ ان گواہوں کے بھی گواہ ہیں۔

۶۔گمراہ کرنے والے کا گمراہوں کے عذاب میں شریک ہونے کا ذکر۔

۷۔لڑکیوں کی ولادت پر رنجیدہ ہونا جاہلی دور کی یادگار ہے۔

۸۔قیامت کے قریب ہونے کا تذکرہ۔

۹۔نیک اعمال کے دنیاوآخرت کی بہتری کے ضامن ہونے کا تذکرہ۔

۱۰۔قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے مقدس موقع پر شیطان سے پناہ مانگنے اور خدا سے استمداد کرنے کا حکم۔

۱۱۔بوقت ضرورت تقیہ کے جواز کا صریحی بیان۔
۱۲۔ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم۔
۱۳۔ارشاد وہدایت کے لیے حکیمانہ انداز گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت۔
۱۴۔مبلغ اسلام کے لیے صبر و استقامت تحمل ورواداری وغیرہ صفات کا ضروری ہونا۔
۱۵۔منکرین رسالت کے جملہ اعتراضات اور کٹ حجیتوں کے جوابات۔
۱۶۔حق کی خاطر مصائب جھیلنے والوں کی حوصلہ افزائی اور کفر وشرک کے علم برداروں کی تہدید۔
۱۷۔حق وحقیقت کو جھٹلانے والوں اور اپنی ضد پر اڑے رہنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید۔
وغیرہ وغیرہ۔

سورہ نحل کی تلاوت کی فضیلت

۱۔حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا جو شخص سورہ نحل کی تلاوت کرے گا خدا اس سے ان نعمتوں کا محاسبہ نہیں کرے گا جن سے اس نے اسے دار دنیا میں نوازا تھا۔(مجمع البیان)

۲۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص ہر ماہ میں سورہ نحل کی تلاوت کرے گا تو خدا اسے ستر قسم کی بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا جن میں سے کم ترین بلا و مصیبت جنون، جذام، اور برص ہے اور خدا اس کا مسکن جنت عدن کو قرار دے گا جو دوسری جنتوں کے وسط میں واقع ہے (ایضاً)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۞ يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ‌ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۞ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّـطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۞ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا‌ ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۞ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ

وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهَا جَآىٕرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ کا حکم (عذاب) آ گیا ہے پس تم اس کے لیے جلدی نہ کرو وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں (۱) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ نازل کر دیتا ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو (ڈراؤ) کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے پس مجھ ہی سے ڈرو (۲) اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ جن چیزوں کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں وہ ان سے بلند و بالا ہے (۳) اس نے انسان کو نطفہ (پانی کی ایک بوند) سے پیدا کیا پھر وہ ایک دم کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا (۴) اور اسی نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے اور ان (چوپاؤں) میں تمہارے لیے گرم لباس بھی ہے اور دوسرے فائدے بھی اور انہی سے بعض کا تم گوشت کھاتے ہو (۵) اور ان چوپاؤں) میں تمہارے لیے زیب و زینت بھی ہے جب شام کو واپس لاتے ہو اور صبح جب (چراگاہ کی طرف) لے جاتے ہو۔ اس وقت ان کا منظر کیسا خوش آئند ہوتا ہے) (۶) اور یہ (جانور) تمہارے بوجھ کو اٹھاتے ہیں اور اُن (دوردراز) شہروں تک پہنچاتے ہیں جن تک تم بڑی جانکاہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بے شک تمہارا پروردگار بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے (۷) اور اس سے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور اپنے لیے انہیں زینت بناؤ اور خدا وہ کچھ پیدا کرتا ہے (اور کرے گا) جو تم نہیں جانتے (۸) اور سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرنا اللہ کی ذمہ داری ہے اور ان میں کچھ راستے کج بھی ہوتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی) چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا (۹)

تشریح الالفاظ

۱۔رفئ کے معنی ہیں گرمی حاصل کرنے کا سامان یعنی گرم لباس۔ ۲۔تریحون کے معنی شام کو واپس لانے کے ہیں۔ ۳۔تسرحون کے معنی ہیں۔مویشیوں کو صبح چرنے کے لیے بھیجنا۔ ۴۔اثقالکم۔یہ ثقل کی جمع ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ ۵۔بشق الانفس کے معنی جان کاہی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔ اتی امر اللہ۔ الآیۃ۔

اتی امر اللہ کی تفسیر

بعض آثار میں امر اللہ سے عذاب خداوندی مراد لیا گیا ہے اور بعض اخبار میں اس سے قیامت مراد لی گئی ہے۔چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و مشرکین کو ایمان نہ لانے اور اپنے کفر و شرک پر قائم رہنے کی صورت میں خدا کے عذاب الیم کی تہدید و وعید کیا کرتے تھے اور یہ لوگ آپ کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو پھر وہ عذاب کیوں نہیں لاتے۔فامطر علینا حجارۃ من السماء او ئتنا بعذاب الیم۔ (الانفال ۳۲) جس قیامت کی ہولناکیوں سے آپ ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں وہ قیامت آپ کیوں نہیں لے آتے؟ مگر چونکہ خدائے علیم و حکیم کا ہر کام و اقدام اس کی حکمت و مصلحت کے تحت اپنے مقررہ وقت پر ہوتا ہے لوگوں کے جاہلانہ کلام و اقدام سے اس کے حکیمانہ فیصلے تبدیل نہیں ہوا کرتے چنانچہ اعلان نبوت کے بعد برابر تیرہ (۱۳) سال تک آنحضرتؐ نے کفار و مشرکین کی طعن و تشنیع برداشت کی اور ان کی ایذا اسانیوں اور ستم رانیوں پر صبر و ضبط سے کام لیا اب جبکہ ان کا ظلم و تشدد اپنی آخری حد تک پہنچ گیا تھا اب ہجرت کی گھڑی آنے والی اور اذنِ جہاد ملنے والا ہے جہاد کی شکل میں ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے اور ان لوگوں کا غرور و پندار سب خاک میں ملنے والا ہے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اتی امر اللہ۔اللہ کا حکم (عذاب) آ گیا جو جنگ بدر سے شروع ہونے والا ہے۔اور قیامت بالکل قریب ہے۔اقتربت الساعۃ و انشق القمر۔

جب کوئی بات

جب کوئی بات یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والی ہو اور انتہائی قریب ہو تو اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے تا کہ مخاطبین کو اس کے انتہائی طور پر یقینی الوقوع ہونے کا یقین دلایا جا سکے کہ آخری فیصلہ کن اقدام کا وقت آ گیا ہے۔ غیر بعید کل ما ھو آتٍ۔

مخفی نہ رہے کہ بعض روایات میں یہاں ''امر اللہ'' سے حضرت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کی آمد بھی مراد لی گئی ہے چنانچہ صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت مہدیؑ کی تشریف آوری سے قبل جبرائیلؑ زمین پر نازل ہوں گے اور اپنا ایک قدم کعبہ پر اور دوسرا بیت المقدس پر رکھ کر آواز دینگے کہ اتی امر اللہ اس وقت حضرت قائم ظہور فرمائینگے اور مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز پڑھیں گے اور تین سو تیرہ اصحاب باصفا آپ کے ہمراہ ہوں گے (تفسیر برہان)

۲۔ ینزل الملائکة بالروح۔ الآیة۔

یہاں روح سے کیا مراد ہے؟

یہاں روح سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے اکثر مفسرین نے یہاں روح سے وحی مراد لی ہے جیسا کہ اس آیت میں روح سے مراد وحی ہے و کذلك اوحینا الیك روحاً من امرنا ما کنت تدری مالکتاب ولا الایمان۔۔

یا اس آیت میں بھی روح سے مراد وحی ہی ہے یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ۔ بنابریں وحی کی روح سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جسم روح کے ذریعہ زندہ ہوتا ہے اسی طرح انسانی دل و دماغ اور اسکی روح وحی سے زندہ ہوتی ہے اور وہ وحی یہ ہے کہ۔ ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون۔ اور بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ یہاں روح سے مراد وہی مخصوص روح القدس ہے جو شان و شوکت میں جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبت ہے جو تائید و تسدید کی غرض سے انبیاء اور ان کے اوصیاء کے ہمراہ ہوتا ہے اور اسی طرح سرکار محمد و ال محمد علیہم السلام کے ہمراہ بھی تھا (تفسیر صافی) اس امر کی تفصیل کے لیے ہماری اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کا مطالعہ کیا جائے الغرض خدائے حکیم کی یہ سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کی غرض سے اپنے بندوں میں سے جس بندہ خاص کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اسے وحی نبوت سے نوازتا ہے اور اس وحی الٰہی کی سب سے بڑی غرض و غایت توحید الٰہی کی

تلقین وتعلیم ہوتی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے لہٰذا صرف اسی کی بندگی کرنی چاہیے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا فاعبدون۔

۳۔ خلق السموات والارض۔الآیۃ۔

خدا کی وحدانیت کے دلائل

یہاں سے توحید الٰہی کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے چنانچہ اس سلسلے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خدا وہ ہے جس نے آسمان وزمین کا یہ تمام کارخانہ قدرت حق اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کارخانہ قدرت کی کوئی چیز بے کار نہیں ہے بلکہ سراسر مبنی برحقیقت ایک نظام ہے اور اس نظام کا استحکام اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ اس نظام کا چلانے والا واحد ویگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور نہ ہی پورے نظام کائنات میں اس کے کسی شریک کا نام نظر آتا ہے اور نہ ہی اس کی صنعت وقدرت کا کوئی نشان دکھائی دیتا ہے۔ ع

جو دوئی کی بوبھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا۔

تو پھر کسی طرح آنکھیں بند کر کے اس کا کوئی شریک تسلیم کر لیا جائے؟ حضرت امیر المومنینؑ امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یابنی! **لو کان لربك شریك لاتتك رسله ولرائیت اثار ملکه و سلطنة**۔ اے بیٹا اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو تمہارے پاس اس کے رسول آتے اور تم اس کائنات میں اس کے وجود اور اس کی مملکت کے کچھ علامات وآثار بھی دیکھتے (نہج البلاغہ) **تعالیٰ عما یشرکون**۔

۴۔ خلق الانسان۔الآیۃ۔

نطفہ سے انسان کی خلقتِ عجیبہ کا تذکرہ

اس آیت میں قدرت خدا کی اس کرشمہ سازی کی طرف حضرت انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ انسان جو تخلیق کائنات کا شاہکار ہے اور حسن وجمال اور ہر قسم کے ہنر وکمال میں یگانہ روزگار ہے جس کی بلندی ہمت کا یہ عالم ہے کہ آج ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور جس کے حسنو جمال کے سامنے سورج و چاند کی چمک دمک بھی ماند پڑ جاتی ہے اور جس کے رعب ودبدبہ سے شیر نیستان بھی لرزہ براندام ہیں قادر مطلق اور حکیم مطلق نے اسے پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کے یہ نقش ونگار بنائے ہیں اور پھر اس کو بال کی کھال نکالنے کی قوت وقدرت عطا فرمائی ہے اور اسے وہ قوت گویائی مرحمت فرمائی ہے کہ جب کسی چیز کو بڑھانے پر آتا ہے تو

ذرہ کو آفتاب اور سراب کو آب بنا دیتا ہے۔ اور جب گھٹانے پر آتا ہے تو سماک کو سمک اور کہکشاں کو آتش فشاں کی سطح تک نیچے لے آتا ہے بنابریں چاہیے تو یہ تھا کہ یہ اپنی اصلیت پر غور و فکر کرتا اور فخر و مباہات نہ کرتا اور اپنے خالق و منعم کے لطف و کرم پر غور کر کے اس کی بندگی اختیار کرتا اور معارف شرع کا انکار نہ کرتا۔

مگر وہ اپنے موجد کے وجود اور اس کے فرستادگان کا انکار کرتا ہے اور بات بات پر ان سے جھگڑا کرتا ہے۔ الجھتا ہے اور اپنی اصلیت کو بھول کر اب ان کے منہ آتا ہے اور کہیں سے بوسیدہ ہڈی لا کر اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رگڑ کر اور راکھ کو ہوا میں اڑا کر کہتا ہے **من یحی العظام وھی رمیم**۔ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ ارشاد قدرت ہوتا ہے۔ **قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ**۔ میرا حبیب اس سے کہہ دو کہ اسے وہی قادر مطلق دوبارہ زندہ کرے گا جس نے اسے پہلے پیدا کیا تھا **وھو بکل شئی علیم**۔ اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علمی احاطہ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کس کا کونسا جزء کہاں ہے اور پھر اسکی جمع آوری اور اسے دوبارہ خلق کرنے پر قادر و توانا بھی ہے۔ **وھو علی کل شئی قدیر**۔

۵۔ والانعام خلقھا۔ الآیۃ۔

چوپایوں کی خلقت کے چند فوائد کا بیان

انعام نعم کی جمع الجمع ہے جس کے معنی اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری وغیرہ مویشی کے ہیں اس آیت میں خدائے رحیم و کریم نے ان چیزوں کی خلقت کا تذکرہ فرمایا ہے جو انسان کے فائدہ کے لیے خلق کی گئی ہیں جیسا کہ **خلقھا لکم**۔ کی لام اجلیہ سے واضح ہے اور یہاں ان کے چند فائدے بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ان میں سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ **لکم فیھا دفا** سے مراد وہ حرارت ہے جو انسان ان مویشیوں کی اون وغیرہ سے تیار شدہ ملبوسات سے سردیوں میں حاصل کرتا ہے اس میں اونی کپڑے، کھال کی ٹوپیاں اور پوستینیں سب داخل ہیں۔

۲۔ ومنافع۔ دوسرے وہ بے شمار فوائد و منافع ہیں جیسے زندہ جو پاؤں کا دودھ، دہی، مکھن وغیرہ اور ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت چمڑا، ہڈی اور بال وغیرہ الغرض انسان ان جانوروں سے خوراک بھی حاصل کرتا ہے۔ اور پوشاک بھی اور دوسرے بے شمار فوائد و عوائد بھی بنابریں ان فوائد میں سب چیزیں داخل ہیں جو اب تک حیوانی اجزاء سے انسانی غذا، دوا اور لباس کے سلسلہ میں ایجاد ہو چکی ہیں یا جو آئندہ وجود میں آئیگی۔

۳۔ ومنھا تاکلون۔

یعنی تم ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتے ہو اور اسے اپنی لذیذ خوراک بناتے ہو۔

۴۔ ولکم فیھا جمال۔

عام عربوں کے ذوق کے مطابق جب صبح سویرے تم ان مویشیوں کو چرانے کے لیے چراگاہوں میں لے جاتے ہو اور شام کو جب چراگاہوں سے واپس گھر لاتے ہو تو اس میں تمہارے لیے زیب وزینت ہے اور تزک واحتشام کا سامان ہے۔

۵۔ وتحمل اثقالکم۔

یہاں ان جانوروں، بالخصوص اونٹ کا پانچواں فائدہ بیان کیا گیا ہے جسے صحراء کا سفینہ کہا جاتا ہے اور اسی طرح بیل بھی جن پر وزنی سامان ان دور دراز شہروں تک بآسانی پہنچایا جاسکتا ہے جن تک انسان اور اس کے سازوسامان کی رسائی جان کو جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں ہے حتیٰ کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جبکہ ریل گاڑیوں، ٹرکوں اور ہوائی جہازوں نے مہینوں کے راستے گھنٹوں میں طے کر دیئے ہیں کئی ایسے مقامات ہیں جہاں آدمی انہی جانوروں سے کام لینے پر مجبور ہوتا ہے الغرض کارخانہ قدرت کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی حکمت کے تحت بنائی گئی ہے کوئی چیز بھی عبث اور بے کار نہیں بنائی گئی بنابریں حضرت انسان کو بھی سوچنا چاہیے کہ جب ہر چیز کسی مقصد کے لیے بنائی گئی ہے تو اس کا وجود بھی عبث و بے کار نہیں ہے بلکہ اس کی تخلیق کا بھی کوئی عظیم مقصد ہے سورہ مومنون میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ افحسبتم انما خلقنا کم عبثاً وانکم الینا لاترجعون۔ (کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور کیا تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟) وہ مقصد کیا ہے اپنے خالق و مالک کی عبادت و پرستش کرنا ہے یعنی اس کے حکم کے مطابق زندگی گذارنا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

۶۔ والخیل والبغال۔ الآیۃ۔

اونٹ اور بیل وغیرہ کے بعد خدائے رحمن نے ان جانوروں کا تذکرہ کیا ہے جو سواری کے کام بھی آتے ہیں اور باربرداری کے بھی اور سرداری کے لوازم میں سے ہونے کی وجہ سے شان وشوکت اور زیب وزینت کا ذریعہ بھی ہیں۔

گھوڑے وغیرہ کے گوشت کی حلت وحرمت میں اختلاف کا بیان

یہاں اس بات کا اجمالی تذکرہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے کی تخلیق بھی انسان کے فائدہ کے لیے عمل میں آئی ہے اوران کا وجود انسان کے لیے فائدہ رساں ہے جن سے وہ سواری اور بار برداری کا کام لیتا ہے البتہ امت مسلمہ میں ان جانوروں کی حلت وحرمت میں اختلاف ہے چنانچہ امامیہ کراہت کے ساتھ ان کی حلت کے قائل ہیں مگر برادران اسلامی کے ائمہ اربعہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے چنانچہ فاضل شعرانی نے اپنی کتاب المیز ان الکبری مطبوعہ مصر میں گھوڑے کے گوشت کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے حلت اور شافعی، مالک اور ابن حنبل سے حرمت کا قول نقل کیا ہے اور خچر اور گدھے کے گوشت کے بارے میں امام ابوحنیفہ، شافعی اور ابن حنبل سے حرمت کا امام مالک سے کراہت کا قول نقل کیا ہے۔ واللہ العالم۔

۷۔ ویخلق مالا تعلمون۔ الآیة۔

خدا بے شمار مخلوق کا خالق ہے

خدا وہ کچھ پیدا کرتا ہے اور کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انسانی عقل وعلم بہت محدود ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ اس وقت بعض ایسی چیزیں انسان کی خدمت اور اسے نفع رسانی میں مصروف ہوں جن کا انسان کو کوئی علم ہی نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے نوایجاد چیزیں مراد ہوں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھیں بلکہ بعد میں ایجاد ہوئیں جیسے موٹریں، ریل کاریں، بحری وبری جہاز وغیرہ اور اس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو قیامت تک ایجاد ہوں گی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
سوچتا ہوں میں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

۸۔ وعلی اللہ۔ الآیة۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ راستہ دکھانا ۲۔ منزل مقصود تک پہنچانا۔ اور یہ بات بھی اسی مقام پر اجاگر کی جا چکی ہے کہ راستے دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ ا۔ ایک سیدھا راستہ جو بآسانی آدمی کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ ۲۔ غلط راستہ جس پر چلنے والا راہ میں بھٹک جاتا ہے نیز اسی جگہ پر یہ بات بھی آشکار کی جا چکی ہے کہ خدائے رحیم وکریم نے ازراہ لطف وکرم انبیاء ومرسلین اوران کے اوصیاء منتجبین کے ذریعہ سے انسان کو راہ راست کی رہنمائی کرنا اپنے ذمہ لے لیا ہے مگر ہاتھ سے پکڑ

کر منزل مقصود تک پہنچانا اسکی ذمہ داری نہیں ہے۔ہاں البتہ اگر وہ اپنی مشیت قاہرہ سے ایسا کرنا چاہتا تو سب کو زبردستی ہدایت دے دیتا۔مگر ایسا کرنا چونکہ اسکی حکمت بالغہ کے خلاف ہے لہٰذا وہ ایسا نہیں کرتا۔

آیات القرآن

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ۙ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷

ترجمۃ الآیات

وہ وہی ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے لیے) آسمان سے پانی برسایا جس سے تم پیتے بھی ہو اور جس سے وہ درخت (اور سبزے اگتے ہیں) جن میں تم (اپنے جانور) چراتے ہو (۱۰) اسی (پانی) سے وہ (خدا) تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا

ہے بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے(۱۱) اور اسی نے تمہارے لیے رات، دن، سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے (تمہارے کام میں لگا دیا ہے) اور ستارے بھی مسخر ہیں (یہ سب تسخیر) اسی کے حکم سے ہے بے شک اس میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے بہت ہی نشانیاں موجود ہیں (۱۲) اور اس نے تمہارے لیے زمین میں جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں اور مسخر کی ہیں اس میں سوچنے سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے (۱۳) اور وہ وہی ہے جس نے سمندر (کو تمہارا) مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تر وتازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور کی چیزیں (موتی وغیرہ) نکالو جنہیں تم (آرائش کے لیے) پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور اس (خدا) نے زمین میں بھاری بھرکم پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں تاکہ وہ تمہیں لے کر کہیں ڈھلک نہ جائے اور اس نے نہریں رواں دواں کر دیں اور راستے بنائے تاکہ تم (خشکی وتری میں) راہ پاؤ (اور منزل مقصود تک پہنچ جاؤ)۔(۱۵) اور اس نے (قطع مسافت اور راستہ بتانے کے لیے) مختلف علامتیں مقرر کیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ پاتے ہیں (۱۶) کیا وہ (خدا) جو پیدا کرتا ہے اس کی مانند ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتا؟ کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (۱۷)۔

تشریح الالفاظ

۱۔تسیمون۔ یہ اسامہ ہے مشتق ہے جس کے معنی مویشیوں کو چراگاہ کی طرف لے جانے کے ہیں۔ ۲۔لحما طریاً طری کے معنی تازہ کے ہیں۔ ۳۔مواخر۔ یہ ماخرہ کی جمع ہے مخر ومخور کے معنی ہیں کشتی کا آواز کے ساتھ پانی کو چیرنا۔ ۴۔تمید بکم۔ تمید کے معنی زمین کا گھومنا اور ہلانا۔

تفسیر الآیات

۹۔ ھوالذی انزل۔الآیۃ

ان احسانات وانعامات کے گنوانے سے خدائے علیم وحکیم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کو

بتائے کہ اس رحیم وکریم نے اسے پیدا کر کے نظر انداز نہیں کیا بلکہ ان سب چیزوں کا انتظام کیا ہے جن کا اسکی نشوونما اور بقاء اور اس کی فوز وفلاح میں تھوڑا سا بھی دخل ہے اور یہاں خصوصیت سے پانی والی نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے جس پر نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کا دارومدار ہے خدانخواستہ پانی ناپید ہوجائے توان تمام چیزوں کی رنگینی خاک میں مل جائے بلکہ ان کی زندگی ہی ختم ہوجائے سچ ہے کہ **وجعلنا من الماء کل شئی حی** (القرآن) یہاں آسمان سے پانی برسانے کے نتیجہ میں جس کھیتی، زیتون، کھجور وانگور اور ہر قسم کے پھلوں کے اگانے اور حیوانات کی خوراک کے لیے گھاس بھوس اور چارہ پیدا فرمانے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تفصیلی بیان قبل ازیں اسی جلد میں سورہ ابراہیمؑ کی آیت ۳۲۔**وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقالکم الایہ**۔ میں گذر چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۱۰۔وسخر لکم الیل والنھار۔الآیۃ

انسان مخدوم کائنات ہے

خداوند عالم نے یہاں اپنے انعامات گنواتے ہوئے رات، آفتاب وماہتاب اور ستاروں کی جس تسخیر کا تذکرہ فرمایا ہے اس کی تفصیل اور اس تسخیر کی تشریح قبل ازیں سورہ رعد آیت ۲ اور سورہ ابراہیم آیت ۳۳۔ میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے مخفی نہ رہے کہ یہاں جو ''بامرہ'' کی لفظ موجود ہے اس کا تمام کائنات ارضی وسماوی کی تسخیر کے ساتھ تعلق ہے کہ اسی کے حکم سے یہ ساری مخلوقات اجرام سماوی وارضی تکوینی طور پر انسان کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں ع

تا تونانے بکف آری و بغفلت نخوری

الغرض خدا نے ساری کائنات کو انسان کا خادم اور انسان کو اس کا مخدوم بنایا ہے تاکہ اس کا شکر گذار بندہ بنے مگر اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور علم وآگہی کی موت کیا ہوگی کہ نادان انسان نے انہی چیزوں یعنی دریا، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح خادم کو مخدوم بنالیا اور ان چیزوں کے خالق و مالک کو بھلا دیا۔ سورج و چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والے تو کئی اقوام و مذاہب گذر چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مصر کے دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے جس طرح کہ ہندوستان میں آج بھی گنگا مائی، جمنا مائی وغیرہ دریاؤں کی پرستش ہورہی ہے جو عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے نیز اس ''بامرہ'' میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ یہ سب تدبیر وتسخیر خدا کے حکم کے تحت ہے نہ کہ طبیعت اور

نیچر کے تحت جیسا کہ نیچری لوگ گمان کرتے ہیں۔قاتلهم الله انی یؤفکون؟

۱۱۔وماذرالکم۔الآیة

یہ بھی سخرلکم کے تحت ہے یعنی منجملہ ان چیزوں کے جنہیں خدائے کریم نے انسان کیلئے مسخر کیا ہے ایک سطح زمین پر پائی جانے والی رنگ برنگ کی نباتات،حیوانات اورمعدنیات بھی ہیں انہیں بھی خدا نے انسان کیلئے مسخر کردیا ہے کہ وہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے یہ زمین اوراس سے پیدا ہونے والی اشیاءکوخدا بالکل سپاٹ اور یک رنگ بھی بنا سکتا تھا مگر علیم وحکیم خدا نے انہیں گونا گوں وبوقلمون اوررنگ برنگی اوراپنے عجائب قدرت کی نیرنگی کا شاہکار بنایا تا کہ حضرت انسان اس کے جس گوشہ وکونہ پر بھی نگاہ ڈالے وہیں اسے اپنے خالق وما لک کی حکمت وقدرت اوراس کی صناعی کی کوئی نہ کوئی عظیم نشانی مل جائے اوروہ مصنوع کے کمال سے اس کے صانع کے کمال پراستدلال کرے۔سچ ہے کہ۔

وفی کل شئی له اٰیة
تدل علی انه واحد

برگ درختان سبزدرنظر ہوشیار
ہرورقے دفریست معرفتِ کردگار

۱۲۔سخرالبحر...الآیة

سمندوں کے بعض فوائد کا تذکرہ

بحر کی لفظ کا مفہوم بڑا وسیع ہے جوسمندراوردریا دونوں کوشامل ہے خدائے رحیم کائنات ارضی وسماوی کی اپنی بعض نوازشات کا تذکرہ کرنے کے بعداب انسان کواپنی ایک اورعنایت گاہ کی طرف متوجہ کررہا ہے اوروہ ہے بحر ناپیدا کنار۔اسے بھی انسان کامسخر کردیا ہے کہ وہ اس سے گونا گوں قسم کے فوائد حاصل کرتا ہے جن میں سے یہاں تین فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۔لتاکلو امنه لحماًطریاً۔سمندرکاپہلا فائدہ یہ ہے کہ تم تروتازمچھلی کا گوشت کھاؤ۔اگرچہ حسب ظاہر قرآن مجید میں اس گوشت کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ کس چیز کا گوشت مراد ہے؟ مگروارثان علم قرآن کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے چھلکا دارمچھلی کا گوشت مراد ہے۔(کتب اربعہ) اور جہاں تک ملی مچھلی کے گوشت کاتعلق ہےتو وہ چونکہ مسوخات میں سے ہےاس لئے حرام ہے چنانچہ حضرت

امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ یہ ایک قوم تھی جو ڈارھی منڈواتی تھی اور مونچھیں نہ صرف بڑھاتی تھی بلکہ متکبرانہ انداز میں انہیں تاؤ بھی دیتی تھی جسے خدا نے ملی مچھلی کی شکل میں مسخ کردیا۔ (اصول کافی والخصال) اور باقی سب سمندری جانوروں کا گوشت بھی حلال نہیں ہے تفصیل کیلئے ہماری فقہی کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفر یہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔**تستخرجوا منه حلية**۔ یہ سمندر کا دوسرا فائدہ ہے حلیہ کے معنی زیور اور زینت کے ہیں جس سے موتی، مونگا اور جواہرات مراد ہیں۔ جنہیں مرد وعورت دونوں استعمال کر سکتے ہیں اگر چہ زیور عورتیں ہی پہنتی ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ یہ زیب وزینت مردوں کیلئے ہی کرتی ہیں اس لئے قرآن میں مذکر کی لفظ استعمال ہوتی ہے کہ ''تلبسونها''

۳۔**وترى الفلك مواخر الآية**۔ یہ سمندر کا تیسرا فائدہ ہے کہ انسان کشتیوں کے ذریعہ سے سمندر کا سینہ چیر کر دور دراز علاقوں کا سفر کرتا ہے جس میں تجارتی سفر بھی داخل ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارتی مال کی برآمد کر کے رزق حلال کماتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل قرار دیا ہے۔**ولتبتغوا من فضله** جیسا کہ سورہ جمعہ میں بھی رزق حلال کی جستجو کرنے کو اپنا فضل فرمایا ہے۔**واذا قضيت الصلوة فانتشروا فى الارض وابتغوا من فضل الله** (الجمعۃ)

مخفی نہ رہے کہ مواخر ماخرہ کی جمع ہے جو مخر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پانی کو چیرتے ہوئے اسے دائیں بائیں پھینکنا۔ نیز اس آواز کو بھی مخر کہتے ہیں جو کشتی کے پانی کو چیرنے سے پیدا ہوتی ہے یہ بات بھی عجائب قدرت میں سے ہے کہ سمندر بے کراں ہوتا ہے اور اس کی گہرائی بے پایاں ہوتی ہے نیز اس سے تندوتیز لہریں بھی اٹھتی رہتی ہیں مگر وہ اپنے خالق کے تکوینی حکم کے تحت انسانی کشتیوں کو اپنے دوش پر اٹھاتا ہے اور پھر انہیں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اگر یہاں یہ تسخیر الٰہی وتدبیر ایزدی کارفرما نہ ہوتی تو کسی ملک کے تجارتی اموال اور مصنوعات اسی ملک تک محدود ہو جاتے اور دوسرے ممالک تک نہ پہنچ پاتے اور دوسرے ممالک کے لوگ ان سے مستفید نہ ہو سکتے۔

۱۳۔والقى فى الارض رواسى۔۔۔الآية

رواسی راستہ کی جمع ہے جو بھاری بھرکم چیز ایک جگہ جم کر کھڑی ہو جائے اسے راسیہ کہتے ہیں اسی بنا پر پہاڑوں کو رواسی کہا جاتا ہے۔

حرکت زمین کا مسئلہ

زمین حرکت متدیرہ کرتی ہے (جیسا کہ جدید فلاسفر کہتے ہیں) یا نہیں کرتی (جیسا کہ قدیم فلاسفہ کہتے تھے) قرآن مجید کی اس آیت کو نفیاً یا اثباتاً اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی قرآن علم ہیئت کی کوئی کتاب ہے جو یہ مسائل بیان کرے جیسا کہ کئی بار اس بات کی پہلے وضاحت کی جا چکی۔

ہاں البتہ یہ بات طے شدہ ہے کہ خدائے حکیم نے اسے متوازن اجزاء سے نہیں بنایا ہے اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری اور کسی طرح سے ہلکی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے چونکہ اسکے اندر ایک اضطراری حرکت پائی جاتی ہے لہٰذا اندیشہ تھا کہ وہ اپنے اہل کو لے کر کسی ایک جانب نہ ڈھلک جائے اس لئے خالق حکیم نے اس پر پہاڑوں کا لنگر ڈال دیا تا کہ وہ ادھر ادھر نہ جھک سکے اسی مفہوم کو ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور وہ اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب خدا نے سمندروں کو پیدا کیا تو انہوں نے فخر کرتے ہوئے کہا کہ ہم پر کون غالب آئے گا تو خدا نے کشتی کو پیدا کر کے اس کو اس کے دوش پر چلا کر اس کا غرو توڑ دیا او جب زمین کو پیدا کیا تو اس نے فخر سے کہا کہ مجھ پر کون غالب آئے گا تو خدا نے پہاڑ پیدا کر کے اس کی پشت پر گاڑ کر اس کا پندار ختم کر دیا جس سے وہ قرار پکڑ گئی (تفسیر صافی الخصال)

آئمہ اہلبیت علیہم السلام ارکان زمین ہیں

ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام اور قانون قدرت کے تحت بنایا ہے کہ اسکی ہر ہر چیز علل واسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہر چیز اپنے مخصوص علل واسباب کے تحت وجود میں آتی ہے اور خاص اسباب کے تحت میں وہ پردہ عدم میں روپوش ہو جاتی ہے اور اگر کبھی اس کے خلاف ہو جائے تو اس کا نام معجزہ ہے جو خرق عادت کا دوسرا نام ہے یہ الگ بات ہے کہ علل واسباب کی وہ کڑیاں سب مادی ومرئی ہوں یا اس کی بعض کڑیاں مادی ومرئی ہوں اور بعض غیر مادی وغیر مرئی ہوں بہر حال اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقا کو اپنی حجت (نبی و امام) کے وجود سے وابستہ کر دیا ہے چنانچہ اگر ایک لمحہ کیلئے بھی زمین حجت خدا سے خالی ہو جائے تو وہ اپنے اہل کو لے کر پانی میں دھنس جائے جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے جو اصول کافی وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہیں اس لئے وارد ہے کہ الحجۃ قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق (حجت خدا مخلوق سے پہلے ہوتی ہے مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے اور مخلوق کے

بعد ہوتی ہے) بنابریں سرکار محمد وال محمد علیہم السلام ارکان زمین وآسمان بھی ہیں اور کائنات کیلئے باعث امن وامان بھی ہیں جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: اهلبیتی امان لاهل الارض کما ان النجوم امان لاهل السماء کہ میرے اہلبیت اہل زمین کیلئے اسی طرح باعث امن وامان میں جس طرح ستارے اہل آسمان کیلئے باعث امن وامان ہیں۔ (صواعق محرقہ وغیرہ) بنابریں اس وقت بھی کسی حجت خدا کا وجود ناگزیر ہے جس کی برکت سے عالم قائم ہے اور وہ بالاتفاق حضرت مہدی دوران اور امان العصر والزمان ہی ہیں۔ ولنعم ما قیل

قدم سے مہدی دیں کے زمین قائم ہے پانی پر
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

۱۴۔ وعلامات وبالنجم ۔۔۔ الآیة

یہ بات تو واضح ہے کہ خدائے حکیم نے ندی نالوں اور دریاؤں کے ساتھ ساتھ قدرتی راستے بھی بنائے ہیں تاکہ خشکی کے راستے لوگ ان پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکیں پھر انہی راستوں کی شناخت کیلئے مختلف علامات مقرر کئے ہیں جیسے کوئی درخت، کوئی چشمہ، کوئی ٹیلہ یا کوئی پہاڑی وغیرہ تاکہ رہرو بھٹک نہ جائے۔ مگر یہ سب علامات تو دن کے وقت کام دیتی ہیں لیکن جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور کوئی علامت نظر نہیں آتی ہے تو پھر جہاز ران ہوں یا کشتی بان صحرانورد ہوں یا کوچہ گرد سب ستاروں سے ہی راہنمائی حاصل کرتے ہیں نجم سے اسم جنس بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی تمام ستارے اور کوئی خاص ستارہ بھی مراد ہوسکتا ہے جیسے قطب ستارہ کہ قطب نما آلہ بھی اسی ستارہ کی سمت متعین کرتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس رحمٰن ورحیم خدا نے اس مادی زندگی میں مسافروں کی رہنمائی کے لئے انتظامات کئے ہیں کہ وہ بھٹک نہ جائیں تو کیا اس مہربان خدا نے انسان کی اخلاقی زندگی میں اس کی ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا؟ جس میں بھٹکنے کا نقصان وزیاں مادی زندگی میں بھٹکنے سے کئی گنا زیادہ ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یقیناً از راہ لطف وکرم اس راہنمائی کا انتظام کرنا خدا کے ذمہ ہے اور یقیناً اس نے کیا ہے چنانچہ انبیاء کی بعثت اور ان کے اوصیاء کا تقرر اسی مقصد کیلئے عمل میں آیا ہے۔ رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس حجة علی الله بعد الرسل۔ اسی بنا پر متعدد اخبار وآثار میں وارد ہے کہ

علامات سے مراد آئمہ اہلبیت اور نجم ہدایت سے مراد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (تفسیر قمی وصافی وبرہان وغیرہ)۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اسکی ظاہری تفسیر میں نجم سے جدی (قطب) ستارہ مراد ہے اور تاویل میں حضرت رسول خدا مراد ہیں۔ (تفسیر صافی)۔

۱۶۔ افمن یخلق ۔۔۔۔ الآیۃ

ان آیات کا نتیجہ

اس آیت اور اس سے پہلی اور پچھلی سب آیات اور ان میں بیان کردہ دلائل و بینات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک اور صرف ایک وہ خدائے علیم وحکیم ہے جس نے تمام کائنات کا کارخانہ قدرت پیدا کیا ہے اور پھر اسے احسن طریقہ پر چلا بھی رہا ہے اور دوسری طرف وہ اصنام اور معبودان باطل ہیں جنہوں نے نہ کوئی چیز پیدا کی ہے اور نہ ہی کر سکتے ہیں بلکہ وہ خود خدا کے پیدا کردہ ہیں کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟؟ اگر نہیں ہو سکتے اور یقیناً نہیں ہو سکتے تو پھر بقول مولانا ابوالکلام آزاد اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہو سکتی ہے کہ ان معبود ان باطل کو بھی پروردگار و عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک قرار دیا جائے (ترجمان القرآن) مالکم کیف تحکمون؟

آیات القرآن

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۸ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ۝۱۹ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ؕ ۝۲۰ اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ ۚ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ۝۲۱ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝۲۲ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ۝۲۳ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۲۴ لِيَحۡمِلُوۡۤا

اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے (۱۸) اللہ وہ (سب کچھ) جانتا ہے کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (۱۹) اور اللہ کو چھوڑ کر جن کو یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے (بلکہ) وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں۔ انہیں تو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ انہیں ان کے پجاریوں کو (دوبارہ) کب اٹھایا جائے گا (۲۱) تمہارا الہٰ بس ایک ہی الہٰ ہے سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ بڑے مغرور ہیں۔ (۲۲) یقیناً اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ (دلوں میں) چھپاتے ہیں اور اسے بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۲۳) اور جب ان سے کہا (پوچھا) جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں (کچھ بھی نہیں) بس اگلے لوگوں کی (فرسودہ) داستانیں ہیں (۲۴) اور اس کا انجام یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے گناہوں کا بھی پورا پورا بوجھ اٹھائینگے اور کچھ بوجھ ان کا بھی اٹھائیں گے جنہیں یہ بے سمجھے بوجھے گمراہ کر رہے ہیں (دیکھو) کیا ہی برا بوجھ ہے وہ جو یہ اٹھا رہے ہیں؟ (۲۵)

تشریح الالفاظ

ا۔ اساطیر الاولین۔ یہ اسطورہ کی جمع ہے جس کے معنی قصہ، حکایت اور داستان کے ہیں۔ ۲۔ اوزارہم۔ یہ وزر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گناہ، بوجھ، بھاری بوجھ۔ جنگ کے ہتھیار اور ساز و سامان کے متعلق کہا جاتا ہے۔ وضعت الحرب اوزارھا۔ یعنی لڑائی ختم ہوگئی۔

تفسیر الآیات

۱۶۔ وان تعدوا ۔۔۔۔ الآیۃ

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں

یہ آیت بعینہ قبل ازیں سورہ ابراہیم میں نمبر ۳۴ پر مع تفسیر گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے الغرض خداوند عالم یہ فرمارہا ہے کہ ''ان چند اشیاء'' کی پیدائش ہی پر کچھ موقوف نہیں اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رھین منت ہے کارخانہ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش وکرم کی نشانی ہے درختوں کا ہر پھول دھول کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی چہچہاہٹ اسکی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ ساری ہے تم درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں بھی گن لو گے تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرہ سے سوال کرو سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو تمہیں یہی جواب ملے کہ ان اللہ لغفور رحیم۔ جس نے یہ سب بنایا وہ بڑا ہی بخشنے والا ، بڑا ہی رحمت والا ہے (ترجمان القران) جو اسکی نعمتوں کے شکریہ ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور اپنی رحمت ورأفت کی وجہ سے اس سے جلدی نعمت سلب نہیں کرتا۔

۱۷۔ واللہ یعلم ۔۔۔۔ الآیۃ

یہ حاضر وغائب کی تفریق ہمارے اعتبار سے ہے اس کا علم کلی بھی ہے اور احاطی بھی اس کیلئے سب کچھ یکساں بھی ہے اور ہر ظاہر و باطن عیاں بھی لوگ اپنے دلوں میں جو غلط عقیدہ رکھتے ہیں یا جو عمل چھپا کر یا آشکار اطور پر کرتے ہیں وہ سب کچھ جانتا ہے اس پر سب کچھ عیان ہے کچھ بھی نہاں نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا اس لئے مخلوق کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے اور اس کی عصیاں کاری سے احتراز کرے۔

۱۸۔ والذین یدعون ۔۔۔ الآیۃ

قرآنی دلائل سے معبود برحق کی وحدانیت کا اثبات اور معبودان باطل کا ابطال

اس آیت شریفہ میں خدانے مشرکین کے مزعومہ معبودوں کی معبودیت پر جن کو وہ خداکو چھوڑ کر مشکلات کے وقت پکارتے تھے اور جن کی وہ پرستش کرتے تھے تین طرح کاری ضرب لگائی ہے۔

۱۔ جو معبود ہوتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خالق ہو نہ کہ مخلوق مگر یہ معبودانِ باطل مخلوق ہیں نہ کہ خالق۔

۲۔ معبود کیلئے لازم ہے کہ وہ زندہ ہو نہ کہ مردہ مگر یہ مردہ ہیں نہ کہ زندہ۔

۳۔ معبود کیلئے ضروری ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادہ ہو مگر یہ تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ یا ان کے پکارنے اور پوجنے والے کب دوبارہ اٹھائے جائینگے لہٰذا یہ سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر معبود نہیں ہو سکتے پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ساری کائنات کا معبود برحق واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے حق وحقیقت کے اس قدر واضح وعیاں ہونے کے باوجود اگر کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس کا دل ودماغ اس قدر فاسد ونا کارہ ہو چکا ہے کہ وہ ہر معقول بات کا انکار کرتا ہے اور وہ اس قدر مغرور اور خود سر ہو چکا ہے کہ اس کا غرور وتکبر اور اس کی خودسری، خودرائی حق کے سامنے اسے سرتسلیم خم نہیں کرنے دیتی۔ **وان اللہ لایحب المتکبرین**۔

ایضاح

یہاں جن خود ساختہ معبودوں کی رد کی جارہی ہے ان سے مراد صرف اصنام بے جان وغیرہ ہیں یا ذوی العقول اور اصحاب قبور بھی ان میں شامل ہیں؟ اس سلسلہ میں مفسرین اسلام میں قدرے اختلاف ہے اگر چہ اکثر مفسرین نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ دوسرا قول بھی یکسر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے اس سلسلہ میں جناب مولانا مودودی کا تحقیقی بیان قابل دید وداد ہے جسے من وعن یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہ۔ **ومایشعرون ایان یبعثون**۔ (اوران کو معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبار) زندہ کرکے اٹھاجائے گا) پر حاشیہ نمبر ۱۹ میں رقمطراز ہیں ''یہ الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ فرشتے یا شیاطین یا لکڑی پتھری کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اس لئے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں ''بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں اس لئے **مایشعرون ایان**

یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کردیتے ہیں اب لامحالہ اس آیت الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء، اولیا، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کیلئے پکارنا شروع کردیتے ہیں اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو ہم عرض کرینگے کہ یہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے اسکی ناواقفیت کا ثبوت ہے کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کلب، تغلب، قضاعہ، کنانہ، حرث اکعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہود پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء اولیاء، شہدا کی پرستش سے آلودہ تھے اور پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود گذرے ہوئے انسان ہی تھے جنھیں بعد کی نسلوں نے خدا بنالیا تھا بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ودسواع، یغوث، یعوق، نسرہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے ۔اسی طرح کی روایات لات اور منات اور عزیّ کے بارے میں بھی موجود ہیں ۔(تفہیم القران ج ۲)

۱۹واذاقیل لھم ...الآیۃ

کفار مکہ کے اکابر کی غلط روش کا تذکرہ

جب پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اور انکی دعوت کا چاردانگ عالم میں چرچا ہونے لگا تو کفار مکہ کے دو بڑے لیڈروں سے جب ان کے بارے میں پوچھا جاتا کہ تم میں جو نبوت کے دعویدار اٹھے ہیں وہ کیسے ہیں؟ اور ان پر جو کتاب نازل ہورہی ہے وہ کسی ہے؟ تو چونکہ ان لوگوں کو آپ کے نبی ماننے سے آپنی کبریائی و بڑائی خطرہ میں محسوس ہوتی تھی اس لئے وہ عموماً ایسے جواب دیتے تھے جس سے لوگ ان سے نفرت کریں اور ان کا کلمہ نہ پڑھیں مثلاً آنحضرت کے بارے میں تو وہ یہ کہتے کہ وہ ایک شاعر ہیں ایک کاھن ہیں، ایک جادوگر ہیں یا پھر کہتے کہ وہ ایک مجنون ہیں (العیاذ باللہ) اور قرآن مجید اور اس میں بیان کردہ موضوعات ومضامین کے بارے میں کہتے کہ وہ فرسودہ افسانے اور اگلے لوگوں کی بے بنیاد داستانیں ہیں اساطیر اسطورہ کی جمع ہے اور اسطورہ اس بے اصل بات کو کہتے ہیں جو کتاب میں درج تو ہو مگر اس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو۔ دعوت حق سے لوگوں کو اس طرح پھیرنا یا اسے ان کی نگاہوں میں مشتبہ کرنا خدا کے نزدیک بدترین جرم ہے۔

۲۰۔لیحملوا اوزارھم ...الآیۃ

لوگوں کو گمراہ کرنے کا انجام

یہ لام عاقبت ہے جو کسی کام کے نتیجہ اور انجام پر دلالت کرتی ہے الغرض یہ ان لوگوں کی اس غلط روش ورفتار کا انجام بیان ہورہا ہے کہ چونکہ یہ لوگ خود تو گمراہ ہیں ہی مگر دوسرے لوگوں کے سوال کا غلط جواب دے کر ان کی گمراہی کا باعث بھی بن رہے ہیں لہٰذا اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن اپنے کفر وعصیاں کا پورا پورا بوجھ تو بہر حال اٹھائینگے۔ مگر جن لوگوں کو یہ غلط جواب دے کر بے سوچے سمجھے گمراہ کررہے ہیں ان کا کچھ بوجھ بھی یہ اٹھائینگے اور کچھ وہ بے سوچ گمراہ ہونے والے خود اٹھائینگے جو باوجود عقل وفہم رکھنے کے گمراہ کرنے والوں کے بہکاوے میں آ کر گمراہ ہوگئے اور اپنی عقل وخرد سے کام نہ لیا حضرت پیغمبر اسلام سے مروی ہے فرمایا ایما داع دعا الی الھدیٰ فاتبع فله مثل اجورھم من غیر ان ینقص من اجورھم شیئٌ وایما داع دعا الی ضلالة فاتبع فان علیه مثل اوزار من اتبع من غیر ان ینقص من اوزارھم شیٔ جو راہنما راہ راست کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور اس کی پیروی کی جائے اسے ان سب لوگوں کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی واقع ہو اور جو داعی لوگوں کو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی پیروی کی جائے تو اس پر ان سب لوگوں کے برابر وزر و وبال ہوگا جنھوں نے اس کی پیروی کی بغیر اس کے کہ اس کے پیروؤں کے وزر میں کچھ کمی ہو (تفسیر تبیان، ومجمع البیان) الاساء مایزرون۔ کیسا برا ہے وہ بوجھ جو یہ لوگ اپنی پشتوں پر اٹھا رہے ہیں۔ لو کانوا یعقلون۔ اے کاش کہ یہ عقل سے کام لیتے۔

آیات القرآن

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۲۶ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ۝۲۷ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ

اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمة الآيات

جولوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے خلاف) مکاریاں کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (مکاریوں والی) عمارت بنیاد سے اکھیڑ دی اور اس کی چھت اوپر سے ان پر آپڑی اور ان پر اس طرح سے عذاب آیا جدھر سے ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔(۲۶) پھر قیامت کے دن وہ (اللہ) انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور کہے گا کہ (بتاؤ) کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم (اہل حق سے) لڑا جھگڑا کرتے تھے (اس وقت) وہ لوگ کہیں گے جن کو (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا کہ آج کے دن رسوائی اور برائی ان کافروں کیلئے ہے۔(۲۷) کہ جن کی روحیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے اس وقت انہوں نے (سپر ڈال دی تھی اور) صلح کی پیشکش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے (ان سے کہا گیا) ہاں (تم نے ضرور برائی کی تھی) تم لوگ جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے(۲۸) پس اب جہنم کے دروازوں میں (سے جہنم میں) داخل ہو جاؤ اب تمہیں ہمیشہ کیلئے اسی میں رہنا ہے پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا(۲۹) اور جب صاحبان تقویٰ سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ سراسر خیر وخوبی نازل کی ہے جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی اور بھلائی کی ان کیلئے یہاں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو یقیناً اور بھی بہت بہتر ہے اور متقیوں کا گھر کیا ہی خوب ہے؟(۳۰)

تشریح الالفاظ

ا۔تشاقون۔شاقہ شقاقاومشاقہ کے معنی ہیں باہم جھگڑنا اور مخالفت کرنا۔ ۲۔السلم کے معنی ہیں سلامتی ،تابعداری۔ ۳۔مثوی کے معنی منزل اور ٹھکانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۱۔ قدمکر الذین۔۔۔الآیۃ

خدامکاروں کے مکر کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا

خداوند عالم اپنے حبیب مکرمؐ کو تسلی کے انداز میں فرمارہا ہے کہ جس طرح آج کفار قریش اپنے مادی اغراض فاسدہ کے تحت آپ کی مخالفت کررہے ہیں اسی طرح سابقہ ادوار میں بھی کفار ومشرکین انبیاء ومرسلین کے خلاف سازسوں کے جال بچھاتے رہے ہیں اور مکروفریب کے خیالی محلات تعمیر کرتے رہے ہیں توجس طرح ہمیشہ خدائے قہار وجبار نے اپنی قدرت قاہرہ سے ان کی ان عمارتوں کو بیخ وبن سے اکھیڑ کر پھینک دیا اوران پر وہاں سے عذاب نازل فرمایا جہاں سے انہیں کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا تو اسی طرح خدائے جبار اب بھی آپ کے مخالفین کی تدبیروں اورترکیبوں اوران کے مکروفریب کی عمارتوں کو بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دے گا بنابریں یہ عمارت کو بنیاد سے اکھیڑنا جس طرح ان لوگوں کے مکر وفریب اوران کی سازشوں کے ناکام بنانے کا استعارہ ہوسکتا ہے اسی طرح یہ بیان واقعہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ماضی میں بعض قومیں زلزلوں ،سیلابوں اور بادصرصر کے تیز وتند جھونکوں سے ہلاک وبرباد ہوچکی ہیں۔اوران کے مکانوں کی دیواریں اورچھتیں ان کے سروں پر گرچکی ہیں اور بعض لوگوں نے بنیاد اورچھت وغیرہ کے الفاظ دیکھ کر یہ کہا ہے کہ اس سے نمرود کی وہ عالیشان عمارت مراد ہے جو اس نے اس غرض سے بنوائی تھی کہ وہ اس پر چڑھ کر آسمانی خدا سے جنگ کرے گا اور بعض نے اس سے بخت نصر کی عمارت مراد لی ہے (مجمع البیان وتفسیر جلالین)۔والاول اولیٰ۔

۲۲۔ ثم یوم القیامۃ۔۔۔الآیۃ

بروز قیامت مشرکین کی حالت زار کا تذکرہ

دنیا میں تو کافرون کو جس ہلاکت و بربادی اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا وہ تو رہا اپنی جگہ انہیں قیامت کے دن علی رؤوس الاشھاد مزید ذلت ورسوائی اور نکبت وپسپائی کا سامنا کرنا پڑے گا جب خدا ان سے پوچھے گا کہ آج تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کو تم عبادت میں میرا شریک ٹھہراتے تھے اور اپنا شفیع وسفارشی قرار دیتے تھے؟ اور جن کے بارے میں تم اہل حق سے لڑا جھگڑا کرتے تھے وہ تو شرم کے مارے کیا جواب دیں گے البتہ خدا فرماتا ہے کہ اس وقت کچھ مخصوص اہل علم (جو انبیاء ومرسلین، ائمہ طاہرین اور علماء کاملین ہی ہوسکتے ہیں۔) جواب دینگے کہ آج ہر قسم کی ذلت وخواری اور تباہی وبربادی کافروں کیلئے ہے جو دنیا مین کفر وشرک اور گناہ وعصیان کرتے رہے ہیں آج وہ اپنے کردار اور اپنی روش ورفتار کا ذائقہ چکھیں گے تفسیر قمی میں مروی ہے کہ اس سے مراد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں جو اپنے مخالفین سے کہیں گے کہ آج وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ (تفسیر قمی)

۲۳ الذین تتوفاھم الملائکۃ۔۔۔الآیۃ

موت کے وقت کفار کی حالت زار کا بیان

یہ ان کفار کا تعارف کرایا جارہا ہے جن کا ذلت ورسوائی مقدر ہے کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے مرتے دم تک کفر وشرک کا ارتکاب کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا قرآن ہر جگہ کفر وشرک اور بدعملی کو ظلموا انفسھم اور اسرفو اعلی انفسھم کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اپنی جانوں سے ناانصافی کی جس طرح ہم کسی کو زہر کا پیالہ پیتے دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ اپنی جان پر ظلم کررہا ہے اسی طرح قرآن کفر وعصیان کاری کو زہر کھانے کی طرح اپنی جان پر ظلم وزیادتی قرار دیتا ہے الغرض خداوند عالم یہاں یہ حقیقت بیان کررہا ہے کہ کافروں کا سارپندار وغرور صرف اس وقت تک ہے جب تک ملک الموت اپنے انصار کی جماعت کے ساتھ ان کی روح قبض کرنے کیلئے ان کے پاس پہنچ نہیں جاتا لیکن جب وہ پہنچ جاتا ہے تو پھر ان کا سارا غرور وگھمنڈ خاک میں مل جاتا ہے اور سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے ''فالقوا السلم'' وہ سپر انداز ہوجاتے ہیں اور صلح کی درخواستیں کرنے لگتے ہیں اور اپنے کیے سے صاف مکر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ما کنا نعمل من سوء ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے ہیں مگر فرشتوں کی جانب سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہاں ''ان اللہ علیم بما کنتم تعملون؟'' تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے

اس پر ان کا ناطقہ بند ہوجاتا ہے اور کبر ونخوت سے تنا ہوا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔

۲۴۔ فادخلوا ابواب جھنم ۔۔الآیۃ

اس وقت ان سے کہا جاتا ہے کہ جہنم کے دروازوں سے جہنم میں داخل ہوجاؤ۔ جہاں تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔

کچھ عالم برزخ کے ثواب وعذاب کے بارے میں

مخفی نہ رہے کہ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت جس میں قبض روح کے بعد متقیوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو کا تذکرہ ہے قرآن مجید کی ان بہت سی آیتوں میں سے ہے جن سے عذاب وثواب قبر کا ثبوت ملتا ہے منکرین حدیث کے نظریہ کی طرح عالم برزخ عدم محض کا نام نہیں ہے کہ جس میں نہ کوئی احساس ہے اور نہ شعور اور نہ کوئی ثواب ہے اور نہ کوئی عذاب دیکھئے کفار کی روحیں جب قبض کی جاتی ہیں تو وہ موت کی سرحد کے پار کا حال اپنے توقع کے خلاف دیکھ کر پریشان ہوجاتے ہیں اور صلح کی پیشکش کر کے اپنے کئے سے مکر جاتے ہیں مگر فرشتے انہیں جہنم واصل کر نیکی پیشگی دھمکی دیتے ہیں دوسری طرف جب متقیوں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں تو فرشتے ان کو سلام کرتے ہیں اور انہیں جنتی ہونے کی پیشگی مبارکباد پیش کرتے ہیں اس سے بڑھ کر برزخی زندگی، اور اس میں احساس وشعور اور ثواب وعذاب کے ہونے کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟ عذاب برزخ کا اس سے بھی زیادہ ثبوت سورہ مومن کی آیت ۴۵، ۴۶ میں موجود ہے جہاں خداوند عالم نے خبر دی ہے کہ ایک سخت عذاب فرعون اور فرعونیوں کو گھیرے ہوئے ہے یعنی وہ صبح وشام آگ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کے باب ۱۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

۲۵۔ وقیل للذین اتقوا ۔۔۔الآیۃ

ابھی اوپر آیت ۲۳ میں مکذبین قرآن کا تذکرہ کیا جاچکا ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اگلے لوگوں کی بے بنیاد داستانیں ہیں ان کے بالمقابل یہاں مومنین کی جماعت کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ سرتاسر خیر وبرکت ہے۔

۲۶۔ للذین احسنوا ۔۔۔الآیۃ

ارشاد قدرت ہے جن لوگوں نے دنیا میں نیکی اور بھلائی کی ہے ان کیلئے دنیا میں بھی بھلائی ہے اگرچہ

ذکر خیر اور نیک نامی اور اطمینان قلبی کے ذریعہ سے ہی ہو اور آخرت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ بھلائی و اچھائی اور اجر و ثواب ہے و رضوان اللہ اکبر اور سب سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی ہے۔ ذلك فضل الله ۔ ولنعم دار المتقين۔ متقیوں کا گھر بڑا اچھا ہے۔

آیات القرآن

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵

ترجمۃ الآیات

(یعنی) وہاں ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں وہ جو کچھ چاہینگے ان کو مل جائے گا خدا اسی طرح پر ہیز گاروں کو جزا دیتا ہے (۳۱) وہ متقی جن کی روحیں اس حال میں فرشتے قبض کرتے ہیں کہ وہ

(کفروشرک) سے پاک وصاف ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو بہشت میں داخل ہوجاؤان اعمال کی بدولت جوتم کیا کرتے تھے(۳۲)(اے رسول) یہ (منکرین) صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس (عذاب والے) فرشتے آجائیں یا آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آجائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے کیا تھا جوان سے پہلے خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے(۳۳) آخرکاران کے کرتوتوں کی برائیاں اُن تک پہنچ گئیں اورانہیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے(۳۴)اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء واجداد اس کے سوا نہ کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ ہی ہم اس کی حکم کے بغیر کسی چیز کوحرام کرتے ایسا ہی ان لوگوں نے کیاجواب سے پہلے تھے (بتاؤ) پیغمبروں کے ذمے کھلا پیغام دینے کے سوااور کیا ہے؟(۳۵)

تشریح الالفاظ

ا۔جنت عدن۔ایک مخصوص بہشت کا نام ہے۔ ۲۔حاق بہم۔یہ حوق سے مشتق ہے یہ جب با سے متعدی ہوتواس کے معنی احاطہ کرنے اورگھیرنے کے ہوتے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۷۔جنت عدن۔۔الآیۃ

متقیوں کے بہترین انجام کا تذکرہ

یہ متقیوں کے دارآخرت کی وضاحت کی جارہی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گےاور جو چاہیں گے وہ پائیں گے منہ مانگی مرادیں پائیں گے وہ متقی جنھوں نے حق کی خاطر بدنی ولسانی جہاد کیااوراس کی خاطر جسمانی وروحانی اذیتیں برداشت کیں اوران پر صبر کیا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ام حسبتم ان تدخلواالجنة ولما يعلم الله الذين جاهدو امنكم ويعلم الصابرين۔(سورہ آل

عمران۔ ۱۴۲) اے مسلمانو! تم یہ خیال کرتے ہو کے تم سب یونہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور نہ ہی ابھی صبر کرنے والوں کو جانا ہے۔

۲۸۔ الذین تتوفاھم۔۔۔ الآیۃ

اوپر آیت ۲۸ میں منکرین کی وفات کا تذکرہ تھا کہ جب ان کو موت آتی ہے تو وہ کفر وشرک اور برائیوں میں مصروف ہوتے ہیں اس لئے فرشتے ان سے کہتے ہیں ادخلو ابواب جھنم۔ کہ جہنم کے دروازوں سے جہنم میں داخل ہو جاؤ اور یہاں اس آیت ۳۲ میں متقین اور ارباب یقین کی موت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ کفر وشرک سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور نیک اعمال کی دولت سے مالا مال وخوشحال ہوتے ہیں اس لئے ان کو فرشتے سلام کرتے ہیں اور جنت کی بشارت دیتے ہوئے کہتے ہیں ادخلو الجنۃ۔ جنت میں داخل ہو جاؤ پہلے گروہ کا انجام ابدی جہنم خالدین فیھا اور دوسرے گروہ کا انجام سرمدی جنت جنات عدن یدخلونھا۔ ولنعم دار المتقین۔ جس طرح ان دونوں گروہوں کا اس وقت کردار الگ الگ ہے۔ اسی طرح ان کا انجام کار بھی الگ الگ ہوگا اور جزا وسزا بھی الگ الگ۔

۲۹۔ ھل ینظرون۔۔۔ الآیۃ

یہ منکرین صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس عذاب والے فرشتے آئیں یا آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آئے اس قسم کی ایک آیت قبل ازیں سورہ انعام آیت ۱۵۸ میں گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۰۔ کذلك فعل الذین۔۔۔ الآیۃ

الکفر ملۃٌ واحدۃٌ

پیغمبر اسلامؐ کی تکذیب کرنے والوں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ ان کے پیش روؤں نے بھی اپنے اپنے زمانے کے رسولوں کے ساتھ یہی روش ورفتار اختیار کی تھی جو انہوں نے اپنا رکھی ہے جس کے نتیجہ میں عذاب الٰہی نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا اور ان کا نام ونشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تو اگر ان لوگوں نے بھی اپنی روش ورفتار نہ بدلی تو ان کا انجام بھی ان قوام سے مختلف نہ ہوگا ارشاد قدرت ہے وماظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے جس کے نتیجے میں وہ ہلاک وبرباد ہوئے اور خدا کی تنبیہ اور انبیاء کی تذکیر سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا سچ

ہے۔لا تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون۔

۳۱۔وقال الذین۔۔الآیۃ

کفار و مشرکین ہمیشہ سے جبری العقیدہ رہے ہیں

یہ آیت یعنی مشرکین کی یہ کج بحثی سورہ انعام آیت ۱۴۸ و ۱۴۹ میں گذر چکی ہے اور اس کی تفسیر بھی وہاں بیان ہو چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے تا کہ اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو الغرض مشرکین ہمیشہ سے جبری عقیدہ کے قائل رہے ہیں اور اپنے کفر و شرک کی ذمہ داری خدا پر عائد کرتے رہے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد کبھی شرک نہ کرتے اور نہ ہی کسی چیز کو اس کے حکم کے بغیر حرام ٹھہراتے ارشاد قدرت ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ان سے پہلے گذرے ہوئے کفار و مشرکین بھی یہی بات کہتے رہے ہیں اور اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دیتے رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کبھی یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی قدرت قاہرہ سے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں اور کفر و شرک اور گناہ کرنے کی طاقت ان سے سلب کرلیں خدا اور اس کے فرستادگان کا طریقہ کار صرف یہی ہے کہ وہ پیغام حق لوگوں تک پہنچا ئیں۔کیونکہ رسولوں کا کام منوانا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کے ذمہ دار ہیں بلکہ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ انسان کو فاعل مختار بنایا جائے اور اسے نیکی و بدی کرنے کا اختیار دیا جائے اور اسے کسی ایک حالت پر مجبور نہ کیا جائے۔**من شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر**۔جس کا جی چاہے وہ ایمان لا کر اور نیک عمل کر کے جنت کا حقدار بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ کفر و بدعمل اختیار کر کے جہنم کا سزاوار بن جائے **وما ربك یرید ظلماً للعباد**۔اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کرتا۔بلکہ ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔**ولعنۃ اللہ علی الظالمین**۔

آیات القرآن

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى اللّٰهُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلٰلَةُ‌ؕ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۳۶ اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰٮهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ

وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور یقیناً ہم نے ہرایک امت میں کوئی نہ کوئی رسول (یہ پیغام دے کر) ضرور بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی (بندگی) سے بچو پس ان (امتوں) میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی مستقر اور ثابت ہوگئی پس تم زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ (۳۶) (اے رسول) آپ ان کے ہدایت پانے کے کتنے ہی حریص ہوں مگر (یہ ہدایت پانے والے نہیں) کیونکہ اللہ جس کو (اس کے کفر وسرکشی کی وجہ سے) گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اس کو ہدایت نہیں کرتا اور ان کیلئے کوئی مددگار نہیں ہے (۳۷) وہ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ کہ جو مر گیا خدا اسے ہرگز (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا ہاں (ضرور اٹھائے گا) یہ اس کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے (۳۸) (یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ضروری ہے) تاکہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کے سامنے ان کی حقیقت کھول دے اور تاکہ کافروں کو معلوم ہوجائے کہ وہ جھوٹے تھے (۳۹) ہم جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا کہنا بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ اس سے کہتے ہیں کہ ہوجا بس وہ ہوجاتی ہے (۴۰)

تشریح الالفاظ

۱۔الطاغوت۔ اس سے شیطان، ہرسرکش، ہر حد سے تجاوز کرنے والا۔ اور ہر باطل معبود مراد

ہے۔ ۲۔ حقت۔ اس کے معنی ہیں اس پر گمراہی ثابت ولازم ہوگئی۔ ۳۔ واقسموا باللہ جهد ایمانهم۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا کی نام کی سخت قسمیں کھاتے ہیں۔

تفسیر الآیات

۳۲۔ ولقد بعثنا۔۔۔ الآیة

ہر ملک وملت میں رسول کے آنے کا تذکرہ

اس آیت سے اوراسی طرح کی اس دوسری آیت وان من امة الا خلا فیها نذیر سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ملک وملت میں جس میں ہمارا متحدہ ہندوستان بھی شامل ہے اللہ کے رسول ضرور آئے ہیں اور آنے بھی چاہئیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصطلاحی معنوں میں ضرور کوئی مستقل رسول ہی آئے ہاں البتہ ہر قوم وملک تک رسول کی تعلیم پہنچنی ضروری ہے اگر چہ اس رسول کے کسی نائب یا نائب کے نائب یا کسی عالم دین کے ذریعہ سے ہی پہنچی ہو ورنہ اس کے بغیر حجت خدا تمام نہیں ہوسکتی بعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس حجة علی اللہ بعد الرسل۔ خدا نے ہمیشہ مبشر ومنذر بنا کر رسول بھیجے تا کہ ان کے آجانے کے بعد لوگوں پر خدا کی حجت تمام ہوجائے اس موضوع پر اس سے پہلے بھی کسی مناسب مقام پر گفتگو ہو چکی ہے۔

۳۳۔ ان اعبدوا اللہ۔۔۔ الآیة

یہاں انبیاء ومرسلین کی بعثت وارسال کی غرض وغایت بیاں کی جارہی ہے کہ انہیں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو خدا کی عبادت کرنے اور طاغوت کی بندگی نہ کرنے کی تعلیم دیں طاغوت سے مراد بت ہیں؟ شیطان ہے؟ یا ہر وہ حاکم جو خدائی احکام کے خلاف فیصلہ کرے؟ اس موضوع پر قبل ازیں آیت یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به کی تفسیر میں مفصل گفتگو کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۳۴ فمنهم من هدی۔۔۔ الآیة

خدا کا اصول ہدایت وضلالت کیا ہے؟

رسولوں کے آنے کے بعد نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ لوگ دو حصوں پر تقسیم ہو گئے ہیں۔

۱۔بعض نے راہ ہدایت پسند کی انبیاء کی دعوت پر غور وفکر کیا اور اپنے عقیدہ وعمل کی اصلاح کی کوشش کی تو اللہ نے انہیں ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی **ویھدی الیہ من ینیب** (شوری) جو دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے خدا اسے ہدایت دے دیتا ہے۔
۲۔بعض (بلکہ اکثر) نے اپنی ضلالت وگمراہی پر جمار ہنا پسند کیا اور انبیاء کی دعوت حق کو قبول کرنا تو کجا؟ اس پر غور وفکر کرنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی بلکہ الٹا اس کا مذاق اڑایا۔تو خدا ایسے لوگوں سے توفیق ہدایت سلب کر لیتا ہے۔**ویضل اللہ الظالمین**۔اورانہیں گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے **فی طغیانھم یعمھون**۔ایسے لوگوں کا انجام تباہی وبربادی ہوا کرتا ہے جسے شک ہووہ زمین میں چل پھر کر مکذب اقوام کے انجام بد اوران کے اجڑے ہوئے شہروں اور ویران کھنڈروں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکتا ہے۔الغرض اللہ کا قانون ہدایت وضلالت یہی ہے کہ وہ کبھی جبراً کسی پر ہدایت یا شقاوت مسلط نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنا اس کی شان حکمت کے منافی ہے۔

۳۵۔ان تحرص علی ھداھم۔۔۔الآیة

جوخود ہدایت حاصل نہ کرنا چاہیں پیغمبر کا حرص بھی انہیں ہدایت پر آمادہ نہیں کرسکتا۔

پیغمبر اسلامؐ کو چونکہ خدا نے عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا تھا اس لئے ان کی شفقت علی الخلق کا تقاضا تھا اوران کی شدید خواہش تھی کہ نہ صرف ان کی قوم بلکہ کل کائنات راہ راست پر آجائے جس کیلئے وہ رات دن ایک کئے ہوئے تھے ارشاد قدرت ہے **حریص علیکم وبالمومنین رؤوف رحیم**۔کہ پیغمبر خدا اس بات کے بڑے حریص ہیں کہ سب لوگ ایمان لائیں اور اہل ایمان کے ساتھ بڑے مہربان ہیں اس سلسلہ میں ان کے اسی حرص اور شب وروز کی جدوجہد کو دیکھ کر یہاں تک خدا فرماتا ہے **لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین**۔شاید اس غم میں کڑھ کڑھ آپ اپنی جان ہی نہ دے دیں کہ عام لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ مگر یہاں خداوند عالم ان کو تسلی دے رہا ہے کہ خدا ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے تو پھر آپ کے حرص کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ان کی گمراہی اور شقاوت ثابت ہوچکی ہے ایسے مورکھوں کو خدا کبھی ہدایت نہیں کرتا اور نہ ہی ایسے لوگوں کے کوئی یارومددگار ہیں جو ان کو گمراہی اور عذاب الٰہی سے بچاسکیں۔

۳۶۔ واقسموا باللہ جھد ایمانھم ...الآیة

قیام قیامت کی غرض وغایت

رندگی صرف یہی نہیں ہے جو ہر آدمی یہاں دنیا میں گذار رہا ہے بلکہ اس کے بعد ایک اور حقیقی اور ابدی زندگی ہے جس میں اس زندگی کے اعمال کی جزا وسزا دی جائے گی یہ عقیدہ نہ صرف اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن کے انکار سے کفر لازم آتا ہے بلکہ تمام ادیان ومذاہب کا عالمگیر عقیدہ ہے مگر مشرکین عرب اس آخرت کی زندگی اور حشر اجساد کے بالکل منکر تھے اور ان کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی تھی کہ آدمی ایک بار مرجانے اور اس کے اجزاء کے بکھر جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگا وہ کہتے تھے بس آدمی جب مرگیا تو بس مرگیا یہ دوبارہ حشر ونشر کیسا اور یہ زندگی کیسی؟ قرآن نے جابجا ان لوگوں کے یہ اقوال بھی نقل کئے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

۳۷۔ لیبین لھم الذی ... الآیة

الغرض اس آیت میں اس حیات بعد الممات کے دو مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ اللہ نے نیکو کاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا دینے کا حتمی وعدہ کر رکھا ہے اور وہ ضرور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا کیونکہ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۲۔ جن باتوں کے بارے میں لوگ یہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں ان حقیقتوں کا علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے فیصلہ ہو جائے اور سب لوگ اصل حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اس لئے قرآن مجید میں بار بار قیامت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ان الساعة لاتیة لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور۔

۳۸۔ انما قولنا لشئی ...الآیة

جب خدا کا رادہ ہو جائے تو پھر دیر و درنگ نہیں ہوتی

کفار حشر ونشر پر اس لئے تعجب کرتے تھے کہ ان کو خدا کی قدرت کاملہ کا صحیح اندازہ نہیں تھا اس لئے کہتے تھے جب ہم مرجائینگے اور گل سڑ جائیں گے تو دوبارہ کس طرح زندہ کئے جائیں گے؟ تو گویا ان کے اس زعم باطل کے جواب میں کہا جارہا ہے کہ خدا وہ قادر مطلق ہے کہ اسے کسی کام کی انجام دہی کیلئے کسی خاص ساز وسامان کی

ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی معاون ومددگار کی احتیاج ہے بلکہ کسی بھی چیز کو وجود میں لانے کیلئے اس کا ارادہ ہی کافی ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ جب اس کا ارادہ ہوجائے تو وہ کن کہتا ہے اور وہ چیز ہوجاتی ہے یہ بھی مقصد کے جلدازجلد حاصل ہوجانے کا استعارہ ہے ورنہ ظاہر ہے کہ وہ کاف ونون (کن) کہنے کا بھی محتاج نہیں ہے بس ادھر کسی چیز کی تکوین (اسے وجود دینے) کا ارادہ ہوا اور ادھر مراد موجود ہوگئی اور عدم سے نکل کر وجود میں آ گئی الغرض وہ اپنے ارادے کی تکمیل اور اس کے نفاذ میں کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے بنابریں ایسے قادر مطلق کیلئے متفرق اجزاء کو اکھٹا کر کے مردہ اجسام میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں کیا عقلی استبعاد ہے؟ **مالکم کیف تحکمون**؟ جب یہ دنیا بھی خدا کے حکم سے وجود میں آئی ہے تو آخرت بھی فوراً اس کے حکم سے ظہور پذیر ہوسکتی ہے۔ **وماذالك على الله بعزيز**

ایضاح

یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس آیت کی ظاہری تفسیر وتشریح ہے تفسیر صافی وبرہان وغیرہ میں اس کی ایک باطنی تاویل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یوں مروی ہے کہ یہ زمانہ رجعت کے بارے میں ہے جس میں بعض مخلص اہل ایمان اور بعض کامل سرکش وبے ایمان لوگ آخرت سے پہلے دنیوی جزاوسزا کیلئے اٹھائے جائیں گے۔ مگر عام لوگ اس بات بعید از عقل اور ناممکن بتاتے ہیں کہ مرنے کے بعد آدمی کس طرح زندہ ہوسکتا ہے؟ لیکن جو خدا قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے وہ زمان رجعت میں بھی کرسکتا ہے۔ خدا ایسا اس لئے کرے گا تا کہ حق وباطل کا فیصلہ ہوجائے اور اختلاف کرنے والوں کا ناطقہ بند ہوجائے۔ (واللہ العالم)۔

آیات القرآن

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؀ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ؀ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؀ۙ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے خدا کے واسطے ہجرت کی اس کے بعد کہ (ایمان لانے کی وجہ سے) ان پر ظلم کئے گئے ہم ان کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ دینگے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے (۴۱) یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے صبر کیا اور پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۴۲) (اے رسول) ہم نے آپ سے پہلے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا کھلی ہوئی دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو(۴۳) اور ہم نے آپ پر الذکر (قرآن مجید) اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کیلئے (وہ معاف واحکام) کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں (۴۴) کیا وہ لوگ جو (پیغمبر کے خلاف) بری تدبیریں اور ترکیبیں کررہے ہیں وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسادے یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آجائے جہاں سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو(۴۵) یا انہیں اپنے کاروبار میں ان کے چلتے پھرتے وقت آ پکڑے پس وہ اپنی چالبازیوں سے اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے (۴۶) یا انہیں اس وقت پکڑے جب وہ اس سے خوف زدہ ہوں بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے (۴۷) کیا ان لوگوں نے کبھی اللہ کی پیدا کی ہوئی مختلف چیزوں میں غور نہیں کیا کہ ان کے سائے کس طرح اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں جھکتے ہیں اس طرح وہ سب اپنے عجز کا اظہار کررہے ہیں (۴۸)

تشریح الالفاظ

۱۔الزبر۔یہ زبور بمعنی کتاب کی جمع ہے۔۲۔فی تقلبھم اپنے معاملات میں تصرف کرتے اور چلتے پھرتے وقت۔۳۔داخرون دخرودخور کے معنی ہیں ذلیل اور حقیر ہونا۔

تفسیر الآیات

۳۹۔والذین ھاجروا۔۔۔الآیۃ

اس آیت تفسیر کی جلد چہارم تفسیر سورہ انفال کی آیت ۷۲ان لذین آمنواو ھاجرو وجاھدوا۔الآیۃ۔کی تفسیر میں ہجرت کی فضیلت اوراس کا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہونے کا مفصل تذکرہ کیاچکاہے۔لہٰذا تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔الذین صبروا۔۔الآیۃ۔میں انہی مہاجرین فی سبیل اللہ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں نازل شدہ مصائب وشدائد پرصبر کرتے ہیں اور ہرحال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۴۰۔وماارسلنامن قبلك۔۔۔الآیۃ

ہمیشہ مردوں کورسول بنا کر بھیجنے کا فلسفہ

ہم اسی جلد پنجم پارہ ۱۳سورہ ابراہیم کی آیت ۱۰قالواان انتم الابشر مثلکم۔الآیۃ۔کی تفسیر میں قرآن وسنت اجماع مسلمین اور عقل سلیم کی روشنی میں واضح وآشکار کرآئے ہیں کہ خداوند عالم نے حضرت خاتم الانبیاءسمیت جس قدرانبیاء ومرسلین بھیجے وہ سب بنی نوع انسان سے اوروہ بھی اس کی صنف ذکور سے تعلق رکھتے تھے جتنا کفار ومشرکین کوان کی بشریت کاانکاراوران کے فرشتے ہونے پراصرارتھا خدائے علیم وحکیم کواتنا ہی ان کی بشریت پراصرارتھا۔اورہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ الجنس الی الجنس یمیل۔ایک مسلمہ حقیقت ہےقرآن مجید نے بار باران لوگوں کے اس غلط نظریہ کوپیش کرکےاس کی تکذیب کی ہےاوراعلان کیاہے کہ اگرزمین میں فرشتے آباد ہوتے توان کی طرف کسی فرشتے کونبی بنا کر بھیجا جاتا۔مطلب یہ کہ جب زمین میں انسان آباد ہیں توضرورت تھی کہ کسی انسان کامل کے ہی سر پرتاج نبوت رکھ کراس کو ان کی طرف بھیجا

جا تا چنانچہ ہمیشہ خدا نے ایسا ہی کیا تفصیل کے خواہشمند حضرات مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

۴۱۔فسئلوا اهل الذکر ۔۔۔الآیة

عام مفسرین نے اس خطاب کا مخاطب کفار و مشرکین کو قرار دیا ہے اور اہل ذکر سے یہود و نصاریٰ کے علماء کو مراد لیا ہے کہ ہم نے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کو بنی نوع انسان کی صنف ذکور سے بھیجا اور وہ بھی کھلے دلائل و معجزات اور کتابوں کے ساتھ کبھی فرشتوں کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ اگر تمہیں اس حقیقت میں کچھ دیر بھی شک و شبہ ہے تو یہود و نصاریٰ کے علماء و احبار سے سوال کرو۔ وہ تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کریں گے۔

اہل الذکر سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں

لیکن حقیقی وارثان علم قرآن کی بیان کردہ تفسیر کو دیکھا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ فاسئلو کا خطاب قیامت تک ہونے والے تمام بنی نوع انسان کو ہے جس میں سب مسلم و کافر شامل ہیں اور اہل ذکر سے مراد آل محمد ہیں کیونکہ قرآن مجید میں جہاں خود قرآن مجید کو ذکر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ یٰس میں وارد ہے ان هو الاذکر و قرآن مبین (یٰس۔۶۸) تو بنا بریں اہل ذکر سے مراد اہل قرآن ہوں گے اور وہ یہی ذوات مقدسہ ہیں جن کو پیغمبر اسلام قرآن کے ساتھ امت کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اپنے بعد چھوڑ کر گئے تھے انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی وہاں خود پیغمبر اسلام کی ذات والاصفات کو بھی ذکر کے نام سے یاد کیا گیا ہے ارشاد قدرت ہے قد انزل الله الیکم ذکراً رسولا ۔ کہ خدا نے رسول کو ذکر بنا کر بھیجا ہے اس بنا پر بھی آل رسول ہی اہل ذکر قرار پاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: ''الذکر القرآن واهله آل محمد صلوات الله علیهم'' کہ ذکر سے مراد قرآن مجید اور اہل ذکر آل محمد علیہم السلام ہیں۔ (الکافی، الصافی) اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا: الذکر رسول الله ونحن اهله کہ ذکر سے مراد رسول خدا ہیں اور اہل ذکر سے ہم آل محمد مراد ہیں۔ (عیون الاخبار، تفسیر صافی و برہان) اصول کافی میں اس کے ساتھ یہ تتمہ بھی مذکور ہے کہ خدا نے جاہلوں کو اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اہل ذکر کو جاہلوں سے سوال کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

۴۲۔وانزلنا الیك الذکر ۔۔۔۔الآیة

قرآن کے احکام اوراس کے حقائق ومعارف بیان کرنا پیغمبراسلام کے فرائض میں شامل ہے

یہ آیت ان آیات قرآنیہ میں سے ایک ہے جواس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدائے علیم وحکیم نے یہ قرآن پیغمبراسلام پرنازل کیاہے نزل به الروح الامین علی قبلك لكون من المنذرين۔ لہٰذااس کے اوامرواحکام ہوں یااس کے دوسرے حقائق ومعارف ان سب امورکااپنے قول وفعل سے بیان کرنااورلوگوں کوسمجھانا پیغمبراسلام کے فرائض منصبیہ میں داخل ہے۔ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیه آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانومن قبل لفی ضلال مبین۔ (سورہ جمعہ)

لہٰذا جب تک رسول کا کلام وبیان نہ ہوتب تک قرآنی حقائق ومعارف تک عام انسانی عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی لہٰذااگرقرآن آسان ہے(ولقدیسر نا القرآن للذکر توصرف نصیحت حاصل کرنے کیلئے نہ کہ اس کے اسرار ورموز کوسمجھنے کیلئے اوردوسرے یہ اس صورت میں آسان ہے کہ جب بیان کرنے والی زبان پیغمبراسلام کی ہوجیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ولقد یسرنا القرآن بلسانك۔ تاکہ وہ غوروفکر کریں اورآنحضرت کے بعدقرآنی حقائق ومعارف کابیان خدائے علام نے ان مخصوص ہستیوں کے ذمہ لگایاہے جن کو اس نے قرآن کاوارث بنایاہے۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینامن عبادنا۔ اوروہ بنص حدیث ثقلین صرف آئمہ اہلبیتؑ ہیں انی تاك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهبیتی۔

ضرورت حدیث

مخفی نہ رہے کہ جن الفاظ وعبارات کے ساتھ حضرت رسول خدالوگوں کوقرآن پڑھاتے تھے اس کے اسرارورموز اوراوامرواحکام سمجھاتے تھے انہی الفاظ وعبارات کوحدیث رسول کہاجاتا ہے لہٰذا اگرکوئی شخص حدیث کامنکر ہے توپھرقرآن کوسمجھ کس طرح سکتا ہے؟ اورشریعت کے احکام پرعمل کس طرح کرسکتا ہے؟ان فی ذلك لایات لقوم یعقلون۔

۴۳۔ افأمن الذین مکروا۔۔۔الآیة

پیغمبر اسلام کی ذات اور ان کی دعوت کو ناکام بنانے کی سازشیں کرنے والوں کو دھمکی

جو بد بخت لوگ پیغمبر اسلام اور ان کی دعوت حق کے خلاف مختلف سازشیں کرتے رہتے تھے اس آیت میں خدائے جبار نے ان کو دھمکی دی ہے کہ آیا وہ اس سے مطمئن ہیں اور بے خوف ہیں کہ اس کے کفر وسرکشی کی وجہ سے قہر الٰہی جوش میں آجائے اور وہ چند قسم کے عذاب وعقاب میں گرفتار ہو جائیں۔ مثلاً۔ ۱۔ زمین شق ہو جائے اور وہ اس میں دھنس جائیں۔ ۲۔ یا ان کو وہاں سے عذاب الٰہی آ پکڑے جہاں سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو۔ ۳۔ یا کسب معاش کیلئے دوڑ دھوپ کے عین وقت پر عذاب خدا آ دھمکے اور ان کو دھر لے۔ ۴۔ یا عذاب الٰہی اس وقت انہیں اپنی گرفت میں لے لے جب وہ اس کے آثار دیکھ کر خوف زدہ ہو چکے ہوں اور تخوف کے معنی تنقص بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی مال وجان کا نقصان کہ کبھی کھیتی باڑی سے برکت اٹھ جائے، کبھی کاروبار میں گھاٹا پڑ جائے، کبھی صحت خراب ہونے لگ جائے اور بیماری ڈیرے ڈالدے حتیٰ کہ عذاب الٰہی کا تیز وتند جھونکا آئے اور ان کے شجر حیات کو بیخ وبن سے اکھیڑ کے پھینک دے ہاں البتہ انہیں نہیں پکڑا محض اس لئے کہ وہ مشفق ومہربان ہے آخری حد تک استدراج وامہال سے کام لیتا ہے اور عفو ودرگذر فرماتا ہے کہ شاید بندے توبہ وانابہ کر لیں ورنہ بندے جس قدر بھی منکر وسرکش کیوں نہ ہوں وہ نہ اسے عاجز کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے زیر کر سکتے ہیں ہاں البتہ وہ جب چاہے انہیں زیروزبر کر سکتا ہے۔

۴۴۔ اولم یروا۔۔۔ الآیۃ

ہر سایہ دار چیز کا سایہ تکوینی طور پر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے

یہ پروردگار عالم کی توحید وتفرید کی تکوینی دلیل ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی حکم خدا کے سامنے تکوینی طور پر مطیع وفرمانبردار ہے اور جب وہ زمین پر بچھا رہتا ہے تو گویا خدا کے حضور سجدہ ریز ہے یہ سایہ کبھی بڑھتا ہے کبھی گھٹتا ہے، کبھی ابھرتا ہے اور کبھی غائب ہو جاتا ہے کبھی کھڑا ہوتا ہے اور کبھی جھکتا ہے اور کبھی دائیں طرف ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ الغرض جب گھڑیاں نہیں ہوتی تھیں تو یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سایہ کا یہ سجدہ سورج کے بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے سورج اگر پورب کی طرف ہے تو سایہ پچھّم کی طرف پھیلے گا اور اگر سورج پچھّم کی طرف ہے تو سایہ کا پھیلاؤ پورب کی

طرف ہوگا یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ سایہ کی فطرت ابراہیمی ہے، آفتاب پرستی سے اسے عار ہے اس تکوینی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سورج یا کواکب کی پرستش کرتا ہے تو اس کا اپنا سایہ اس کے اس فعل کی نفی کرتا ہے وہ طوعاً جس خدا کو سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہے۔ کرھاً اسی کے آگے سر بسجود ہے سورہ رعد کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وللہ یسجدمن فی السموات والارض طوعاً و کرھاً وظلالھم بالغدو والا صال۔ (رعد۔۱۵) مطلب یہ ہے کہ جو شخص طوعاً خدا کو سجدہ کرتا ہے اس کے سجدہ تکوینی اور سجدہ اختیاری میں پوری طرح مطابقت پائی جاتی ہے رہا وہ شخص جو غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے تو اس کا اپنا سایہ اس کے اس سجدہ پر نکیر کرتا ہے۔ (تفسیر تدبر قرآن اصلاحی ج ۴)

آیات القرآن

وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَّالۡمَلٰۤـئِكَةُ وَهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝٤٩ يَخَافُوۡنَ رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ ۝٥٠ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰهَيۡنِ اثۡنَيۡنِ‌ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ۚ فَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝٥١ وَلَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَهُ الدِّيۡنُ وَاصِبًا‌ ؕ اَفَغَيۡرَ اللّٰهِ تَتَّقُوۡنَ ۝٥٢ وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ‌ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـئَرُوۡنَ‌ۚ ۝٥٣ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنۡكُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡكُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۝٥٤ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ‌ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٥٥ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِمَا لَا يَعۡلَمُوۡنَ نَصِيۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ‌ ؕ تَاللّٰهِ لَـتُسۡـئَلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَفۡتَرُوۡنَ ۝٥٦ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ‌ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۝٥٧ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ‌ۚ ۝٥٨ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ‌ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ‌ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۝٥٩ لِلَّذِيۡنَ لَا

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو (جاندار) چیزیں آسمانوں میں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں اور فرشتے سب اللہ کے لئے سربسجود ہیں اور وہ سرکشی نہیں کرتے (۴۹) وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان پر بالادست ہے اور انہیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہ وہی کرتے ہیں (۵۰) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دو الٰہ (خدا) نہ بناؤ۔ الٰہ (خدا) تو صرف ایک ہی ہے سو تم صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ (۵۱) اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کا دین دائمی اور واجب الاطاعت ہے تو کیا تم اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو؟ (۵۲) اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں دادو فریاد کرتے ہو (۵۳) پھر جب وہ تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو ایک دم تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے (۵۴) تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس کا کفران کریں سو (اے ناشکرو) چندروزہ فائدہ اٹھالو۔ عنقریب تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا (۵۵) یہ لوگ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے ان (بتوں وغیرہ) کے لئے حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو یہ جانتے بھی نہیں ہیں خدا کی قسم تم سے ضرور پوچھا جائے گا کہ تم کیسی افترا پردازیاں کرتے تھے (۵۶) اور یہ اللہ کیلئے لڑکیاں قرار دیتے ہیں پاک ہے اس کی ذات اور خود ان کیلئے وہ ہے جس کے یہ خواہشمند ہیں (۵۷) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ رنج و غم سے بھر جاتا ہے۔ (۵۸) وہ اس بری خبر سے جو اسے دی گئی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اسے لئے رہے یا اسے مٹی کے تلے گاڑ دے؟ کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں (۵۹) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بری ہے اور اللہ کیلئے اعلیٰ صفت ہے وہ زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (۶۰)

تشریح الالفاظ

۱۔واصباً۔ وصب یصب وصوباً کے معنی ہیں دائم اور ثابت رہنا۔ ۲۔تجؤون۔ کے معنی ہیں کسی سے دادوفریاد کرنا۔ ۳۔ھون کے معنی ہیں ذلت اور رسوائی۔ ۴۔یدسہ۔دس کے معنی ہیں مٹی کے نیچے چھپانا۔ ۵۔المثل۔مثل کے معنی ہیں صفت اور بات۔

تفسیر الآیات

۴۵۔وللہ یسجد۔۔۔الآیۃ

کائنات کی ہر چیز تکوینی یا تشریعی طور پر خدا کیلئے سجدہ کناں ہے

اس قسم کی ایک آیت سورہ رعد آیت ۱۵ میں گذر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر بھی کی جا چکی ہے کہ عالم علوی ہو یا سفلی اور دیگر تمام کائنات تکوینی واضطراری یا تشریعی واختیاری طور پر پروردگار عالم کے حضور میں سجدہ ریز ہے یعنی اس کے وجود اور اسکے علم وحکمت بالغہ اور اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کناں ہے اور یہی غیر ذوالعقول مخلوقات کی تقدیس وتسبیح ہے۔وان من شئی الایسبح بحمدہ(اسراء۔۴۴) فرشتے بھی خدا کو سجدہ کرتے ہیں اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ۔بل عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا ساتویں آسمان میں کچھ ایسے فرشتے بھی ہیں جو جب سے پیدا ہوئے ہیں۔تب سے سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور قیامت تک اسی حالت میں پڑے رہیں گے اور ان کے کاندھے خوف خدا سے کانپتے ہیں اور جب ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں تو خدا ان کے ہر ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور پھر وہ بھی سر بسجود ہو جاتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس وقت یہ سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گے کہ ''ماعبدناك حق عبادتك'' اے پروردگار! ابھی تک تو ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔(مجمع البیان،تفسیر صافی)

۴۶۔یخافون ربھم۔۔۔الآیۃ

یہ آیت مبارکہ بعبارۃ النص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں خدا پر ایمان لاتا ہے وہ ضرور اس سے ڈرتا بھی ہے اور اس کے امر و نہی کی اطاعت بھی کرتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ایمان کا اور خوف خدا کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر کھلم کھلا خدا کی نافرمانی کرتا ہے وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ واللہ العالم۔

۴۷۔ وقال اللہ لا تتخذوا ۔۔۔ الآیۃ

دو خداؤں کی نفی سے مقصد ایک سے زائد خداؤں کی نفی کرنا ہے کیونکہ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ اگر زمین وآسمان میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو زمین وآسمان برباد ہو جاتے (القران) اگر ایک سے زائد خدا ہوتے تو ان کے نمائندے بھی تمہارے پاس آتے نیز کائنات میں انکی خدائی اور سلطنت کے کچھ آثار بھی نظر آتے (نہج البلاغہ) لہٰذا زمین وآسمان کے نظام کی بقا اور دوسرے خدا کے نمائندوں کا نہ آنا اور ان کی قدرت و حکومت کے آثار کا نظر نہ آنا اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ لہٰذا ڈرنا بھی اسی سے چاہیے، مانگنا بھی اسی سے چاہیے اور بھروسہ بھی اسی پر کرنا چاہیے۔ الغرض اس آیت میں خصوصی طور پر ثنو یہ فرقہ کی رد مقصود ہے جو خیر و شر کے خالق جدا جدا مانتے تھے کہ خیر کا خالق یزدان اا ور شر کا خالق اھرمن ہے ارشاد قدرت ہے۔ قل اللہ خالق کل شئیٍ۔ کہہ دیجئے! کہ ہر چیز کا خالق خدا ہے۔

۴۸۔ ولہ الدین واصبا ۔۔۔ الآیۃ

ہر نعمت کا عطا کرنے والا خدا ہے

واصب کے معنی دوام اور لزوم کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کچھ خدا کا ہے تو پھر دین بھی اسی کا دائمی اور واجب الاطاعت ہے اور اسی کی اطاعت پر نظام کائنات قائم ہے۔

۴۹۔ ومابکم من نعمۃ ۔۔۔ الآیۃ

ہر نعمت خواہ وہ مادی ہو یا معنوی دنیوی ہو یا اخروی اور جسمانی ہو یا روحانی سب کا عطا کرنے والا وہی خدا ہے جو ان سب کا خالق و مالک ہے یہی وجہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو یہ توحید کی دلیل انفسی ہے کہ وہ اس وقت صرف خدا ہی کو پکارتا ہے اور باقی سب دیوی دیوتا جو اس نے گھڑ رکھے ہیں ان کو بھول جاتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل فطرت میں ایک خدا کا تصور اور شعور ہے من گھڑ تصورات کی اصل فطرت میں کوئی گنجائش نہیں ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ جب خدا وہ مصیبت

دور کر دیتا ہے تو انسان کے وہ مشرکانہ نظریات اور دیوی دیوتا کے تصورات لوٹ آتے ہیں جو مصیبت کے وقت غائب ہو جاتے ہیں اس طرح آدمی کفران نعمت کا ارتکاب کرتا ہے مشرکین کی اسی کج روی اور بدفطرتی پر قبل ازیں کئی بار تبصرہ کیا جا چکا ہے بالخصوص سورہ انعام آیت ۴۱۔۴۲ قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ ۚ الآیۃ اور سورہ یونس آیت ۔۲۲۔۲۳۔هُوَ الَّذِىۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡفُلۡكِ‌ۚ وَجَرَيۡنَ بِهِمۡ بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِيۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ‌ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ‏ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰٮهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ ان مقامات پر بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کے دور کے مشرکوں کی حالت تو پہلے گمراہوں سے بھی بدتر ہے جو اپنی مصیبتوں اور حاجتوں میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور انہی کی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ والی اللہ مشتکیٰ

۵۰۔ ویجعلون لما لا یعلمون۔۔۔الآیۃ

اللہ کے دیے ہوئے مال سے خودساختہ پیروی فقیروں کا حصہ مقرر کرنا شرک ہے

یہ مشرکین کی ایک اور بری خصلت کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ انہیں دیتا تو سب کچھ خدا ہے مگر وہ خدا کے دیے ہوئے مال مویشی اور کھیتوں میں سے اپنے من گھڑت دیوی دیوتا اور اپنے خودساختہ پیروں فقیروں کا حصہ بھی مقرر کرتے ہیں اور ان کے نام کی نذریں نیازیں دیتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور جب کسی گائے یا بھینس کے پھل مرجاتے ہیں تو انکی ''کٹیاں''''وچھیاں'' اپنے پیروں فقیروں کے نام مخصوص کر دیتے ہیں کہ ''کٹی' یہ فلاں پیر کی ہے اور وہ وچھی فلاں بزرگ کی ہے اور اس کی طرح فصلوں میں سے اتنا حصہ فلاں فقیر کا ہے اور اتنا فلاں پیر کا وغیرہ وغیرہ حالانکہ ان کی حقیقت کو یہ لوگ جانتے نہیں ہیں یہ ان سے نفع ونقصان کی توقع رکھتے ہیں جن کو خود اپنے سود وزیاں کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی ان کے دیوی دیوتا اور مرشدوں کو اپنے مریدوں کی اس کاروائی کا کوئی علم ہوتا ہے کہ وہ کیا مشرکانہ رسمیں ادا کر رہے ہیں اس موضوع پر قبل ازیں سورہ انعام ۱۳۷ وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیباً فقالو اھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکوئنا۔ الآیۃ۔ کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع

کیا جائے اللہ سبحانہ ضرور ان مشرکین سے اس مشرکانہ روش و رفتار کی باز پرس کرے گا اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا ہاں البتہ اگر نیکی کا کوئی کام کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ و برتر ہستی کی روح مقدس کو ھدیہ کر دیا جائے تو یہ اور بات ہے جو یقیناً جائز بھی ہے اور کار ثواب بھی ہے واللہ الموفق

۵۱۔ ویجعلون للہ البنات۔۔۔ الآیۃ

عرب کے بعض مشرک قبائل جیسے خزاعہ اور کنانہ ایک تو خدا کیلئے اولاد کے قائل تھے جس سے اس کی ذات پاک ہے اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ پھر اولاد بھی اس کیلئے وہ تجویز کرتے تھے جسے اپنے لئے ناپسند کرتے تھے یعنی وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں خدا فرماتا ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور میرے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہو تو یہ بڑی غلط تقسیم ہے بہر حال لڑکیوں کے ساتھ جو خدا نے فرمایا ہے کہ پاک ہے اس کی ذات اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لڑکی کوئی بُری چیز ہے اور لڑکا اچھی چیز۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کیلئے اولاد تجویز کرنا ان اس کی شان ربوبیت کے خلاف ہے اس کی نہ کوئی بیٹی ہے نہ بیٹا اور کوئی بیوی وہ لم یلد ولم یولد کا مصداق ہے اس سے آگے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ لوگ لڑکی کو کس قدر برا جانتے تھے؟

۵۲۔ واذا بشر احدھم۔۔۔ الآیۃ

جاہلی دور میں لوگ لڑکی کی ولادت کو باعث عار جانتے تھے

کہ جب ان میں سے کسی کو اس بات کی اطلاع دی جائے کہ گھر میں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو شدت غم سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور رنج والم سے دل ڈوبنے لگتا ہے اور اسے باعث ننگ و عار سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کلنک کے ٹیکے کو زندہ چھوڑے یا اسے زندہ درگور کر کے اس رسوائی سے چھٹکار حاصل کرے؟ الاساء مایحکمون؟

حالانکہ اسلام نے تو لڑکی کو بڑا بلند مقام دیا ہے لڑکی کو حسنہ قرار دیا ہے جس پر خدا اجر وثواب عطا کرتا ہے اور لڑکے کو نعمت قرار دیا ہے جس کا حساب و کتاب لیا جائے گا قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے لئے لڑکے بہتر ہیں یا لڑکیاں؟ دینے والا بہتر جانتا ہے۔ واللہ یعلمھم وانتم لاتعلمون۔

۵۳۔ للذین لایؤمنون۔۔۔ الآیۃ

بے ایمان لوگوں کی صفت بُری ہے جبکہ اللہ کی صفت اعلیٰ ہے

بے ایمان لوگوں کی صفت بری ہے لڑکیوں کی ولادت کو بزا جانتے ہیں ،فقر وفاقہ سے ڈرتے ہیں اور خدا کو خالق ورازق نہیں جانتے اور سنگدلی کا یہ عالم ہے کہ اپنے ہاتھوں سے انہیں زندہ درگور کردیتے ہیں مگر اللہ کی صفت بڑی اعلیٰ اور بلند وبالا ہے وہ واجب الوجود ہے غنی مطلق ہے کسی کا محتاج نہیں ہے رحیم وکریم ہے سنگدل نہیں ہے الغرض اس کا دامن الوھیت تمام صفات کمال سے مالا مال ہے اور تمام صفات نقص سے اس کا دامن ربوبیت منزہ ومبرا ہے۔

ایک غلط استدلال کا ابطال

ایضاح

اس بیان وکلام سے واضح ہے کہ مَثل کے معنی صفت کے ہیں کہیں وارد ہے لله المثل الاعلی کہ اللہ کی صفت اعلیٰ ہے اور کہیں فرماتا ہے وله الامثال العلیا۔ کہ اللہ کی صفات بڑی اعلیٰ اور بلند وبالا ہیں یہ جو بعض بے لگام مقررین بیان کیا کرتے ہیں کہ مثل کے معنی شریك فی الذات اور مَثل کے شریك فی الصفات ہیں اور پھر اس غلط استدلال سے یہ غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات میں تو کوئی شریک نہیں ہے مگر اللہ کی صفات میں کچھ اور ہستیاں بھی شریک ہیں العیاذ باللہ یہ بات بناء الفاسد علی الفاسد کی مصداق ہے اور بالکل غلط ہے اور محض شرک ہے اللہ کی ذات وصفات ،افعال اور عبادت الغرض کسی چیز میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

آیات القرآن

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ

الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اگر اللہ لوگوں کو ان کی زیادتی پر (فوراً) پکڑ لیا کرتا تو پھر روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا مگر وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے پھر جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اس سے وہ ایک گھڑی پیچھے آ گے نہیں ہو سکتے (۶۱) اور وہ اللہ کے لیے وہ چیزیں (بیٹیاں) قرار دیتے ہیں جن کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں غلط بیانی کرتی ہیں کہ ان کے لیے (بہر حال) بھلائی ہی بھلائی ہے (نہیں) ہاں البتہ ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور بے شک یہ سب سے پہلے اس میں پہنچائے (جھونکے) جائیں گے (۶۲) خدا کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے ہیں پس شیطان نے ان کے (برے) اعمال خوشنما بنا کر کے انہیں دکھائے سو وہی آج ان کا سرپرست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۶۳) اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ آپ ان باتوں کو کھول کر بیان کر دیں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ (کتاب) ایمان لانے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے (۶۴) اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا ہے اور اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مردہ (بنجر) ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں آواز حق سننے والوں کے لے بڑی نشانی ہے (۶۵)۔

تشریح الالفاظ

۱۔وَیُؤاخذ۔مؤاخذہ کے کئی معنی ہیں سزا دینا اور عتاب کرنا۔ ۲۔مفرطون۔اس کا مادہ اشتقاق فروط ہے جس کے معنی ہیں آگے بڑھنا اور مقدم ہونا۔

تفسیر الآیات

۲۵-وَلو یؤاخذ اللہ۔ آلایۃ۔

اللہ کے قانون امہال کا اجمالی تذکرہ

یہ اللہ کے قانون مہلت کی طرف اشارہ ہے جس کی قبل ازیں کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے بالخصوص سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۷ ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ان کے گناہوں اور ناشکرگزاریوں پر جلد گرفت نہیں کرتا بلکہ ان کو مسلسل ڈھیل دیتا رہتا ہے تا کہ شاید وہ توبہ وانابہ کریں یا پھر دل کھول کر گناہ وعصیان کرلیں اور کسی بھی گناہ کرنے کی حسرت باقی نہ رہ جائے اور اگر خدا گرفت کرنے میں جلدی کرتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ چھوڑتا جیسا کہ یہاں فرمایا ہے اور جیسا کہ سورہ کہف آیت ۵۸ میں فرماتا ہے و ربك الغفور ذو الرحمة لو یؤاخذھم بما کسبوا لعجل لھم العذاب بل لھم موعد لن یجدوا من دونه موئلا (اے پیغمبر) آپ کا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے اگر وہ لوگوں کو ان کے کرتوتوں پر جلدی مواخذہ کرتا تو پھر (دنیا ہی میں) ان پر عذاب نازل کر دیتا بلکہ ان کے لیے ایک مقررہ میعاد ہے۔جس سے وہ خدا کے سوا کہیں پناہ نہیں پائیں گے ہاں البتہ جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر ایک گھڑی کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ذالک تقدیر العزیز العلیم۔

۵۵-و یجعلون للہ ما یکرھون۔ الآیۃ

اس آیت کے بارے میں عام تاثر تو یہی ہے کہ یہ سابقہ مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں یعنی لڑکیاں وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں چنانچہ تفسیر تبیان، مجمع البیان، وغیرہ میں یہی معنی بیان کیے گئے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے اگر اس کے یہ معنی کیے جائیں تو بظاہر انسب معلوم ہوتے

ہیں کہ ان کی حماقت کا یہ عالم ہے کہ انہیں جو بات اپنے لیے ناپسند ہوتی ہے جیسے اپنے اقتدار میں کسی غیر کی شرکت، اپنے نمائندوں کا استخفاف، اپنے نام پر ناکارہ اور گھٹیا چیز دینا اور دوسروں کے نام پر اچھی چیز دینا یعنی گڑ کے چاول اللہ کے نام پر اور زردہ پلاؤ اپنے پیشواؤں کے نام پر وہ سب کچھ اللہ کے لیے پسند کرتے ہیں اور پھر وہ یہ گمان بھی کرتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ہاں البتہ ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جو ان کو نگلنے کی منتظر ہے (تفسیر صافی وکشاف)۔ اللہ کے نام گھٹیا اور ناکارہ چیز دینا اور پھر اس سے جنت کی توقع بھی رکھنا ع ایں خیال است ومحال است وجنون۔ اگر اس سے جنت لینی ہے تو پھر اپنی پسندیدہ چیزیں اس کے نام پر دینا پڑیں گی۔ لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

-۵۶ تاللہ لقد ارسلنا الآیۃ۔

ہمیشہ سے مشرکین کا طریقہ کار ایک رہا ہے

اس پیرایہ میں پیغمبر اسلام کو تسلی اور کفار ومشرکین کو دھمکی دی جارہی ہے کہ آج کفار کا پیغمبر اسلام کو جھٹلانا اور ان کی نبوت کا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے سابقہ قومیں بھی اپنے رسولوں کے ساتھ یہی سلوک کرتی رہی ہیں۔ ہم تو رسول اس لیے بھیجتے تھے کہ لوگ ان کے ذریعہ سے ہدایت حاصل کریں مگر انہوں نے شیطان کو اپنا راہنما بنالیا جس نے ان کے زشت اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنادیا کیونکہ شیطان کا کام ہی یہی ہے کہ جن چیزوں میں کوئی حسن ورعنائی نہیں ہے وہ انہیں حسن وزیبائی کا پیکر بنا کر پیش کرے جیسا کہ شرابی کو شراب میں اور زانی کو زنا اور جواری کو جوئے میں عارضی لذت محسوس ہوتی ہے لہٰذا ان لوگوں نے نہ خدا کو پہچانا اور نہ رسولوں کو مانا لہٰذا آج تک ان کا سرپرست شیطان ہے بہرکیف شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل وفکر سے کام لے اور چیزوں کے اصلی وحقیقی حسن وقبح میں غور وفکر کرے ایسا کرنے سے جو چیزیں حقیقی طور پر حسین اور اچھی ہیں ان کا حسن نکھر کر انسان کے سامنے آجائے گا اور شیطانی تسویلات و ترغیبات کا پردہ چاک ہوجائے گا اور ان کا ضرر وزیاں واضح وآشکار ہوجائے گا۔

-۵۷ وما انزلنا الیك الكتاب۔ (الآیۃ)۔

وحی کتاب کے نزول کا مقصد؟

یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت اوپر آیت ۴۴ و انزلنا الیك الذکر الآیۃ کی تفسیر میں کی جاچکی ہے کہ وحی کا نزول ہو یا کتابوں کی تنزیل یہ سب کچھ حقیقت کے بیاں اور رفع اختلاف کے

لیے ہوتا ہے چنانچہ سابقہ آیت میں تبیین حقیقت کی طرف اشارہ تھا لتبین للناس ما نزل الیھم تو یہاں رفع اختلاف کی طرف اشارہ ہے لتبین لھم الذی اختلفوا فیه۔

مگر یہ سب باتیں یعنی بیاں حقیقت ہو یا رفع اختلاف یہ رسول کے بیان وکلام پر موقوف ہیں جس پر وحی یا کتاب نازل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کا کام صرف من وعن پیغام پہنچانا ہی نہیں بلکہ اس کی تشریح وتوضیح کرنا بھی ان کے منصبی فرائض میں شامل ہے تاکہ ہر لحاظ سے حجت اتمام ہوجائے۔

۵۸- واللہ انزل من السمآء۔ الآیۃ۔

ایک تمثیل جمیل

جب آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو اس سے مردہ یعنی بنجر زمین زندہ ہوجاتی ہے یعنی سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے اس سے فصلیں اگنے لگتی ہیں یہ تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے اس سے اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن بھی کتاب ہدایت ورحمت ہے جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے اسی طرح یہ کتاب ہدایت مردہ دلوں کو زندہ کردیتی ہے اور اپنے خصوصی اسلوب پند ومواعظہ سے کافروں کو مسلمان اور بے ایمانوں کو مومن بنانے میں اپنا موثر کردار ادا کرتی ہے۔ اس تمثیل میں آوازحق سننے والوں کے لیے بڑی نشانی موجود ہے اور وہ بآسانی بارش کے ذریعہ زمین کے زندہ ہونے سے قیامت کے دن مردہ جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین حاصل کرسکتے ہیں۔

آیات القرآن

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعۡرِشُوۡنَۙ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت کا سامان موجود ہے ہم ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے نکال کر تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے (۶۶) اور ہم کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی (تمہیں اس حالت میں) جن سے تم نشہ آور عرق بھی بنا لیتے ہو اور بہترین رزق بھی یقیناً اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (۶۷) اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو یہ وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان چھپروں میں جن پر لوگ بیلیں چڑھاتے ہیں گھر (چھتے) بنایا کر (۶۸) پھر ہر قسم کے پھلوں (اور پھولوں) کا رس چوسا کر پس اپنے پروردگار کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی رہ۔ شہد کی ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا وہ مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے اس میں ان کے لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تمہیں وفات دے گا اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کو (بڑھاپے کی) بدترین عمر تک لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانیں۔ بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا قدرت والا ہے (۷۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ ومما یعرشون۔ کہا جاتا ہے عرش الکرم یعنی انگور کی بیل کو چھپر پر چڑھایا۔ (۲۔ ذللا۔ یہ سبل کی صفت ہے جس کا مفہوم ہے اللہ کی راہ اور ہموار کردہ راستے۔ ۳۔ ارذل العمر۔ یعنی گھٹیا اور ردی عمر۔

تفسیر الآیات

-۵۹ وان لکم فی الانعام ۔ الآیة ۔

چوپایوں کی خلقت کے بعض مقاصد وفوائد کا تذکرہ

خداوند عالم نے مختلف آیات میں ان حیوانوں کی خلقت کے مختلف فوائد وعوائد کا تذکرہ کیا ہے مثلاً سورہ انعام کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا و من الانعام حمولة و فرشا اور اسی سورہ نحل کی آیت ۸۰ میں فرمایا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا ۔ الآیة اور سب سے زیادہ فوائد اسی سورہ نحل کی آیت ۵ سے لے کر آیت ۸ تک والانعام خلقها لکم فیها دف تا قوله تعالی و یخلق ما لا تعلمون، ون الخ میں بیان فرمائے ہیں اور اس آیت شریفہ میں چوپایوں کے فوائد میں سے صرف دودھ کا تذکرہ فرمایا ہے جس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جانور کی غذا جب خدائی کارخانے یعنی جانور کے پیٹ میں جاتی ہے تو اس کا ایک حصہ گوبر بن جاتا ہے اور دوسرا خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہی خون جب قدرت کے ایک دوسرے کارخانہ یعنی تھنوں میں جاتا ہے تو خالص دودھ کی شکل دھار لیتا ہے جس میں نہ گوبر کی بدبو ہوتی ہے اور نہ خون کی رنگت قدرت کی یہ کس قدر کرم گستری ہے کہ عام حیوانی غذا کو اتنے مراحل سے گذار کر خوشگوار اور خوش ذائقہ دودھ کی صورت میں مہیا کرتا ہے یہ قادر مطلق کی قدرت کی نشانیوں میں سے بڑی عظیم نشانی ہے ۔

-۶۰ و من ثمرات النخیل ۔ الآیة

پھلوں کے بعض فوائد کا تذکرہ

سابقہ آیت میں خداوند عالم کی ان بعض غذائی نعمتوں کا تذکرہ تھا جو وہ چوپایوں سے حاصل کرتا ہے اب یہاں ان بعض پھلوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن سے انسان اپنی غذا اور دوسرے فوائد کی چیزیں بناتا ہے جن کے بنانے میں انسانی صنعت اور کاریگری کو بھی کچھ دخل ہے یعنی انسان کھجور اور انگور کے شیرہ سے شراب بھی بنا لیتا ہے اور بہترین رزق بھی الغرض اس مسئلہ کا انسانی عمل وکاریگری سے تعلق ہے اس کے حلال و حرام ہونے سے اس کا تعلق نہیں ہے لہٰذا ہمیں اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو بعض مفسرین نے کی ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ خطاب صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ پورے

عالم انسانیت کو قدرت خدا کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں سے کیا کیا فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اسی آیت میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ شراب اچھی چیز نہیں ہے کیونکہ اس کے بالمقابل فرمایا ہے کہ "تم کھجور و انگور سے شراب بھی تیار کرتے ہو اور بہترین رزق بھی" اس سے واضح ہے کہ شراب اچھا رزق نہیں ہے الغرض خدا نے ہر چیز انسان کے فائدہ کے لیے بنائی ہے اب یہ انسان کا کام ہے کہ ان سے اچھا فائدہ حاصل کرے یا اس سے شراب وغیرہ بنا کر غلط فائدہ اٹھائے۔

۶۱- واوحی ربك۔ الآیۃ

شہد کی مکھی کی کارستانی کا تذکرہ

وحی کے معنی اس لطیف اور مخفی اشارے کے ہیں جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا اور کوئی کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی بنا پر قلبی القاو الہام کو بھی وحی کہا جاتا ہے یہاں اس وحی سے وہ فطری صلاحیت مراد ہے جو قادر مطلق نے شہد کی مکھی میں شہد اور اس کا چھتہ بنانے کے بارے میں اس کی خلقت میں ودیعت کی ہے۔ الغرض شہد کی مکھی اپنی فہم و فراست اور دانائی اور اپنی شعوری توانائی کے اعتبار سے سب حیوانی دنیا میں مشہور و ممتاز ہے اور فرنگی مفکرین نے اس کی فراست اور حسن انتظام و تدبیر پر کتابیں لکھی ہیں۔

ذرا اس کے چھتے پر غور کرو کہ کتنی مہارت و چابکدستی سے اس کو مسدس خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کے سارے اضلاع اور تمام زاویے مساوی ہیں کوئی بڑے سے بڑا ماہر فن بھی مسطر اور پرکار کے بغیر ایسا مسدس نہیں بنا سکتا ان چھتوں کے اکثر بیس سے تیس ہزار تک خانے ہوتے ہیں۔ پھر مکھیوں کی یہ فوج بڑے نظم و نسق سے اپنے کام میں مصروف عمل ہے۔ ایک مکھی ان کی سردار ہے جسے یعسوب کہا جاتا ہے دوسری تمام مکھیاں اسی کے حکم کے تحت کام کرتی ہیں اور اپنی ملکہ کے حکم کو دل و جان سے قبول کرتی ہیں۔ اگر کوئی مکھی کبھی گندگی پر بیٹھ جائے تو اسے چھتے سے باہر روک لیا جاتا ہے اور پھر ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے اور آخر کار شہد جیسی نعمت تیار کر کے انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔ یہ اکثر تو پھلوں اور پھولوں پر بیٹھتی ہیں اور ان کو چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد بن جاتا ہے اور رحمانی وحی کے مطابق یہ گھر (چھتہ) عموماً بناتی بھی پہاڑوں، درختوں یا چھپروں پر ہیں جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔

۶۲- فیه شفآء للناس (الآیۃ

شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے

شہد کے مختلف رنگ ہوتے ہیں سفید، پیلا، سرخ اور سیاہ وغیرہ اور آٹھ قسم کا شہد تو صرف عرب میں پایا جاتا ہے اور وہ جہاں قوت بخش اور لذیذ غذا ہے وہاں کئی بیماریوں کی اس میں شفا بھی ہے۔ یونانی اطبا تو بطور خاص اسے مختلف معجونوں میں شامل کرتے ہیں بالخصوص کئی بیماروں کے لیے شہد کا استعمال بہت مفید ہے جیسے خون کی کمی، بدہضمی، منہ، پھیپھڑے اور مثانے کی گرمی اور جگر کے جملہ امراض وغیرہ۔ مگر خیال رہے کہ اس کے استعمال کرنے کے طریقہ کار میں کسی ماہر ڈاکٹر وطبیب کی راہنمائی ضروری ہے۔

۶۳۔ واللہ خلقکم ثم یتوفاکم ۔ الآیۃ

خالق اور محی و ممیت خدا ہی ہے

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی اور موت خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ان کے سب اسباب وآلات بھی اسی کے اختیار میں ہیں کوئی اور ذات زندگی یا موت دینے کا اختیار نہیں رکھتی بنابریں جب حقیقی محی و ممیت خدا ہی ہے تو پھر معبود برحق بھی وہی ہوگا ارشاد قدرت ہے یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم تتقون (سورہ بقرہ) اے لوگو اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا ہے تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔

۶۴۔ و منکم من یرد ۔ الآیۃ

ارذل العمر کا تذکرہ

جو شخص اپنی طبعی عمر گزار کر مرتا ہے تو اس کی زندگی کئی ادوار سے گذرتی ہے۔ ۱۔ بچپنا۔ ۲۔ عنفوان شباب۔ ۳۔ بھرپور شباب۔ ۴۔ ادھیڑ عمر۔ ۵۔ بڑھاپا۔ ۶۔ ارذل العمر یعنی عمر کی وہ منزل جس میں جسمانی اور دماغی قوتیں برقرار نہ رہیں۔ انسان گوشت کا ایک لوتھڑا بن جائے اور بہت کچھ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانے اور یہاں تک کہ اسے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہ جائے۔ یعنی مکمل طور پر پیر فرتوت بن جائے۔ کیا عجیب نظام قدرت ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو بالکل عاجز و ناتواں ہوتا ہے پھر جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے توں توں اس کی جسمانی و دماغی قوتوں میں آہستہ آہستہ ترقی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ شباب کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو اس کے تمام قویٰ بھی شباب پر ہوتے ہیں پھر جب عمر کا سایہ ڈھلنے لگتا ہے تو ان قوتوں میں بھی انحطاط

شروع ہو جاتا ہے۔ کہیں حافظہ کی کمزوری کی شکایت تو کہیں سماعت و بصارت میں کمی کا شکوہ اور کہیں دماغی کمزوری کا رونا الغرض رفتہ رفتہ انسان کے یہ ظاہری و باطنی ساتھی ایک ایک کر کے انسان کا ساتھ چھوڑنے لگ جاتے ہیں نہ گھٹنوں میں دم، نہ جسم میں نم، نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت۔ حتیٰ کہ چلنے پھرنے کی طاقت بھی ختم ہونے لگ جاتی ہے اور جو کچھ یاد تھا وہ سب طاق نسیان کی زینت بن جاتا ہے اس وقت آدمی کہتا ہے ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

ولا للمرء خير في حيوة
اذا ما عد من سقط المتاع

یعنی انسان کے لیے اس زندگی میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہے جب وہ ردی کی ٹوکری کا مال سمجھا جائے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ارذل العمر کب شروع ہوتی ہے؟ تو سن وسال کے لحاظ سے اس کا کوئی خاص پیمانہ مقرر نہیں ہے کہ جس کے بعد ضرور یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔ بعض لوگ سو سال کی عمر میں بھی چاک و چوبند نظر آتے ہیں اور بعض ستر سال کی عمر میں پیر فرتوت ہاں البتہ بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پچھتر سال کے بعد یہ کیفیت طاری ہوتی ہے اور بعض اخبار میں نوے سال اور بعض میں سو سال کی عمر کو ارذل العمر کہا گیا ہے اور بعض آثار میں وارد ہے کہ ارذل العمر یہ ہے کہ آدمی کی عقل سات سال کے بچے کی مانند ہو جائے (تفسیر مجمع البیان و صافی) ویسے عرف عام میں بہتر سال والے لوگ خاصے بدنام ہیں جن کو بہترا ہوا کہا جاتا ہے بہر حال مقصد یہ ہے کہ پیدا کرنے، موت دینے اور بعض کو ارذل العمر تک پہنچانے کا سارا کام صرف خدا کا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے علاوہ دوسری کسی بھی ہستی کو یہ اختیار نہیں ہے۔

آیات القرآن

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ‌ۚ فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ‌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَـكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَـكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ‌ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا
لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ
رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ
اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا
يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ
وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں فضیلت (برتری) دی ہے پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں (اور زیردستوں) کو لوٹا دینے والے نہیں ہیں تا کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں (۷۱) اور اللہ نے ہی تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور پھر ان بیویوں سے بیٹے اور پوتے عنایت فرمائے اور تمہاری روزی کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں تو کیا (پھر بھی) یہ لوگ باطل کو مانتے رہیں گے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے رہیں گے (۷۲) اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت (پرستش) کرتے ہیں جو ان کو آسمان و زمین سے روزی پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ یہ کام کر سکتے ہیں (۷۳) پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ دیا کرو بے شک اللہ بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے (۷۴) اللہ ایک مثال پیش کرتا ہے کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور ایک دوسرا ہے

جسے ہم نے بہترین رزق عطا کر رکھا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ بھی کرتا ہے کیا وہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمد للہ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) مگر اکثر لوگ (اتنی سیدھی بات بھی) نہیں جانتے (۷۵) اور اللہ دو آدمیوں کی مثال پیش کرتا ہے جن میں سے ایک گونگا ہے کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے وہ اسے جدھر بھی بھیجے وہ کسی بھلائی کے ساتھ واپس نہیں آتا اور دوسرا وہ ہے جو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اور خود راہ راست پر قائم ہے کیا وہ (پہلا) اور یہ (دوسرا) برابر ہو سکتے ہیں؟ (۷۶)

تشریح الالفاظ

۱۔حفدہ۔ یہ حافد کی جمع ہے جس کے معنی پوتا کے ہیں اسی طرح حفدء ہے جس کی جمع حفداء ہے کے معنی بھی پوتے کے ہیں۔ ۲۔ابکم۔ جس کی جمع بکم ہے اس کے معنی گونگا کے ہیں۔ ۳۔کل۔ کے متعدد معانی میں سے ایک معنی بوجھ ہیں اور اس لفظ کا اطلاق واحد و جمع سب پر ہوتا ہے۔

تفسیر الآیات

-٦٥ واللہ فضل بعضکم۔ الآیۃ

رزق کے معاملہ میں انسانوں کے مختلف درجے ہیں

خدائے علیم وحکیم نے اپنے علم کامل اور اپنی حکمت بالغہ سے رزق کے معاملہ میں لوگوں کے مختلف طبقے قرار دیے ہیں۔

۱۔کوئی بڑا مالدار ہے جس کے پاس حشم وخدم ہیں اور تمام اسباب عیش وعشرت کی فراوانی ہے۔

۲۔کوئی انتہائی غریب ونادار ہے۔

۳۔اور کوئی متوسط ہے نہ بڑا سرمایہ دار ہے اور نہ ہی انتہائی غریب ونادار۔

اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے

نظام اشتراکیت کے علمبردار جو مزدوروں کو معاشی مساوات کے سبز باغ دکھاتے ہیں وہ ان کو کھلم کھلا

دھوکہ دیتے ہیں ایسا کرنا نظام فطرت سے بغاوت کے مترادف ہے جب خالق حکیم نے ہر شخص کو ذہنی اور جسمانی قوتیں اور صلاحیتیں الگ الگ دی ہیں اور ان علمی و عملی صلاحیتوں میں کوئی اعلیٰ ہے کوئی ادنی اور کوئی متوسط تو پھر ہر شخص کو اپنی صلاحیت کے مطابق صلہ بھی ملے گا اور یہ بھی مدنظر رہے کہ وسائل معیشت بھی سب کو یکساں میسر نہیں آتے لہٰذا اہل اور نااہل کو مساوی قرار دینا اور باصلاحیت کو بے صلاحیت کے برابر ٹھہرانا، نظام فطرت سے بغاوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آج خود اشتراکی ممالک میں نظام اشتراکیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ کیونکہ

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے

کہ اس آیت کا تعلق فلسفہ معیشت سے ہے جیسا کہ بعض جدید مفسرین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کے آپس میں ڈانڈے ملانے کی کوشش کی ہے یعنی جن لوگوں کو اللہ نے رزق میں فضیلت و برتری عنایت کی ہے انہیں اپنا رزق اپنے غلاموں اور نوکروں کی طرف لوٹا دینا چاہیے تا کہ رزق میں سب برابر ہو جائیں ورنہ وہ خدا کی نعمت کے منکر قرار پائیں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کا نظام معیشت سے کوئی ادنی سا تعلق بھی نہیں ہے۔

اصل مفہوم کیا ہے؟

خدائے حکیم کفار و مشرکین کو ایک وجدانی دلیل سے ان کے کفر و شرک پر متنبہ کرنا اور اپنی توحید پر استدلال کرنا چاہتا ہے کہ خدا نے تمہیں مال زیادہ دیا ہے تو تم اپنا مال (جو دراصل خدا کا مال ہے) اپنے غلاموں اور نوکروں کو دے کر ان کو اپنے برابر کی سطح پر لانا گوارا نہیں کرتے تو ان بے اختیار بتوں اور خود ساختہ معبودوں کو جو کہ مخلوق ہیں کس طرح خالقِ کائنات کے برابر جانتے ہو؟ اور کس طرح خدا کے ساتھ ان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہو اور عبادت بھی؟ کیا یہ خدا کی نعمتوں کے انکار کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ تو انصاف شرط ہے جو چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ خدا کے لیے کیوں پسند کرتے ہو؟ مالکم کیف تحکمون؟

-۶۶ واللہ جعل لکم ۔الآیۃ۔

یہ بیویاں عطیہ الٰہیہ ہیں

اس آیت میں ایک اور عطیہ الٰہیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اللہ نے تمہاری جنس و نوع سے تمہارے لیے

بیویاں بنائی ہیں جو تمہاری رفیقۂ حیات ہیں تاکہ تمہارے لیے سکون نفس اور اطمینان قلب کا باعث بنیں جیسا کہ سورہ روم آیت ۲۱ میں فرماتا ہے و من آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا و جعل بینکم مودۃ و رحمۃً۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا فرمائیں تاکہ تمہیں سکون نفس نصیب ہو اور تمہارے درمیان باہمی محبت اور الفت پیدا کر دی سچ ہے کہ ع

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مزید کرم نوازی یہ فرمائی کہ تمہیں اولاد اور پھر اولاد کی اولاد کی نعمت سے نوازا تاکہ نسل انسانی کی بقا کا سلسلہ برقرار رہے اور مزید برآں تمہاری شخصی بقا کے لیے خورد و نوش کا انتظام کیا اور عمدہ چیزیں مہیا فرمائیں فبای الاء ربکما تکذبان؟ پھر بھی یہ ناشکرے انسان باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان و انعام کا انکار کرتے ہیں۔

۶۷- و یعبدون من دون اللہ۔ الآیۃ

سابقہ آیات میں جس باطل پر ایمان لانے اور جس نعمت کے انکار کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس آیت میں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ نعمتیں خدا کی استعمال کرتے ہیں اور شکر یہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔ روزی خدا کی کھاتے ہیں اور عبادت اس کے مزعومہ شریکوں کی کرتے ہیں جو نہ آسمان سے ان کی روزی کا اختیار رکھتے ہیں کیونکہ وہ بارش نہیں برسا سکتے اور نہ زمین سے اختیار رکھتے ہیں کیونکہ وہ فصلیں نہیں اگا سکتے اور نہ معدن (کان) سے کیونکہ وہ معدن بنا نہیں سکتے اور نہ ہی وہ ان کاموں کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر ان کی عبادت کی وجہ کیا ہے؟ آخر اس پرستش کا کوئی تو جواز ہونا چاہیے اور یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

۶۸- فلا تضربوا۔ الآیۃ

خدا کا کوئی وزیر و مشیر نہیں ہے

اس آیت میں ایک بڑی اہم حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کی جا رہی ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مشرکانہ خیالات اور کافرانہ نظریات جنم لیتے ہیں عموماً لوگ خدائے تعالیٰ کو ایک بہت بڑا بادشاہ سمجھ کر انبیاء و ائمہ اور ملائکہ اور مزعومہ شرکا کو اس کا وزیر و مشیر قرار دیتے ہیں کہ جس طرح کوئی بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی تنہا نظام حکومت نہیں چلا سکتا بلکہ اس کام کے لیے بہت سے وزرا اور ان کے نیچے افسر ہوتے ہیں جو مل کر نظام سلطنت چلاتے

ہیں اسی طرح خدا کا معاملہ بھی ہے مگر خدا نے یہ فرما کر کہ خدا کے لیے مثالیں نہ دیا کرو کیونکہ لیس کمثلہ شئی ، اس کوئی مثال اور شبیہ نہیں ہے۔ دنیوی بادشاہ اس لیے وزراء رکھتے ہیں کہ وہ ان کے بغیر نظام مملکت نہیں چلا سکتے یعنی وہ عاجز ہوتے ہیں مگر خدا تو قادر مطلق ہے وہ بے نیاز ہے وہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے کیونکہ احتیاج شان ربوبیت کے منافی ہے۔ اس لیے اس کا کوئی وزیر و مشیر نہیں اور اس نے اپنے کارخانہ قدرت کا کوئی محکمہ کسی کے سپرد نہیں کیا ہے بلکہ ساری کائنات اور اس کے نظم و نسق کی باگ ڈور اسی کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے **ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم** (زمین و آسمان کا نظام اسے نہیں تھکاتا۔ اور نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ وہ بلند و بالا بھی ہے اور بزرگ و برتر بھی) **سبحان من ھو ھکذا و لا ھکذا غیرہ**، الغرض خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا سراسر حماقت ہے۔ اس میں کوئی عقلمندی نہیں ہے اور ع

چرا کارے کند عاقل کے باز آید پشیمانی

اے بیرون از وہم و قیل و قال من
خاک بر فرقِ من و بر تمثیل من

-۶۹ ضرب اللہ عبدا ۔ الآیۃ

یہاں خدائے علیم و حکیم نے دو مثالیں دے کر کفار و مشرکین کو ان کی جہالت و ضلالت اور نادانی پر متوجہ کیا ہے کہ جو اپنے بتوں کو جو عجز و ناتوانی اور مملوکیت و مجبوریت میں ایک عاجز و بے اختیار زر خرید غلام کی مانند ہیں جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ آیا وہ مالک و مختار اور آزاد آقا کی مانند ہو سکتے ہیں جو بہترین رزق کا مالک ہے جو اسے پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرنے پر قادر بھی ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ حالانکہ یہ دونوں ایک ہی جنس اور ایک ہی نوع سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر برابر نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر تمہارے خود ساختہ معبود اور کائنات کا معبود و مسجود کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری مثال کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایک طرف ایک گونگا بہرہ ناکارہ آدمی ہے جو نہ کوئی کام کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کا کوئی کام سنوار سکتا ہے نہ کسی کی پکار سن سکتا ہے اور نہ جواب دے سکتا ہے اور اگر آقا کوئی کام اس کے ذمہ لگائے تو وہ کوئی کام درست نہیں کر کے لاتا۔ اور دوسری طرف وہ آدمی ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے راستہ پر قائم بھی ہے یعنی علمی و عملی قوت میں درجہ کمال پر فائز ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر تم اے مشرکو! ان ناکارہ بتوں کو خدائے قادر و قدیر کے برابر کس طرح قرار دیتے ہو؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟؟

مخفی نہ رہے کہ صاحب مجمع البیان اور جلالین نے قیل کہہ کر بعض مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ کافر و مومن کی مثال ہے یعنی یہ اصنام اور خالق کون و مکان کا تقابل نہیں ہے بلکہ کافر و مومن کی مثال ہے کہ وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

۷۰۔ و للہ غیب ۔ الآیۃ

زمین و آسمان کا ہر قسم کا علم غیب خدا سے مخفی نہیں ہے

زمین و آسمان کے غیب کا علم اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی سے مخصوص ہے علم غیب کے موضوع پر کہ غیب کی تعریف کیا ہے؟ اور آیا اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی مخلوق علم غیب جانتی ہے یا نہ؟ اور اگر کچھ جانتی ہے تو آیا اس کو عالم الغیب کہنا جائز ہے یا نہ؟ قبل ازیں تفسیر کی جلد دوم سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۹ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء کی تفسیر میں مفصل بحث و گفتگو کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کے باب ۷ کا مطالعہ کریں۔

۷۱۔ وما امر الساعۃ ۔ الآیۃ

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافروں کے اس سوال کا جواب ہے کہ اگر قیامت برحق ہے تو کب آئے گی؟ جواب دیا جا رہا ہے کہ جب خدا قیامت قائم کرنا چاہے گا تو وہ کسی طویل مدت میں واقع نہیں ہوگی اور نہ ہی اس نظام شمسی و قمری کو درہم برہم کرنے میں کوئی ماہ و سال لگیں گے بلکہ وہ ایسے آئے گی جیسے آنکھ جھپکتی ہے یا اس سے بھی قریب تر لہٰذا ابھی سے اس کے لیے تیاری کر لو کیونکہ جب وہ آ جائے گی تو پھر مہلت نہیں ملے گی۔

۷۲۔ واللہ اخرجکم ۔ الآیۃ

عام انسان شکم مادر سے جاہل پیدا ہوتا ہے

یہاں اللہ کے اس احسان عظیم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اس نے پیدائش کے بعد انسان پر کیا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ عام انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ اپنے نفع و نقصان اور سود و زیاں کو جاننا تو بجائے خود وہ اپنے ماں باپ کو بھی نہیں پہچانتا وہ اس وقت علم و عقل اور قوت و صلاحیت سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے مگر خالق مہربان اسے سمع و بصر اور دل و دماغ کی قوتیں عطا فرماتا ہے اور یہی چیزیں

علم حاصل کرنے کے اسباب و آلات ہیں سب سے پہلے سماعت پھر بصارت اور سب کے آخر میں دل و دماغ ہے۔ آدمی جو کچھ سنتا ہے یا دیکھتا ہے وہ اسے دل و دماغ پر پیش کرتا ہے پھر وہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرتا ہے مخفی نہ رہے کہ فواد کے معنی قلب یعنی دل کے ہیں فلاسفہ و حکما عموماً علم و ادراک کا مرکز انسانی دماغ کو قرار دیتے ہیں مگر قرآنی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس چیز کا اصل مرکز قلب و دل ہے اگرچہ دماغ کو بھی اس میں فی الجملہ دخل ہے۔ وللتفصیل محل آخر۔

انبیاء و آئمہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں

واضح رہے کہ یہ عام لوگوں کی خلقت کا تذکرہ ہے کہ وہ شکم مادر سے محض جاہل پیدا ہوتے ہیں اور پھر حسب توفیق خدا کے عطا کردہ آلات و ذرائع سے علم حاصل کرتے ہیں مگر انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ متعدد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ اپنی ظاہری پیدائش کے وقت خدا سے فی الجملہ علم کی دولت لے کر دنیا میں آتے ہیں یہ اور بات ہے کہ چونکہ علم قابل ازدیاد ہے لہٰذا خدائے علیم و حکیم ان کے علم و فضل میں برابر اضافہ و ازدیاد کرتا رہتا ہے۔ و ذلك فضل الله يؤتيه من يشآء

۷۳۔ الم يروا الى الطير ۔ الآية

خدائے کریم نے یہاں اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ ہر ثقیل چیز اپنے مرکز ثقل زمین کی طرف عود کرتی ہے مگر ہلکے پھلکے اور بھاری بھر کم پرندے فضائے آسمانی میں محو پرواز ہیں۔ کبھی پر پھیلاتے ہیں اور کبھی سمیٹتے ہیں مگر زمین پر گرتے نہیں ہیں۔ آخر خدا کے سوا اور کون انہیں تھامے ہوئے ہے؟ اگرچہ انسان نے خدا کی عطا کردہ عقل کے بل بوتے پر آج ہوائی جہاز بنا لیا ہے مگر اسے اڑانے اور فضا میں روکے رکھنے کے لیے کئی مشینوں اور بڑے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے جونہی کوئی مشین خراب ہو جائے یا ایندھن ختم ہو جائے تو دھڑام سے جہاز گر پڑتا ہے مگر پرندے فضائے آسمانی میں بغیر کسی مشین اور ایندھن کے پرواز کر رہے ہیں اور نیچے نہیں گرتے تو ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ انہیں روکے ہوئے ہے بیشک اس میں ایمان رکھنے والوں کے لیے قدرت خدا کی بڑی نشانیاں ہیں۔

۷۴۔ والله جعل لكم ۔ الآية

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں سے ایک مکان بھی ہے

یہاں محسن حقیقی اپنے بعض ان احسانات کا تذکرہ فرما رہا ہے جن کا بہت قرب اور کثرت استعمال کی

وجہ سے آدمی کو بہت کم احساس ہوتا ہے۔ انہی میں سے ایک مکان بھی ہے وہ خواہ اینٹ گارے کا ہو یا جانوروں کے چمڑے کا (خیمہ) ہو بہرحال انسان کے جسم اور قلب و دماغ کے لیے سکون کا باعث ہے اور یہی چیز اس کے بنانے کا اصلی مقصد ہے کہ جب آدمی کام کر کے تھک جائے تو اس میں جا کر آرام کرے یاد رہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ظاہری تکلفات اور کسی خاص ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر و بیشتر تو یہ چیزیں سکون کو غارت کر دیتی ہیں۔ بس ضروری ہے کہ مکان ایسا ہو جس میں انسان کے جسم اور قلب و دماغ کو صحیح معنوں میں سکون میسر آئے اور یہی چیز کسی مکان کی روح رواں ہے۔

۷۵- و من اصوافها ۔ الآیة

اصواف صوف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بھیڑ کا اون اور اوبارو بر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کی روئیں۔ اشعار شعر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بکری کے بال، اثاث گھر کا ساز و سامان، متاع فائدہ اٹھانے کی چیز، اظلال ظل کی جمع ہے جس کے معنی سایہ کے ہیں، اکنان کن کی جمع ہے جس کے معنی پہاڑ کی غار کے ہیں جس میں انسان چھپ سکے اور پناہ لے سکے۔ سرابیل سربال کی جمع ہے جس کے معنی لباس اور قمیص کے ہیں۔ بأس کے معنی جنگ اور سختی کے ہیں یعنی خدا وہ مہربان ہے جس نے صوف، اون اور بالوں سے انسان کو مختلف گھریلو ساز و سامان اور مفید چیزیں مہیا فرمائی ہیں اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے مکانوں، درختوں اور دیواروں کے سائے بنائے ہیں اور پہاڑوں میں سر چھپانے، دشمن سے پناہ لینے اور گرمی و سردی سے بچنے کے لیے غاریں بنائی ہیں۔ پھر سردیوں گرمیوں سے بچنے کے لیے لباس الگ بنایا ہے اور جنگ سے بچنے کا مخصوص لباس (فولادی خود اور زرہ) الگ مہیا فرمایا ہے۔ الغرض خدائے رحمن و رحیم نے انسانی ضرورت کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں بہم پہنچا کر اس پر اپنی نعمتوں کو تام و تمام کر دیا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ میں سر اطاعت خم کریں اور اس کی فرمانبرداری اختیار کریں اور اگر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں تو پھر وہ جانیں اور ان کا خدا جانے۔ اے پیغمبر جو آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا ہے کیونکہ ؎

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

۷۶- یعرفون نعمة الله ۔ الآیة

وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں مگر وہ دیدہ دانستہ ان کا انکار کرتے ہیں۔

سزائے ایں چنیں دوناں بجز دوزخ کجا باشد؟

ہماری متعدد احادیث میں وارد ہے کہ یہاں نعمۃ اللہ سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت

والی نعمت ہے جس کا پیغمبر اسلام نے غدیر خم والے دن ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام کے مجمع عام میں اعلان فرمایا تھا۔

آیات القرآن

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

ترجمۃ الآیات

اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے پھر کافروں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی (۸۴) اور جب ظالم لوگ (ایک بار) عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی (۸۵) اور جن لوگوں نے (دنیا میں) شرک کیا تھا جب وہ (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار یہ ہیں

ہمارے وہ شرکا جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے تو وہ (شرکا) یہ بات ان کی طرف پھینک دیں گے کہ تم جھوٹے ہو (۸٦) اور اس دن سب اللہ کے سامنے جھک جائیں گے اور وہ ساری افترا پردازیاں غائب ہو جائیں گی جو وہ کیا کرتے تھے (۸۷) جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تو ہم ان کے فساد پھیلانے کی پاداش میں ان کے عذاب پر ایک اور عذاب کا اضافہ کر دیں گے (۸۸) اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو ان کے بالمقابل گواہی دے گا اور آپ کو ان سب کے بالمقابل گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر بات کو کھول کر بیان کرتی ہے اور سرِ تسلیم خم کرنے والوں کے لیے سراسر ہدایت، رحمت اور بشارت ہے (۸۹)۔

تشریح الالفاظ

یستعتبون۔ اس کا مادۂ اشتقاق عتب ہے جس کے معنی خفگی اور ناراضی کے ہیں اور استعتاب کے معنی ہیں رضا مندی طلب کرنا اور رضا مند کرنا۔ ۲۔ ینظرون۔ نظر کے ایک معنی مہلت کے بھی ہیں۔ ۳۔ تبیان۔ کے معنی ہیں واضح بیان۔

تفسیر الآیات

-،، یوم یبعث۔ الآیۃ

قیامت کے دن معذرت خواہی کی اجازت نہیں دی جائے گی

آج تو کفار و مشرکین آیات الٰہیہ کا انکار بھی کر رہے ہیں اور بے تحاشا گناہ و عصیاں کاری بھی کر رہے ہیں مگر اس دن ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو بالاتفاق اس امت کا نبی و رسول ہوگا وہ بارگاہ قدرت میں گواہی دے گا کہ ہم نے تیرا پیغام بے کم و کاست تیرے بندوں تک پہنچایا تھا مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بس اس دن نہ ان کو معذرت خواہی کی اجازت دی جائے گی اور نہ ہی انہیں خدا کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا کیونکہ اس وقت عذر و معذرت اور توبہ و استغفار کا وقت گزر چکا

ہوگا بلکہ وہ تو صرف جزا وسزا کا وقت ہوگا۔ مخفی نہ رہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے یعنی جو کسی نبی کی دعوت کی مخاطب تھی۔ امت اجابت مراد نہیں کہ جس نے اس دعوت کو قبول بھی کیا تھا۔

۸۷۔ واذا رآ الذین ظلموا۔ الآیۃ

جب ظالم لوگ ایک بار عذابِ الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو پھر نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی یہاں ظالم سے مراد عام ظالم ہے خواہ خدا کا انکار کر کے یا اس سے شرک کر کے ظلم کیا ہو۔ یا کسی مخلوق پر ظلم وزیادتی کی ہو یا گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ (تفسیر کاشف)

۸۹۔ واذا را الذین اشرکوا۔ الآیۃ

بروز قیامت مشرکین کی حالتِ زار کا بیان

وہ کس قدر ہولناک منظر ہوگا جب دنیا میں شرک کرنے والے لوگ اپنے خود ساختہ شرکا (دیوی دیوتاؤں، جنی وانسی معبودوں) کو دیکھ کر بارگاہ رب العزت میں فریاد کریں گے یا اللہ یہ ہیں ہمارے وہ شرکا جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہے ہیں مگر شرکا یہ بات سن کر ان کے منہ پر پھینک ماریں گے اور زبان حال یا زبان مقال سے کہیں گے تم بالکل جھوٹے ہو ہم نے کب تم سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارو ہمیں تو تمہاری اس شرک کی خبر بھی نہیں تھی اگر تم نے ہمیں سمیع الدعا اور قاضی الحاجات سمجھا تھا تو یہ تمہارا غلط مفروضہ تھا جس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ ہم تو اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اگر یہ سب گفتگو زبان مقال سے تصور کی جائے (کما ہو الظاہر) تو پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادر مطلق ان بے جان اصنام کو اپنی قدرت کاملہ سے گویائی عطا فرمائے گا تا کہ مشرکین کی مزید ذلت ورسوائی کا سامان بہم پہنچایا جائے۔

۸۰۔ فالقوا الی اللہ۔ الآیۃ

مشرکین کے جب سب اسباب قطع ہو جائیں گے اور سارے خود ساختہ سہارے ختم ہو جائیں گے تو اس وقت خدا سے صلح صفائی اور انقیاد واطاعت کی طرح ڈالیں گے اور وہ سب افترا پردازیاں غائب ہو جائیں گی جو وہ کیا کرتے تھے کہ ھؤلاء شفعاء عنا عند اللہ کہ یہ (بت) اللہ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں یہ ہمیں اس کے عذاب سے بچائیں گے۔ وما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی اور ہم ان کی اس لیے پرستش کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کا مقرب بارگاہ بنائیں گے۔ اس وقت ان کی حالت کچھ اس طرح ہوگی جس طرح کسی شاعر نے بیان کی ہے ؎

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

۸۱- و یوم نبعث فی کل امة۔ الآیة

اس مضمون کی ایک آیت سورہ بقرہ نمبر ۱۴۳ میں گزر چکی ہے و کذلك جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا (ہم نے تمہیں امت وسطی بنایا ہے تاکہ تم عام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور رسول تمہارے بالمقابل گواہ بنیں) اور ایک سورہ نساء نمبر ۴۱ میں گزر چکی ہے فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هؤلا شهیدا (بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسولؐ) آپ کو ان سب پر گواہ کے طور پر لائیں گے) اور انہی مقامات پر ہم ارشادات اہلبیتؑ کی روشنی میں اس گواہی دینے کی کیفیت ونوعیت بیان کر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے جو حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب قیامت کے دن خدا انبیا سے پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی امتوں تک پہنچایا تھا؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہاں اور جب یہی سوال ان کی امتوں سے کیا جائے گا تو وہ ان کی پیغام رسانی کا انکار کر دیں گے اور صاف صاف کہہ دیں گے کہ ما جاءنا من بشیر ولا نذیر تو اس وقت انبیا ماسلف حضرت پیغمبر اسلامؐ سے خواہش کریں گے کہ آپ ان کے حق میں گواہی دیں۔ اس وقت آپ انبیا کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے فریضہ نبوت ادا کیا تھا اور امتی جھوٹ بول رہے ہیں۔ بلی قد جائکم بشیر ونذیر واللہ علی کل شئی قدیر کہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے بشیر ونذیر آئے تھے۔ اس وقت وہ لوگ آپ کی شہادت کو رد نہیں کر سکیں گے۔ یہ ہے ارشاد قدرت فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هؤلآء شهیدا کی تفسیر۔ (تفسیر صافی بحوالہ احتجاج طبرسی وغیرہ)

ایضاح

حضرت امیر علیہ السلام کے اس کلام حق ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ ہماری متعلقہ آیات میں جو جئنا بك شهیدا علی هؤلا وارد ہے اس ہؤلاء کا اشارہ خدا کے گواہوں یعنی انبیا وآئمہ کی طرف ہے کہ وہ عام لوگوں کے گواہ ہیں اور آنحضرتؐ ان گواہوں کے بھی گواہ ہیں اور یہی پیغمبر اسلام کی عظمت وجلالت شان کا امتیازی نشان ہے ورنہ عام مفسرین کے بیان کے مطابق اگر هؤلا کا اشارہ صرف امت محمدیہ کی طرف ہو تو پھر اس میں آنحضرتؐ کی فضیلت کیا ہے؟ جب ہر نبی اپنی امت کا گواہ ہے تو آپ بھی اپنی امت کے گواہ ہیں۔ آپ

کی خصوصی فضیلت تو اسی میں ہے کہ عام نبی صرف اپنی امتوں کے گواہ ہیں اور پیغمبر اسلام ان گواہوں کے بھی گواہ ہیں یعنی جو نسبت عام امتوں کو اپنے انبیا کے ساتھ ہے وہی نسبت عام انبیا و آئمہ کو ہمارے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔

۸۲- و انزلنا علیک الکتاب۔ الآیۃ

ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں ہر شئے سے کیا مراد ہے؟ اگر چہ قرآن مجید وہ کتاب ہے کہ جس سے تمام علوم و فنون کے اصول و کلیات اخذ کیے جا سکتے ہیں کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کے بارے میں جامع ارشارات پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہم تفسیر کے مقدمہ میں ثابت کر آئے ہیں مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قران مجید بنیادی طور پر کتاب ہدایت ہے کتاب رحمت ہے اور کتاب بشارت یعنی عام لوگوں کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس پر عمل کرنے والوں کے لیے رحمت ہے اور کامل اطاعت گزاروں کے لیے بشارت ہے۔ بنا بریں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس ہر شئے سے مراد وہ ہر شئی ہے جس کا تعلق انسان کی دینی و دنیوی زندگی، اس کے عقیدہ و ایمان اور اخلاق و اطوار اور اس کی تعلیم و تربیت، اس کی فوز و فلاح اور اس کی ہدایت و غوایت الغرض اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی، تہذیبی و تمدنی اور معاشرتی شعبوں سے ہے۔ ان امور کے بارے میں قران مجید کے اندر واضح بیانات اور ارشادات موجود ہیں۔ یعنی ان امور سے متعلق بنیادی باتیں قران مجید میں مذکور ہیں اور ان کی تفصیلات و جزئیات سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات میں مذکور ہیں۔

بنا بریں قران بیان بھی ہے اور ہدایت بھی ہے، رحمت بھی ہے اور بشارت بھی، دعا ہے کہ خداوند عالم اپنی تمام مکلف مخلوق کو فیض وجود کے اس بحر بے کراں سے فیض پانے اور اس پیکر رشد و ہدایت سے ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بحق النبی و آلہ۔ اس آیت سے متعلقہ بعض حدیثیں تفسیر کی پہلی جلد کے مقدمات میں سے تیسرے مقدمے میں بیان کی جا چکی ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡىِ‌ ۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝۹۰ وَاَوۡفُوۡا

بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًاؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۝۹۱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًاؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖؕ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝۹۲ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۹۳ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۝۹۴ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًاؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۹۵

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابتداروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو (۹۰) اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب بھی تم کوئی عہد کرو اور اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو ضامن بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۹۱)۔ خبردار تم اس عورت کی مانند نہ ہو جانا جس نے بڑی مضبوطی سے سوت کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان مکر و فریب کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ ایک گروہ دوسرے سے زیادہ فائدہ حاصل کرے اور اللہ اس بات سے تمہاری آزمائش کرتا ہے اور یقینا قیامت کے دن وہ تمہارے لیے وہ حکمت ظاہر کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے

ہو(۹۲)اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا(۹۳)اور تم اپنے درمیان اپنی قسموں کو مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کہیں کوئی قدم جم جانے کے بعد پھسل نہ جائے اور اس طرح تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے کی پاداش میں برائی کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے عذاب عظیم ہے(۹۴)اور اللہ کے عہد و پیمان کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔ بے شک جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو(۹۵)۔

تشریح الالفاظ

الفحشاء۔ س کے معنی بہت سخت قبیح گناہ اور زنا کے ہیں۔ ۲۔ المنکر۔ یعنی وہ قول یا فعل جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ ۳۔ البغی۔ یعنی ظلم، قصور اور فساد۔ ۴۔ انکاث۔ نکث کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دوبارہ کاتنے کے لیے ادھیڑا ہوا کمبل یا خیمہ۔ ۵۔ دخلاً بینکم۔ کا مطلب ہے کہ اپنی قسموں کو مکر و فریب اور داخلی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔

تفسیر الآیات

۱۸۳۔ ان اللہ یأمر۔ الآیۃ

اخلاق عالیہ پر مشتمل مختصر مگر جامع آیت

اہل تحقیق کا فیصلہ ہے کہ اس آیت سے زیادہ مختصر اور اخلاق کی روشن اور باریک پہلوؤں کی اس سے زیادہ جامع آیت قران مجید میں موجود نہیں ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر قرآن میں اس آیت کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوتا تو وہ اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ وہ تبیان کل شئی ہے (تفسیر صافی) جناب عثمان بن مظعون بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اسلام کے بار بار اسلام پیش کرنے کی وجہ سے شرماتے ہوئے اسلام قبول تو کر لیا تھا مگر میرے دل و دماغ میں اسلام مستقر تب ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان)۔ بہر حال

اس آیت مبارکہ میں تین ایسی اچھی خصلتوں کا حکم دیا گیا ہے جس پر معاشرہ کی اصلاح کا دارومدار ہے۔

ا۔عدل وانصاف کو اپنا شیوہ وشعار بناؤ۔عدل تمام محاسن اخلاق کی اصل اصیل ہے کہ جو کام کیا جائے تو انصاف کے ساتھ اور جو کلام کیا جائے تو انصاف کے ساتھ۔الغرض عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں ہر شخص کو اس کے معاشی،معاشرتی واخلاقی وسیاسی حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔

۲۔احسان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ۔احسان سے مراد وہ حسن عمل ہے جس میں اچھائی اور بھلائی کے سب کام داخل ہیں جیسے لوگوں سے نیک برتاؤ برتنا رواداری روا رکھنا،عفو ودرگزر سے کام لینا اور لوگوں سے فیاضانہ سلوک کرنا یعنی لوگوں کے استحقاق سے بھی زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے بھی تھوڑا لینا۔الغرض انسان کے عمل کی بنیاد بھلائی پر ہو برائی پر نہ ہو۔

۳۔قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا گویا کہ یہ خصلت احسان کا ہی ایک خصوصی شعبہ ہے کیونکہ جب سب بنی نوع انسان کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کرنے کا نام احسان ہے تو پھر اس احسان کے سب سے زیادہ مستحق آدمی کے رشتہ دار ہیں اس لئے ان کے ساتھ مالی تعاون کرنا انسانیت کا بنیادی تقاضا ہے۔اس لئے شریعت مقدسہ خاندان کے خوش حال افراد کو اپنے خاندان کے بدحال لوگوں کا خیال رکھنے کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے تا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا ہر طرح خیال رکھیں اور ان کے دکھ سکھ میں شریک بنیں اور جن تین بڑی خصلتوں سے اس آیت شریفہ میں روکا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

ا۔ فحشاء: اس سے ہر قسم کی حد درجہ برائیاں مراد ہیں جیسے زنا،لواطت،چوری چکاری اور شراب خوری،برہنگی اور بدکلامی اور مردوں عورتوں کا آزادانہ اختلاط اور اس قسم کے دوسرے بے حیائی کے کام۔

۲۔ منکر: اس میں تمام برائیاں داخل ہیں۔جن کو شریعت مقدسہ نے ناپسند کیا ہے اور جسے عموماً لوگ اپنے معاشرہ میں برا سمجھتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔

۳۔ بغی: اس میں ہر قسم کا ظلم اور زیادتی داخل ہے خواہ وہ ظلم علی الغیر ہو یا ظلم علی النفس،وہ تکبر و غرور کی صورت میں ہو یا حسد ولدادد کی شکل میں۔الغرض ہر وہ کلام وکام جس میں حد سے تجاوز کیا جائے اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کی جائے وہ بغی کے وسیع معنی میں داخل ہے۔پس جب معاشرہ کا ہر شخص سابقہ تین اچھے کام کرنے لگ جائے اور تین برے کاموں سے بچنے لگ جائے تو اس سے معاشرہ جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔

بنا برایں جناب ابن مسعود کا یہ قول بڑا دقیع ہے ''هذا اجمع آية فى القرآن لخير يمتثل

ولشر یجتنب'' یعنی یہ قرآن کی جامع ترین آیت ہے جس میں ہر اس اچھی چیز کا ذکر ہے جسے کرنا چاہیے اور ہر اس بری چیز کا تذکرہ ہے جس سے بچنا چاہئے۔

-۸۴و اوفو بعهد الله۔الآیة

فقہا اسلام کا اتفاق ہے کہ جب مقررہ شرائط کے تحت کوئی عہد و پیماں کیا جائے یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی شرعی قسم کھائی جائے تو اسے پورا کرنا واجب ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا حرام ہوتی ہے جس کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے نیز عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جو اللہ سے کیا جائے اور یہ سب سے اہم ہے اور وہ عہد بھی جو کسی شخص یا جماعت سے کیا جائے۔ الغرض اس میں شخصی اور بین الاقوامی تمام معاہدات داخل ہیں جن کی اخلاقاً اور شرعاً پابندی کرنا ایک مسلمان پر واجب ہے اور اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو آدمی خدا کے حضور جواب دہ ہوگا۔ ارشاد قدرت ہے۔

و اوفو بالعهد ان العهد کان مسئولا

-۸۵ولا تنقضوا الایمان۔الآیة

اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو

واضح رہے کہ قسم کے پختہ کرنے سے مقصد شرعی طریقہ پر قسم کھانا ہے وبس اور اس پاگل عورت کی مانند نہ بنو جو مکہ میں سارا دن سوت کاتا کرتی تھی اور جب شام ہوتی تو اسے تار تار کر دیتی تھی۔ قسم کھا کر توڑنے والے کو خدا نے اس احمق عورت سے تشبیہ دی ہے لہٰذا جو اپنے کیے کرتے پر پانی پھیر دے اسے اسی عورت کی طرح احمق تصور کیا جائے گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا: اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت والا عہد و پیمان مراد ہے۔ جو پیغمبر اسلامؐ نے میدان خم غدیر میں لیا تھا اور پھر حضرت علیؑ کیلئے علیحدہ خیمہ نصب کرا کر اور آپؑ کو اس میں بٹھا کر صحابہ کرام کو یہ حکم دے کر کہ سلموا علی علی بأمرة المومنین۔ کہ حضرت علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو اس عہد و پیمان اور قسم کو مزید مؤکد اور پختہ کیا تھا۔ (کافی، قمی وصافی)

-۸۶تتخذون ایمانکم۔الآیة

معاہدوں کا پاس و لحاظ کرنا اخلاق و مروت کی آزمائش ہے

اس آیت میں مکر و فریب کرنے اور جماعتی معاہدے توڑنے کی سختی سے ممانعت کی جا رہی ہے اگرچہ

عرب وفاءعہد کی اخلاقی قدر و قیمت کے قائل تھے اور اپنے قبیلے کی وفاءعہد کو اپنے مفاخر میں شمار کرتے تھے۔ مگر وہ جماعتی معاہدوں میں اس سے زیادہ قدر و قیمت کے قائل نہ تھے آج ایک قبیلہ کا مخالف زیادہ طاقتور ہے تو وہ سابقہ معاہدہ توڑ کر طاقتور قبیلہ سے جا ملتا اور پہلے حریف پر حملہ کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا تھا اور کبھی دشمن کے ساتھ معاہدہ امن کرتے تھے اور پھر جب دیکھتے کہ دشمن کی ایک کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہے تو معاہدہ توڑ کر اس پر حملہ کر دیتے تھے۔ خیر یہ تو پرانے زمانہ کی باتیں ہیں آج اس متمدن اور مہذب دور میں بھی اس قسم کی عہد شکنی عام ہے آج ایک جماعت کا لیڈر کسی دوسری جماعت سے معاہدہ کرتا ہے اور کل اسے اپنی قومی یا شخصی مفاد کے خلاف محسوس کر کے یا اعلانیہ اسے توڑ دیتا ہے یا در پردہ اس کے خلاف کام کر کے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس قسم کی گھٹیا حرکتوں کو ڈپلومیسی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اسلام اپنے نام لیواؤں کو اس قسم کی اخلاق سے گری ہوئی حرکت کی سخت ممانعت کرتا ہے اور وہ کسی قوم و جماعت کے کئے ہوئے معاہدہ کے پاس ولحاظ رکھنے کو معاہدہ کرنے والے کے دین و دیانت اور اسکے اخلاق و مروت کی آزمائش قرار دیتا ہے لہٰذا جو اس آزمائش میں کامیاب ہو گیا وہ سچا مسلمان ہے اور جو ناکام ہو گیا وہ خدا کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

لہٰذا جس سے معاہدہ کیا جائے وہ مالی یا عددی اعتبار سے کمزور ہو یا طاقتور۔ بہر حال اس کا پورا کرنا واجب ولازم ہے لہٰذا کمزور سے کیے ہوئے وعدہ کو توڑ کر مالی یا عددی اعتبار سے طاقتور سے نیا معاہدہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام وعدہ کی خلاف ورزی کرنے کو مکر و فریب اور غدر قرار دیتا ہے اور اسے قدم جم جانے کے بعد قدم کا اکھڑنا قرار دیتا ہے کہ لوگ مسلمانوں کی اس روش کو دیکھ کر اسلام سے بھی بدگمان ہو جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ ایسے لوگوں کا دین و مذہب کیا ہے جو اپنے قول و قرار کے پکے اور سچے نہیں ہیں۔ لہٰذا اس طرح کرنے والا نہ صرف یہ کہ بدعہدی کے جرم کا مرتکب ہوگا بلکہ لوگوں کو راہ حق سے روکنے کا بھی باعث بنے گا۔ جس پر خدائے جبار نے اس عذاب عظیم کی دھمکی دی ہے۔ ولکم عذاب عظیم۔

۸۷- ولو شاء لجعلکم۔ الآیۃ

سب لوگوں کو زبردستی ایک دین پر اکٹھا کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے

اس قسم کی ایک آیت سورہ انعام نمبر ۳۵ **ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی**۔ اور سورہ ہود آیت نمبر ۱۱۸ **ولو شاء ربك لجعل الناس امة واحدة**۔ پر گزر چکی ہے اور وہیں اس کی مفصل تفسیر گزر چکی ہے ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنی مشیت قاہرہ اور قدرت کاملہ سے چاہتا تو

سب لوگوں کو پسندیدہ دین پر اکٹھا کر دیتا اور پھر کوئی بھی شخص کافر و بے دین نظر نہ آتا مگر ایسا کرنا اس کی حکمت بالغہ کے منافی ہے لہٰذا وہ ایسا نہیں کرتا۔

-٨٨ ولا تشتروا بعهد الله۔ الآية

اس قسم کی ایک آیت سورہ بقرہ میں اور سورہ آل عمران میں نمبر ٧٧ پر گزر چکی ہے اور انہی مقامات پر اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کا دین فروخت کر کے اس کے عوض پوری دنیا و ما فیہا بھی حاصل کر لی جائے تو بھی یہ خسارے کا سودا ہے کیونکہ ایک تو اس لئے کہ یہ خرید و فروخت حرام ہے اور دوسرے اس لیے کہ دنیا فانی ہے اور دین باقی۔ لہٰذا اگر باقی کو دے کر فانی کو لینا گھاٹے کا سودا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟؟

آیات القرآن

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾

ترجمۃ الآیات

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم یقینا صبر کرنے والوں کو ان کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق عطا کریں گے۔ (۹۶) جو کوئی بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے (دنیا) میں پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائینگے اور (آخرت میں) ان کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق عطا کریں گے۔ (۹۷) پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو مردود شیطان سے خدا کی پناہ مانگ لیا کریں۔ (۹۸) جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس (شیطان) کا کوئی تسلط نہیں ہے۔ (۹۹) اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ (۱۰۰) اور جب ہم ایک آیت کو کسی اور آیت سے بدلتے ہیں تو اللہ بہتر جانتا ہے وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم (یہ کلام) اپنے دل سے گھڑ لیا کرتے ہو حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ (حقیقت حال) کو نہیں جانتے۔ (۱۰۱) آپ کہہ دیجیئے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھے اور اطاعت گزاروں کیلئے ہدایت اور نجات کی خوشخبری ثابت ہو۔ (۱۰۲) اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ (قرآن کے بارے میں) کہتے ہیں کہ اس شخص (پیغمبر) کو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس شخص کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو فصیح عربی زبان ہے (۱۰۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ روح القدس سے یہاں جبریل مراد ہیں۔ ۲۔ یلحدون الیہ الحاد کے معنی راہ راست سے انحراف کرنے اور ہٹ جانے کے ہیں مگر جب اس کا صلہ الی کے ساتھ ہو جیسے الحد الیہ تو اس کے معنی مائل ہونے اور نسبت دینے کے ہوتے ہیں۔ ۳۔ اعجمی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر نہ کر سکے، خواہ عرب ہو یا عجم۔

تفسیر الآیات

۹۶۔ ماعند کم۔ الآیۃ

سابقہ آیت میں ثواب خداوندی کے بہتر ہونے کا ثبوت پیش کیا جارہا ہے کہ عہد شکنی اور دوسرے نا جائز ذرائع سے کوئی جس قدر بھی مال ودولت حاصل کرے آخروہ فانی اورختم ہونے والا ہےاور جوکچھ اجروثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہےلہٰذا بیشک جوکام بھی کرو۔وہ فائدہ کی خاطر کرو۔مگر یہ سوچ لوکہ کونسا فائدہ فانی ہےاورکونسا باقی ہے؟اور یہ ساری بات تب سمجھ میں آتی ہے کہ جب انسان آخرت پر اعتقاد رکھتا ہو یہی عقیدہ ہے کہ جب پختہ ہوجائے تو حرؑ کو حرؑ بناتا ہےاور جب یہ عقیدہ کمزور ہوجائے تو آدمی پسر سعد بن جاتا ہے۔

۹۷۔ من عمل صالحاً۔الآیۃ

اعمال کی قبولیت کی بنیادی شرط ایمان ہے

ہم قبل ازیں کئی مقامات پر بالخصوص سورہ انفال کی آیت ۷۲ ان الذین آمنو و ھاجر و و جاھدو ا۔الآیۃ کی تفسیر میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ تمام عبادات واعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے۔ لہٰذا اگر ایمان نہیں ہےتو کفروشرک اورنفاق کی موجودگی میں کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہےاب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم کی صداقت ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر و للرجال علیھن درجۃ کی صداقت بھی نا قابل انکار ہے۔خدا نے صاحبان ایمان اورنیک کام کرنے ولوں سے یہاں دووعدے کیے ہیں۔ایک پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا۔ ۲۔دوسرا بہترین جزاءخیرعطافرمانے کا آخرت میں بہترین جزاءخیرعطافرمائے گا یہ بات توکسی وضاحت کی محتاج نہیں البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اس پاک و پاکیزہ زندگی سے کیا مراد ہے؟ دنیوی زندگی یا اخروی زندگی؟اس میں قدرے اختلاف ہے اگرچہ اکثر مفسرین نے اس سے دنیوی زندگی مراد لی ہےمگر بعض حضرات نے مومن کے دنیاوی مشکلات کو دیکھتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے اس سے اخروی حیات مراد لی ہے (تفسیر کاشف)ولنجزینھم کو فلنحیینھم پرعطف تفسیری قرار دیا ہےاور دونوں سے جنت الفردوس مراد لی ہےمگر یہ درست نہیں ہے بلکہ اس پاک و پاکیزہ زندگی سے دنیاوی زندگی ہی مراد ہےاس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکثروبیشتر اہل ایمان کودنیا میں تنگی معیشت اوردیگر کئی مالی وجانی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہےمگر خدا کے فضل

وکرم سے ان کے پاس دو ایسی چیزیں ہیں جو ان کی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھتی ہیں اور ان کو پریشان نہیں ہونے دیتیں۔

۱۔قناعت ہے کہ خدا انہیں جو کچھ عطا کردے وہ اس پر راضی رہتے ہیں

۲۔اور دوسرے اخروی جزاء کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کو دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچی ہے آخرت میں خدا ان کو اس کی بہترین جزاء دیگا۔ یہ وہ دو چیزیں ہیں جو مومن کی زندگی کو اجیرن نہیں ہونے دیتیں اور وہ بخوشی دنیا کے دکھ سکھ اور سرد و گرم کو برداشت کر لیتا ہے اور کسی حالت میں بھی پریشان نہیں ہوتا۔علاوہ بریں اہل ایمان کو ان کی بے داغ سیرت و کردار اور بلند اخلاق و اطوار کی بدولت جو عزت وعظمت ملتی ہے وہ دوسروں کو کب نصیب ہوتی ہے؟ اور ایمان کی وجہ سے ان کو جو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے وہ دولت ایمان سے محروم سرمایہ داروں کو کہاں ملتا ہے؟ ذالك فضل الله يو تيه من يشاء۔

یعنی۔ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

۹۱-فاذا قرات القرآن۔ الآیه

جب قرآن پڑھنے لگو تو مردود شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو یعنی کہو اعوذ با لله من الشيطان الرجيم یا اعوذ با لله السميع العليم من الشيطان الرجيم۔ یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ اذا صليت فكبر کہ جب نماز پڑھنے لگو تو تکبیر کہو یا اذا اقمتم الى الصلوة فاغسلو ا وجوهكم کہ جب نماز پڑھنے لگو تو اپنے مونہوں کو دھوؤ، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب قرآن پڑھ چکو تو پھر اعوذ باالله پڑھو جیسا کہ جناب رازی نے مالک اور داوٴد ظاہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ الا ستعاذة بعد قراءة القرآن۔ کہ اعوذ باللہ تلاوت قرآن کے بعد پڑھا جاتا ہے (تفسیر کبیر ج ۵) مگر یہ بات واضح رہے کہ یہ تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ کا پڑھنا بالاتفاق واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے نیز نماز کے آغاز میں بھی استعاذہ مستحب ہے جس کی تفصیل سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اسکے بعد بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھنا مستحب ہے۔اور ان دونوں کے اکٹھا پڑھنے کا استحباب صرف تلاوت قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ دوسرے تمام اچھے کاموں کے آغاز میں صرف بسم اللہ کا پڑھنا کافی ہے۔

نیز واضح رہے کہ صرف لقلقہ لسانی کے طور پر اعوذ باللہ کا پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ قرآن پڑھتے وقت یہ قلبی کوشش و کاوش ہونی چاہیے کہ وہ اپنے تئیں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔تا کہ وہ قرآن و اسلام کے

بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ میں گرفتار نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہر حال میں شیطان سے چوکس رہنا چاہیے اور ہر وقت اس کے شر سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے کہ کہیں وہ بدبخت گمراہ نہ کردے۔ فانہ عدو مضل مبین۔

-۱۹۲ انہ لیس لہ سلطان۔ الآیۃ

شیطان کا کام گناہ کی دعوت دینا ہے اسے قبول کرنا بندہ کا کام ہے

قبل ازیں سورۃ ابراہیم آیت ۴۲ وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی اور سورہ حجر کی آیت ۳۹ قال رب بما اغویتنی لازیننھم فی الارض۔ الآیۃ کی تفسیر میں واضح کیا جاچکا ہے کہ شیطان کا کام صرف دل ودماغ میں وسوسہ ڈالنا، قبیح کام کو خوبصورت شکل میں پیش کر کے لوگوں کو خدا کی نافرمانی وعصیاں کاری کی دعوت دینا ہے۔ اب اسے قبول کرنا یا مسترد کرنا بندوں کے اختیار میں ہے وہ اس کے سامنے بالکل مجبور و بے بس نہیں ہیں اور نہ ہی اسے ان پر کوئی ایسا تسلط اور غلبہ حاصل ہے اور یہ وسوسہ اندازی اور ابلیسی تلبیس بھی وہ ان کے ساتھ کرتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اس کے بہکانے کی وجہ سے خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور جو مومن ہیں اور ہر حال میں اپنے پروردگار پر توکل واعتماد کرتے ہیں ان پر اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا اور یہ حقیقت عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے اور یہی خدائے رحمن کا فرمان ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین (سورہ حجر) الحمدللہ رب العالمین

-۱۹۳ واذا بدلنا۔ الآیۃ

حالات کے بدلنے سے احکام بھی ادلتے بدلتے رہتے ہیں

یہ منسوخی احکام کی طرف اشارہ ہے جو حالات، واقعات اور حکم ومصالح کے بدل جانے سے ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس موقع ومحل پر کونسا حکم نازل کرنا ہے جس طرح مریض کے حالات بدلنے سے ڈاکٹر وحکیم کی دوا بھی تبدیل ہوجاتی ہے ہم نسخ کے موضوع پر اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۶ وما ننسخ من :آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا کی تفسیر کے ضمن میں تفصیل سے گفتگو کرچکے ہیں۔ اور نسخ کے اقسام واحکام اور دیگر متعلقہ امور بیان کرچکے ہیں مگر یہ مکذبین یعنی کفار ومشرکین ان مصالح وحکم کو تو سمجھتے نہیں ہیں اور اپنی ناسمجھی اور حماقت سے پیغمبر اسلام پر اعتراض شروع کردیتے ہیں کہ آپ معاذ اللہ افترا پرداز ہیں اور یہ احکام اپنے دل سے گھڑلیا کرتے ہیں۔ بل اکثرھم لا یعلمون۔

۹۴- قل نزله روح القدس ۔ الآیۃ

خداوند عالم ان مکذبین کی یاوہ گوئی کی تکذیب کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ یہ تبدیلی پیغمبر اسلامؑ نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ یہ سب کچھ وحی ربانی کے تحت ہوا ہے جسے جبرائیل امین رب العالمین کی طرف سے لائے۔ جبرائیل کے ناموں میں سے ایک نام روح القدس بھی ہے۔ کیونکہ وہ ایک قدس یعنی پاکیزہ کتاب لائے ہیں جبکہ روح القدس کا دوسرا اطلاق اس مخصوص فرشتہ پر ہوتا ہے جو شان وشوکت میں جبرائیل ومکائیل سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ (فیضان ج ۱، ص ۳۴۶) تاکہ موقع ومحل کی مناسبت سے یہ خوشگوار تبدیلی دیکھ کر اہل ایمان کو مزید ثبات قدم نصیب ہو اور مسلمانوں کے لیے بشارت قرار پائے۔

۹۵- ولقد نعلم ۔ الآیۃ

کفار و مشرکین معقولیت کا دامن چھوڑ کر بوکھلاہٹ میں یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام کا اپنا کلام ہے جو انہیں ایک عجمی شخص سکھاتا پڑھاتا ہے جس کے نام میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کا نام بلعام بیان کیا جو مکہ میں رہتا تھا اور رومی نژاد و نصرانی المذہب غلام تھا۔ بعض نے بنی مضرم کے ایک رومی غلام کا تذکرہ کیا ہے جس کا یعیش یا عائش نام تھا اور بعض نے اس کا نام سلمان فارسی بیان کیا ہے۔ (مجمع البیان) خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ قطع نظر قرآن کی اعجازی حیثیت سے جس کی مثل ایک سورۃ بنا کر لانے سے ساری دنیا کے فصحاء و بلغاء عاجز ہیں تم اتنی سیدھی سی بات بھی نہیں جانتے کہ جس شخص کی طرف تم معلمی کی نسبت دے رہے ہو وہ تو ایک عجمی شخص ہے اور قرآن فصیح وبلیغ عربی زبان کا شاہکار ہے۔ مالکم کیف تحکمون۔

فائدہ:

عربی عربستان کے رہنے والے کو اور عجمی عرب سے باہر رہنے والے کو کہا جاتا ہے اور اعجمی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی زبان صاف نہ ہو اور وہ کما حقہ اظہار مافی الضمیر نہ کرسکے اگرچہ عربی ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار قریش تعلیم قرآن کی نسبت جس شخص کی طرف دیتے تھے جو عجمی بھی تھا اور اعجمی بھی۔

تعصب و بے حیائی کی انتہا

وہ قرآن جو اپنی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور دیگر وجوہ کی بنا پر حد اعجاز تک پہنچا ہوا تھا اور باوجود بار بار کے چیلنج کے، اس جیسی کتاب لانا تو درکنار اس جیسی ایک سورہ بھی عرب کے تمام فصحا، بلغا اور خطبا نہ لاسکے۔

اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ اسے اللہ تعالیٰ کا کلام معجز نظام اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ تسلیم کر کے اسلام لے آتے اور اگر اس کی بھی توفیق نہیں تھی تو کم از کم اسے پیغمبر اسلام کا کلام ہی مان لیتے بے شک آپ کو رسولؐ نہ مانتے۔ کیونکہ قطع نظر مقام نبوت کے آپ یقیناً افصح العرب والعجم تو تھے لیکن تعصب و بے حیائی کی انتہا ہے کہ اس کلام معجز نظام کو نہ خدا کا کلام تسلیم کرتے ہیں اور نہ پیغمبر اسلام کا بلکہ ایک ایسے عجمی اور اعجمی شخص کی تصنیف قرار دے رہے ہیں جو عرب نہیں ہے۔ عجم ہے اور وہ بھی وہ جس کی زبان بھی صاف نہیں ہے اس بے حیائی اور ڈھٹائی کی کوئی حد؟ تو اس طرح وہ عقل کے اندھے مجہول الحال شخص کو دانائے سبل، ہادی کل اور ختم الرسل سے بڑھا رہے تھے؟ سچ ہے ؎

دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهۡدِيۡهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفۡتَرِى الۡكَذِبَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَـئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ۚ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

جولوگ آیات الٰہی پر ایمان نہیں لاتے اللہ کبھی انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے(۱۰۴) جھوٹ تو صرف وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں(۱۰۵) جو کوئی اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس صورت کے کہ اسے مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو(کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے) لیکن جو کشادہ دلی سے کفر اختیار کرے(زبان سے کفر کرے اور اس کا دل اس کفر پر رضامند ہو) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے(۱۰۶) یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کیا کرتا(۱۰۷) یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی اور یہی لوگ بالکل غافل ہیں(۱۰۸) اور یقیناً یہی لوگ آخرت میں نقصان وزیاں اٹھانے والے ہیں(۱۰۹) پھر آپ کا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے(سخت) آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی۔ پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا یقیناً(آپ کا) پروردگار ان کے اعمال کے بعد بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے(۱۱۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔یفتری الکذب۔ کا مفہوم ہے جھوٹ گھڑنا۔ ۲۔من شرح بالکفر صدراً۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کشادہ دلی سے کفر اختیار کرے۔ ۳۔استحب کا صلہ جب علی کے ساتھ ہو تو وہ ترجیح دینے کے معنی دیتا ہے۔ ۴۔ طبع کے معنی مہر لگانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔۱۰۶ان الذین۔ الآیۃ

جو شخص خدا کی ہستی کے دلائل و براہین اور انبیا کی نبوت کے معجزات دیکھ کر بھی اللہ اور اس کے نازل

کردہ احکام پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ اس ہدایت نہ کرنے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں ثواب نہیں دیتا۔ دوسرے یہ کہ ان کو جنت کی طرف راہنمائی نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں (مجمع البیان)۔

۱۰۷۔ انما یفتری الکذب۔ الآیة

جھوٹے لوگ بے ایمان ہیں

اس آیت شریفہ میں خداوند عالم نے انما کلمہ حصر کے ساتھ جھوٹ بولنے اور افترا پردازی کرنے والوں سے ایمان کی نفی کر کے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ تفسیر کاشف کے فاضل مصنف کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مومن کہلا کر جھوٹ بولتا ہے تو وہ نظریاتی طور پر تو مومن ہے مگر عملی طور پر کافر ہے۔ لہٰذا دنیا میں اس کے ساتھ مسلمان والا سلوک کیا جائے گا اور آخرت میں اس سے کافر والا سلوک روا رکھا جائے گا (تفسیر کاشف ج ۴) یہی وجہ ہے کہ مروی ہے کہ جب حضرت رسول خدا سے پوچھا گیا یا رسول اللہ المومن یکذب قال لا ثم قرا ھذہ۔ الآیة (یا رسول آیا مومن جھوٹ بھی بول سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! اور پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ لعنة اللہ علی الکاذبین۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ گویا تمام گناہ ایک کمرہ میں بند ہیں اور اسے تالا لگا ہوا ہے اور اس کی کنجی شراب ہے اور جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے (جامع السعادات، انوار نعمانیہ وغیرہ)

۱۰۸۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ۔ الآیة

تقیہ عقلاً و شرعاً جائز ہے

تمام مفسرین اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ آیت شریفہ تقیہ کے جواز کی صریح دلیل ہے کہ جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کر دیا جائے کہ اگر وہ کلمہ کفر نہ کہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا تو اس حالت میں اگر وہ کلمہ کفر زبان سے کہہ دے مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی اس کی بیوی اس پر حرام ہو گی (معارف القرآن بحوالہ قرطبی و مظہری) ہم قبل ازیں اسی تفسیر کی جلد اول ص ۴۲۴ سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء الا ان تتقو منھما تقاۃ کی تفسیر میں تقیہ کے جواز، اس کی حکمت اور اس کی معقولیت پر گفتگو کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس موضوع کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس مقام کی طرف رجوع کریں۔ وہیں اس متعلقہ آیت کا شان نزول اور اس کی تفسیر بھی مذکور ہے۔ وہاں بہت سی عربی تفاسیر اسلام کے حوالے دے دیے گئے ہیں۔ البتہ اردو دان

حضرات برادران اسلامی کی درج ذیل تفاسیر کی طرف رجوع کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں: ۱۔ معارف القرآن۔ ۲۔ترجمان القران۔ ۳۔تفہیم القرآن۔ ۴۔ضیاء القرآن۔ ۵۔ تدبر القرآن۔ ۶۔تفسیر ماجدی۔ ۷۔جواہر القرآن۔ ۸۔تذکیر القرآن (تفسیر ثنائی۔ ۱۰۔اور تفسیر عثمانی وغیرہ وغیرہ۔

۹۹۔ثم ان ربك للذين هاجروا۔ الآية

آیت کی شانِ نزول

قریباً قریباً سب مفسرین اسلام نے اس آیت کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ ایک بار کفار نے جناب عمار اوران کے والدین یاسر وسمیہ کو پکڑ لیا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔آخر کار جناب یاسر وسمیہ کو بڑے دردناک طریقہ سے شہید کر دیا مگر انہوں نے کلمۂ کفر نہ کہا۔لیکن جناب عمار نے بادل نخواستہ کلمہ کفر زبان سے کہہ دیا۔جب بارگارہ رسالت میں عمار کے والدین کی شہادت اوران کے کلمہ کفر کہنے کا تذکرہ کیا گیا اور کہا گیا کہ عمار کافر ہو گیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ عمار تو سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے۔بعدازاں عمار بھی روتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو آپؐ نے دریافت کیا کہ زبان سے کلمۂ کفر کہتے وقت تمہارے دل کی کیا کیفیت تھی؟ عرض کیا وہ تو ایمان پر مطمئن تھا۔ تب آپؐ نے عمار کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا ان عادوا لک فعدا اگر کافر دوبارہ کلمہ کفر کہلوائیں تو بے شک کہہ دینا (ضیاء القرآن ج ۲،ص ۶۰۵) اس سے واضح ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت نہ صرف یہ کہ خلاف واقعہ بات کرنا جائز ہے بلکہ کلمہ کفر کہنا بھی جائز ہے۔یہی وہ تقیہ ہے جس کے نام سے عام مسلمان بدکتے ہیں اور کان پکڑتے ہیں۔ہاں البتہ اگر کوئی شخص اسلام لانے کے بعد دل وجان سے مرتد ہو جائے تو وہ سنگین جرم ہے جس کی مذمت سے قرآن وسنت لبریز نظر آتے ہیں۔انہی آیات میں اس کی اس قدر مذمت کی گئی ہے کہ اس سے بڑھ کر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس پر:

۱۔قہروغضب الٰہی ہے۔

۲۔اس کے لیے عظیم عذاب ہے۔

۳۔اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

۴۔خدا نے ایسے لوگوں کے کانوں،آنکھوں اور دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

۵۔یہ حقیقی غافل ہیں۔

۶۔بروزِ قیامت ایسے لوگ گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔وغیرہ وغیرہ۔

ایضاح

ہم اس تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ بقرہ کی آیت ۶ ختم اللہ علی قلوبھم و علی ابصارھم غشاوہ کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں کہ اللہ کے اس کلام سے جبر لازم نہیں آتا کیونکہ یہ لوگ اس مہر لگنے کی وجہ سے کفر و شرک نہیں کرتے بلکہ ان کے کفر و شرک اور گناہ وعصیاں کی وجہ سے یہ مہر لگتی ہے۔بل طبع اللہ علیھا بکفرھم۔بنابریں واضح ہے کہ اس مہر کے لگنے کا سبب ان کا کفر و شرک ہے ان کے کفر و شرک کا سبب یہ مہر نہیں ہے۔وھذا اوضح من ان یخفی۔

یہاں ان لوگوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو ایمان تو لائے مگر کسی دنیوی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مدینہ ہجرت نہ کر سکے اور کفار نے ان سے کچھ اپنی مطلب برآری بھی کرائی۔مگر وہ بعد میں نادم ہوئے اور ہجرت کی، جہاد کیے اور سب کٹھن حالات وواقعات پر صبر وضبط سے کام لیا اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ارشادِ قدرت ہو رہا ہے کہ ان ربك من بعدھا لغفور رحیم ان باتوں کے بعد خدا بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔یعنی وہ غفور ورحیم ان کی اس لغزش اور کمزوری سے بھی یقیناً درگزر فرمائے گا۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ جب یہ سورہ مکی ہے تو پھر اس میں ہجرت مدینہ اور جہاد کا تذکرہ کس طرح کیا گیا ہے؟ جو ہجرت کے بعد واجب ہوا؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہاں ہجرت سے ہجرت حبشہ مراد ہے اور جہاد سے جہاد بالنفس مراد ہے مگر دوسرا اور صحیح جواب یہ ہے کہ بے شک یہ سورہ مکی ہے مگر اس کی یہ آیت (اور چند دوسری آیات) مدنی ہیں اور بقول مولانا دریابادی مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں۔(تفسیر ماجدی ص ۵۷۳ طبع لاہور حاشیہ نمبر ۱۷۲)

آیات القرآن

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝۱۱۱ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً

يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ إِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اس دن کو یاد کرو) جس دن ہر شخص اپنی ذات کی خاطر جھگڑا کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اس (کسی طرح بھی) کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۱۱) اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن واطمینان سے (آباد) تھی۔ اس کی روزی فراغت سے آ رہی تھی۔ پس اس نے کفران نعمت شروع کیا تو اللہ نے اس کے باشندوں کے کرتوتوں کی پاداش میں اسے یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کو اس کا اوڑھنا بنا دیا (۱۱۲) اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول ان کے پاس آیا مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا پس عذاب نے انہیں اس حال میں آ پکڑا کہ وہ ظالم تھے (۱۱۳) (اے لوگو!) خدا نے تمہیں جو حلال (اور) پاک و پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی نعمت کا شکر بھی ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو (۱۱۴) اس نے تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو حرام کیا ہے۔ پس جو (ان کے

کھانے پر) مجبور ہو جائے نہ باغی ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا (تو کوئی مضائقہ نہیں) بے شک خدا بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۱۱۵) (خبردار) تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آ جائے (اور وہ جھوٹے احکام لگائے) ان کے متعلق نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام! اس طرح تم اللہ پر جھوٹا افترا باندھو گے بے شک جو لوگ خدا پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے (۱۱۶) اس افترا پردازی کا چندروزہ فائدہ ہے (آخر کار) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۱۷)

تشریح الالفاظ

۱۔تجادل مجادلہ کے معنی ہیں جھگڑا کرنا۔ ۲......توفی، توفیہ کے معنی ہیں پورا پورا بدلہ دیا جانا۔ ۳......غیر باغ ولا عاد، نہ باغی ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا۔ ۴......لما تصف السنتکم الکذب، تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آ جائے۔ متاع قلیل کی جمع امتعہ ہے یہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کچھ فائدہ اٹھایا جائے اور پھر فنا ہو جائے۔ انما الحیوۃ الدنیا متاع قلیل۔

تفسیر الآیات

۱۰۰- یوم تاتی کل نفس۔ الآیۃ

یعنی اس دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا ہر ایک کو بس اپنی فکر ہوگی کسی دوسرے کی فکر نہ ہوگی۔ اس سے مستثنیٰ وہی افراد ہوں گے جنہیں خالق کی طرف سے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا ہے۔ (فصل الخطاب)

۱۰۱- وضرب اللہ مثلا قریۃ۔ الآیۃ

کفرانِ نعمت کی سزا کا بیان

مفسرین میں اس سلسلہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس خوش حال بستی سے جس کی خوشحالی کی خالق نے یہاں چھ علامتیں بیان فرمائی ہیں کونسی بستی مراد ہے؟ چنانچہ اکثر نے تو اس سے مراد مکہ لیا ہے کہ یہاں امن و امان بھی تھا کہ احترام کعبہ کی وجہ سے کوئی یہاں حملہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ نیز یہاں خورد و نوش کی

تمام چیزیں بھی وافر مقدار میں مل جاتی تھیں۔ پھل فروٹ بھی دعائے خلیل کے صدقہ میں میسر تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس تفسیر پر یہ ایراد وارد ہوتا ہے کہ اگر اس بستی سے مراد مکہ لیا جائے تو پھر اس رسول سے جسے بستی والوں نے جھٹلایا پیغمبر اسلام کو ہی مراد لینا پڑے گا تو جب نبی رحمت نے قوم کے جھٹلانے پر بددعا کی ہی نہیں تو پھر ان پر یہ عذاب کس طرح نازل ہوا؟ اور کب نازل ہوا؟ لہٰذا یا تو بقول مولانا حافظ فرمان علی صاحب اس سے کوئی نا معلوم بستی مراد لینی پڑے گی جو زمانہ جاہلیت میں کہیں تھی جس کے باشندے بہت مالدار تھے جس کے قریب ایک نہر تھی جس کا نام بلیان تھا آخر مال و دولت کی کثرت نے ان لوگوں کا دماغ خراب کر دیا کہ وہ خمیر کے آٹے سے استنجا کرتے اور غلاظت صاف کرتے تھے تو اس کفران نعمت کی پاداش میں خدا نے ان کو ایسی قحط سالی میں مبتلا کیا کہ وہ غلاظت بھرا آٹا اٹھا کر کھاتے تھے (حاشیہ فرمان)۔ ایسا ہی تفسیر صافی میں بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے یا پھر بقول مولانا امین احسن اصلاحی یہ اشارہ سبا کی طرف ہے۔ اہل مکہ کے سامنے اس بستی کی مثال کئی جگہ تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں آیات ۱۵، ۲۰ سورہ سبا۔ اس بستی پر اللہ کا بڑا فضل و کرم تھا۔ دورویہ سرسبز شاداب باغوں کی قطاریں تھیں۔ نہریں تھیں، چشمے تھے لیکن اس کے باشندوں نے اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ کا عذاب ایک بے پناہ سیلاب کی شکل میں نمودار ہوا اور اس نے سب کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ (تدبر قرآن ج ۴) واللہ العالم۔

قانون قدرت

بہرحال یہ بات دلائل و شواہد سے ثابت ہے کہ اللہ کا قانون قدرت یہ ہے کہ وہ پہلے انسانوں کو مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے پھر ان سے شکر کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اسی مصرف میں صرف کریں جس مقصد کے لیے اس نے یہ نعمتیں انہیں عطا کی ہیں۔ پس اگر وہ اس طرح اس کا شکر ادا کر دیں تو وہ رحیم و کریم ان نعمتوں میں اور اضافہ کر دیتا ہے اور اگر وہ کفران نعمت کریں یعنی وہ ان نعمتوں کو اس مصرف میں صرف نہ کریں جس کی خاطر منعم حقیقی نے وہ نعمتیں عطا کی ہیں تو پھر نہ صرف یہ کہ وہ یہ نعمتیں سلب کر لیتا ہے بلکہ کئی قسم کے عذابوں میں مبتلا بھی کر دیتا ہے۔ جن میں ایک عذاب بھوک ہے جبکہ دوسرا خوف ہے۔ آج کے اس دور میں عالمگیر مسئلہ یہی بھوک اور خوف کا ہے کہ کہیں دنیا کے غریب لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور کہیں ایٹمی جنگ کے خطرہ سے دنیا لرزہ براندام ہے اور یہ بھوک و خوف کا عذاب اس بات کی دلیل ہے کہ آج انسانوں کی اکثریت کفران نعمت کی مرتکب ہو چکی ہے جس کی یہ سزا بھگت رہی ہے لہٰذا اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنے منعم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے اور اس کی عبادت و اطاعت شروع کر دے۔ ان ربك من بعدها لغفور رحیم۔

۱۰۲- فکلوا مما رزقکم اللہ ۔ الآیۃ

گویا خدائے ذوالجلال اہل مکہ کو اہل سبا کا انجام یاد دلا کر حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے پینے اور حرام سے بچنے اور اپنی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی یاددہانی اور تاکید کر رہا ہے ورنہ بصورت دیگر ان کا انجام بھی اہل سبا کی طرح ہوسکتا ہے۔ بہر حال نعمتوں کے بارے میں اہل سبا اور اہل مکہ میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان کنتم ایاہ تعبدون اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو اور کسی اور کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کرتے جیسا کہ مشرکین عرب باوجود اس دعویٰ کے کہ وہ خدا کی پرستش کرتے ہیں مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا پاٹ بھی کرتے تھے اور ان کو اپنا سفارشی سمجھ کر ان کی خدمت میں نذرانے اور چڑھاوے پیش کرتے تھے اور ان کے نام پر جانور چھوڑتے تھے اور ان کو ایسا مقدس سمجھتے تھے کہ نہ ان پر سوار ہوتے، نہ ان کا گوشت کھاتے اور نہ ان کا دودھ پیتے تھے۔ اسی لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر خدا ہی کی پرستش کرنے کا دعوی ہے تو پھر شکریہ بھی اسی کا ادا کرو۔ اس کی نعمتوں کو نہ دوسروں کی طرف منسوب کرو اور نہ ہی ان کے نام کی قربانی پیش کرو۔ اور نہ ہی ان کے نام پر حرام وحلال ٹھہراؤ۔ (ایضاً)

۱۰۳- انما حرم علیکم المیتۃ ۔ الآیۃ

یہ آیت قبل ازیں تین مقامات پر گذر چکی ہے سورہ بقرہ آیت ۱۷۳ انما حرم علیکم المیتۃ ۔ الآیۃ ، سورہ مائدہ آیت ۳ حرمت علیکم المیتۃ والدم ۔ الآیۃ اور سورہ انعام آیت ۱۴۵ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ ۔ الآیۃ اور انہی مقامات پر اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے لہٰذا اعادہ وتکرار سے بچتے ہوئے انہی مقامات بالخصوص سورہ بقرہ کی تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی آخری مقام یعنی سورہ انعام کی آیت ۱۴۵ کی تفسیر میں اس حصر کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ جب شریعت مقدسہ میں ان چار چیزوں کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں حرام ہیں تو پھر محرمات کی ان چار چیزوں میں حصر کرنے کی وجہ کیا ہے۔ فراجع

۱۰۴- ولا تقولوا لما تصف الآیۃ

کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا خدا کا کام ہے نہ کہ اس کے بندوں کا

دور جاہلیت میں کفار نے چیزوں کے حلال وحرام قرار دینے کے سلسلہ میں اپنے من پسند قوانین مقرر کر رکھے تھے جسے چاہا حلال قرار دے دیا اور جسے چاہا حرام قرار دے دیا اور پھر اس کی نسبت خدا کی طرف دیتے

تھے کہ اس نے ایسا حکم دیا ہے اس بات کی کچھ تفصیل سورہ انعام میں آیت ۱۳۶ سے لے کر آیت ۱۴۰ تک مذکور ہے۔ الغرض خداوند عالم یہاں ایک اصل عظیم بیان کر رہا ہے کہ چیزوں کو حلال و حرام قرار دینا ان چیزوں کے خالق کا کام ہے اور چونکہ خالق و مالک ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس لیے یہ حلال و حرام بنانے کا کام اور قانون سازی کرنا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس نے یہ کام کسی بھی مخلوق کے تفویض نہیں کیا۔ اس لیے اور کوئی قانون ساز نہیں ہے۔ لہٰذا حلال وہ ہے جسے خدا حلال قرار دے اور حرام وہ ہے جسے خدا حرام قرار دے۔ ہاں البتہ اس بات کے معلوم کرنے کے ذرائع دو ہیں کہ اللہ نے کس چیز کو حلال اور کس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک قرآن ہے، دوسرا حضرت محمدؐ کا فرمان ہے۔ لہٰذا اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام ہے کیونکہ یہ زبانوں کے جھوٹے دعویٰ ہیں اور اگر ایسا کرو گے تو خدا پر جھوٹا بہتان باندھنے والے قرار پاؤ گے۔

آیات القرآن

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کر دیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے (سورہ انعام میں) آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (۱۱۸) بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے لیے جو جہالت و نادانی سے برائی کر گزرتے ہیں اور پھر اس کے بعد توبہ کر لیتے ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں یقینا آپ کا پروردگار اس کے بعد بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۱۹)۔ بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک پوری امت تھے اللہ کے مطیع فرمان تھے۔ (سب سے کٹ کر) یکسوئی سے (خدا کی طرف) مائل تھے اور ہرگز مشرکوں میں سے نہیں تھے (۱۲۰) وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے انہیں منتخب کر لیا تھا اور انہیں سیدھے راستہ پر لگا دیا تھا (۱۲۱) ہم نے انہیں دنیا میں بھی بھلائی دی اور آخرت میں تو وہ صالحین میں سے ہی ہیں (۱۲۲) اے رسولؐ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کی ملت (طریقہ) کی پیروی کریں جو یقینا مشرکوں میں سے نہیں تھے (۱۲۳) (باقی رہا) سبت (کے احترام کا معاملہ) تو یہ صرف ان لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا ان باتوں کے بارے میں جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے (۱۲۴) (اے پیغمبرؐ) آپ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف (لوگوں کو) بلائیں حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے بہترین انداز میں بحث و مباحثہ کریں۔ آپ کا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے (۱۲۵)۔

تشریح الالفاظ

۱۔قانتا،قنوت کے معنی اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں۔

۲۔حنیفا،کے معنی ہیں سیدھااوراسلامی احکام پرعمل پیرا۔

تفسیر الآیات

۱۰۵۔و علی الذین ھادوا۔ الآیة

یہ ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں پران کے برے اعمال کی سزا کےطور پر حرام قرار دے دی گئی تھیں جن میں وہ جانور بھی شامل تھے جو دراصل حلال وطیب تھے۔ان چیزوں کی تفصیل سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ میں مذکور ہے:**و علی الذین ھادوا حُرمنا کل ذی ظفر و من البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما ذلك جزینا ھم ببغیھم و انا لصادقون** (کہ ہم نے یہودیوں پر ناخن والے تمام جانورحرام قرار دے دیےاورگائے وبکری کی چربیاں بھی حرام کردیں اور یہ ہم نے ان کوان کی سرکشی کی سزا دی تھی)۔قارئین کرام اسی تفسیر کی تیسری جلد میں مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کر کے اس کا مطالعہ کریں تو سب حقیقت واضح ہوجائے گی۔ان شاءاللہ۔

۱۰۶۔ثم ان ربك للذین۔ الآیة

بالکل اسی آیت جیسی ایک آیت سورہ انعام نمبر ۵۵ میں گزر چکی ہے: **انه من عمل منکم سوء بجھالة ثم تاب من بعدہ و اصلح فانه غفور رحیم**۔فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں واحد کے صیغے ہیں اور یہاں جمع کے لیکن من میں بھی عموم پایا جاتا ہےاوراسی مقام پر اس آیت کی مکمل تفسیر کردی گئی ہے،لہٰذا قارئین کرام سے گزارش کی جاتی ہے کہ تھوڑی سی زحمت کر کے تفسیر کی تیسری جلد میں مقام مذکور کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کرلیں اسی مقام پر توبہ کرنے اوراپنی اصلاح کرنے کے طریقہ کار کی وضاحت بھی کردی گئی ہے اوراس بات کی بھی صراحت کردی گئی ہے کہ جو شخص بھی جب کوئی گناہ کرتا ہے وہ خواہ عالم ہو یا جاہل بہرحال وہ گناہ کرتے وقت جاہل ہی متصور ہوتا ہے کیوں؟ اس کا جواب اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۷- ان ابراھیم کان امة الآیة

جناب خلیل خدا کے بعض اوصاف جلیلہ کا تذکرہ

سابقہ آیتوں میں کفار و مشرکین کی زجر و توبیخ کرنے کے بعد کہ وہ اپنی مرضی اور ذاتی پسند و ناپسند سے مختلف چیزوں کو حلال و حرام قرار دیتے تھے اور اس کے باوجود وہ جناب ابراہیم کے احترام کے دعویدار بھی تھے تو یہاں ان کو تنبیہہ کی جارہی ہے کہ اگر وہ واقعی ان کو محترم و مکرم سمجھتے ہیں تو پھر ان کے طریقہ کو کیوں اختیار نہیں کرتے؟ پھر خداوند عالم نے جناب ابراہیم کے چند خصوصی صفات و علامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ وہ امت تھے لفظ امت کے چند معانی میں سے ایک معنی جماعت بھی ہیں اور دوسرے معنی امام و مقتدا بھی (قاموس وغیرہ) تو پہلے معنی کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تن تنہا ان تمام اوصاف و کمالات کا مجموعہ تھے جو کسی پوری جماعت کے مختلف افراد میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی شخصیت میں پوری امت تھے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنی ذات میں انجمن ہے یا جیسے شاعر کہتا ہے۔

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اس لیے حدیث میں وارد ہے کہ المومن وحدہ جماعۃ کہ مومن تنہا جماعت ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے چونکہ وہ امام و مقتدی اور مرکز اقتدار تھے اور ایک پوری امت کے لیے نمونہ تھے اس لیے ان کو امہ کہا گیا ہے۔

۲۔ قانتا، قنوت کے معنی چونکہ اطاعت کے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اللہ کے مطیع و منقاد تھے۔

۳۔ حنیفا، حنیف کے معنی ہیں باطل سے منہ موڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہونے والا۔

۴۔ لم یك من المشر کین۔ وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ یہ ان لوگوں کی رد ہے جو ملت ابراہیم پر ہونے کا دعوی بھی کرتے تھے اور پھر شرک بھی کرتے تھے۔

۵۔ شاکراً، وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کے بڑے شکر گزار بندے تھے۔

۶۔ اجتباہ، اللہ نے انہیں منصب نبوت کے لیے منتخب کیا تھا کیونکہ کسی شخص کو منصب نبوت پر فائز کرنا خدا ہی کا کام ہے۔

۷۔ ہداہ الی صراط مستقیم، خدا نے ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی تھی جو کہ دین اسلام ہے نہ یہودیت اور نہ نصرانیت جیسا کہ دوسری جگہ صراحت ہے کہ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان

حنیفا مسلما و ما کان من المشر کین (ال عمران ٦٦)

٨-آتیناہ فی الدنیا حسنۃ، ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمائی کہ ادیان عالم کے سب لوگ آپ کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور ان کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔

٩-و انہ فی الآخرۃ، اور وہ آخرت میں تو صالحین سے ہوں گے ہی کیونکہ ان کی یہ دعا قرآن میں موجود ہے۔ رب ھب لی حکما و الحقنی بالصالحین (شعرا٨٢) جسے خدا نے قبول فرمایا ہے۔

١٠٨-ثم اوحینا الیك۔ الآیۃ

ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ملت ابراہیمی عقیدہ توحید اور شرک میں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں بنا بریں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دین ابراہیم پر ہے اور پھر پیغمبر اسلام کی نبوت کا اقرار نہیں کرتا تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور اپنی تردید آپ کرتا ہے۔

ایک سوال اوراس کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو جناب ابراہیم کی ملت کی پیروی کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے جبکہ آپ ان سے افضل ہیں اور مقتدائے خلائق ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ملت ابراہیمی اور دین محمدی ایک ہی چیز ہیں۔ لہٰذا ان میں تفریق کرنا یعنی ملت ابراہیمی کو ماننے کا دعویٰ کرنا اور دین اسلام کا انکار کرنا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ نیز بعض احادیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ملت ابراہیمی سے وہ دس سنن مراد ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق بدن سے ہے، جنہیں اسلامی شریعت کا حصہ بنا دیا گیا جیسے بال کٹوانا، مونچھیں باریک کتروانا، ڈاڑھی رکھوانا، مسواک اور خلال کرنا اور غسل جنابت کرنا، پانی سے طہارت کرنا، ناخن لینا، بدن سے بال منڈوانا اور ختنہ کرانا (تفسیر برہان) علاوہ بریں چونکہ دونوں حضرات کا دین ایک ہے مگر چونکہ جناب ابراہیم زمانہ کے لحاظ سے سابق ہیں اس لیے ان کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ صرف زمانہ کے لحاظ سے سابق ہونا ہر لحاظ سے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ افضل یقینا پیغمبر اسلام ہی ہیں جو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مصداق ہیں اور اس پر سینکڑوں دلائل قائم ہیں۔

ایضاح

اس آیت (ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا) میں جو لفظ حنیفا وارد ہے یہ ابراہیم سے بھی حال

سن سکتا ہے جس کے معنی ہوں کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی اتباع کریں اور اتبع میں جو ضمیر انت مضمر ہے اس بھی حال بن سکتا ہے جس کے معنی ہوں گے کہ آپ یکسو ہوکر ملت ابراہیم کی پیروی کریں ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔فتدبر۔

۱۰۹۔انما جعل السبت۔ الآیة

اصحاب سبت کا قصہ اس تفسیر کی تیسری جلد یعنی سورہ اعراف کی آیت ۱۶۳ و سئلهم عن القرية التی كانت حاضرة البحر اذ يعدون فی السبت۔ الآیة کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ان اختلافات کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے جو یہودیوں میں یوم السبت کے بارے میں پائے جاتے تھے کہ آیا یہ عید کا دن ہے یا نہیں؟ اس دن شکار کرنا جائز ہے یا نہ اور آیا اس دن کوئی دنیوی کام کیا جا سکتا ہے یا نہ؟ وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۰۔ادع الی سبیل ربك۔ الآیة

حکمت اور موعظۃ حسنہ سے دعوت دینے کا حکیمانہ حکم؟

یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ ہر کام کے کرنے کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں اگر وہ کام ان اصولوں کے مطابق کیا جائے تو وہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور اگر ان قواعد کو مدنظر نہ رکھا جائے تو پھر نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔بقول شاعر ؎

ہر آن کارے کہ بے استاد باشد
یقین میدان کہ بے بنیاد باشد

تو چونکہ دعوت اور تبلیغ بھی ایک اہم کام ہے بلکہ دعوت الی اللہ انبیا ومرسلین کا کام ہے لہٰذا اسے موثر اور کامیاب بنانے کے بھی کچھ اصول وقواعد ہیں۔اس لیے اگر ان کو سامنے رکھ کر تبلیغ کی گئی تو موثر اور نتیجہ خیز ہوگی اور اگر ان اصوولوں کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر فائدہ سے اس کا نقصان اور ضرر وزیاں زیادہ ہوگا اور وہ اصول یہ ہیں:

دعوت اور تبلیغ کے اصول اور آداب

جو اسی آیت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنا۔ ۲۔ موعظۃ حسنہ کے ساتھ دعوت دینا۔حکمت سے مراد یہ ہے کہ داعی اور مبلغ اپنی بات کو مخاطبین کی ذہنی صلاحیت کے مطابق دلائل اور براہین کے ساتھ اس طرح حکیمانہ اور دلنشین

انداز سے سامعین کے سامنے پیش کرے کہ انہیں اصل حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور وہ متاثر بھی ہوں اور موعظۃ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ مبلغ اور داعی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت اس ہمدردانہ اور مخلصانہ لب ولہجہ میں بات کرے اور اس طرح ترغیب وترہیب سے کام لے کہ سامع کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے کہ اسے روکنا ٹوکنا نہ پڑے اور نہ ہی اس کی سبکی ہو اسی وجہ سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مخاطبین کی حالت کو مدنظر رکھ کر دعوت کا انداز اختیار کیا جائے یعنی اگر مخاطب اہل علم ہوں تو حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے اور اگر مخاطب سادہ لوح عوام ہوں تو موعظۃ حسنہ کے ساتھ دعوت دی جائے اور جن لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں اور بحث ومباحثہ کے بغیر بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو یہاں داعی کیلئے لازم ہے کہ جدال احسن سے کام لے یعنی اس بحث ومباحثہ سے اس کا مقصد اصل حقائق کو اجاگر کر کے مخاطب کو راہ راست پر لانا ہو اس لیے ضروری ہے کہ اخلاق اور شائستگی کے ساتھ گفتگو کی جائے اس جدال سے مقصد اپنا علمی تفوق و بڑائی اور اپنی بالا دستی و کبریائی کا اظہار نہ ہو اور نہ ہی ہیرا پھیری کر کے اور سوقیانہ کلام کر کے محض مدمقابل کو خاموش کرنا مطلوب ہو اور یہ جدال احسن صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ قرآنی اور ربانی تعلیم کے مطابق اگر اہل کتاب سے بھی گفتگو کرنے کا موقع مل جائے تو بھی جدال احسن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ارشاد قدرت ہے **ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن**۔ لہٰذا ایک مبلغ اسلام اور داعی حق کیلئے ضروری ہے کہ درشت لب ولہجہ، دلخراش انداز گفتگو اور توہین آمیز طریقہ تبلیغ سے اجتناب کرے ورنہ سامعین اس سے متنفر ہو جائیں گے اور پھر فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ مبلغین کو ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ خداوند عالم نے جب موسیٰ وہارون کو تبلیغ حق کی خاطر فرعون کے دربار میں بھیجا تھا تو ان کو خصوصی طور پر حکم دیا تھا کہ قولا لہ قولا لینا۔ کہ اس سے نرم لب ولہجہ میں بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کرے اور اسکے اندر خوف خدا پیدا ہو جائے حالانکہ وہ کافر تھا اور خدا کو اس کے کفر پر مرنے کا علم بھی تھا آج بعض نام نہاد مبلغین اسلام درشت وکرخت اور دل آزار لب ولہجہ میں اہل اسلام سے گفتگو کرتے ہیں اس کا کیا جواز ہے؟ آیا آج کا مسلمان فرعون سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے؟ یا کیا پھر ان مبلغین

کا مقام موسیٰ وہارون سے بلند وبالا ہے؟ اور اگر کوئی بات بھی نہیں تو ان کیلئے پھر سخت کلامی کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے حدیث نبوی میں وارد ہے۔ **یسرو اولا تعسرو ابشرو اولا تنفزوا**۔ لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرو۔ دشواری پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو خوشخبری دو یعنی رغبت دلاؤ۔ نفرت نہ دلاؤ۔ دعا ہے! کہ خداوند عالم مبلغین اسلام اور وارثان انبیاء علیہم السلام کو صحیح انداز میں دعوت حق دینے اور اسلام کے حقائق اور معارف اور اسکے احکام کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں اور اسکے منفی اثرات سے بچا

جا سکے۔اس کے بعد داعی کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے یعنی سامعین ومخاطبین سے اپنی بات منوانا اس کے فرائض میں داخل نہیں ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ گم کردہ راہ کون ہے اور راہ راست پر کون ہے؟ کیونکہ

عبر رسولاں بلاغ باشد و بس
حافظؔ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
دربند ایں مہاش کس شنید یا نشنید

آیات القرآن

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اس قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں زیادہ بہتر ہے(۱۲۶)اور (اے پیغمبر) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا تو محض اللہ کی توفیق سے ہے اور آپ ان لوگوں کے حال پر غم نہ کیجیے اور نہ ہی ان کی مکاریوں سے دل تنگ ہو جائیے (۱۲۷) بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو (خلق خدا سے) حسن سلوک کرتے ہیں (۱۲۸)۔

تشریح الالفاظ

۱۔عاقبتم۔معاقبہ کے معنی مواخذہ کرنے اور سزا دینے کے ہیں۔

۲۔ضیق، یضیق ضاق یضیق ضیقا کے معنی تنگ ہونے کے ہیں۔

۳۔محسنون کے معنی ہیں نیکی کرنے والے اور خلق خدا سے حسن سلوک کرنے والے۔

تفسیر الآیات

۱۱۱-وان عاقبتم۔ الآیة

جس پر زیادتی کی جائے وہ اتنا بدلہ لے سکتا ہے مگر معاف کرنا بہتر ہے

یہ آیت بالکل اسی آیت کی طرح ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۴ میں گزر چکی ہے فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم اور اسی مقام پر اس کی تفسیر بھی گذر چکی ہے کہ اگر تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں یا کسی اور معاملہ میں کوئی تم سے سختی اور زیادتی کرے تو اگر تم اس سے بدلہ لینا چاہو تو اس قدر لینا جائز ہے جس قدر اس نے زیادتی کی ہے اور اگر بدلہ نہ لیا جائے اور عفو و درگذر سے کام لیا جائے اور مجرم کو بخش دیا جائے اور صبر و ضبط کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے تو یہ بات یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورہ شوریٰ آیت ۱۴ میں ہے ولمن صبر وغفران ذلک لمن عزم الامور ۔

در عفو لذتے است کہ در انتقام نیست

۱۱۲-واصبر وما صبرك۔ الآیة

یہ پیغمبر اسلامؐ کو خصوصی خطاب ہے کہ آپ تو زیادتی کرنے والوں سے بدلہ لینے کا تصور بھی نہ کریں بلکہ صبر سے کام لیں اور اس مقام پر صبر اگرچہ عام انسانی قوت برداشت سے باہر ہے مگر آپ کا یہ صبر محض خدا کی تائید و توفیق سے ہے جو آپ کو مبدا فیض سے حاصل ہے۔

۱۱۳-ولا تحزن علیهم۔ الآیة

یہ سابقہ حکم سے بڑھ کر ہے کہ صرف یہی نہیں کہ ان لوگوں کی زیادتیوں کا ان سے بدلہ نہ لیں بلکہ ان کی ان بدسلوکیوں پر جو وہ آپ سے کرتے ہیں دل میں رنج و غم بھی نہ کریں اور آئندہ وہ آپ کے خلاف کیا کیا منصوبہ بندیاں کرتے ہیں اس کی فکر نہ کریں اور اس سے تنگ دل نہ ہوں سبحان اللہ۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو کس قدر بلند حوصلگی اور مکارم اخلاق کی کتنی اعلیٰ تعلیم و تلقین کرتا ہے؟ خطاب گو پیغمبر اسلام سے ہے مگر اس پیرایہ

میں داعیان حق کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ یہ راستہ بڑا دشوار ہے اس راہ کے راہروؤں کو لوگوں کی طعن و تشنیع اور ان کی ایذا رسانیوں کی منزل سے گزرنا پڑتا ہے لہٰذا انہیں رنج و ملال نہیں کرنا چاہیے اور دل تنگ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ

ہر چہ بر سر نبی آدم می آید می گزرد

یعنی ؎

ہوتا ہے ظفر عشق کے حالات میں سب کچھ

-۱۱۴ ان اللہ مع الذین۔ الآیۃ

اللہ کی تائید و نصرت کن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے؟

اس آیت مبارکہ میں ایک عالمگیر قانون قدرت کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ ہمیشہ اللہ کی تائید و نصرت انہی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں اور جو خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور مخلوق کو فائدہ پہنچانے کو اپنا مقصد زیست قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ **افضل الناس انفع الناس للناس** (سب سے افضل وہ ہے جو سب سے بڑھ کر لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

کام آ خلق خدا کے کہ اس کے نزدیک
اس سے بڑھ کر نہ ہوئی ہے نہ عبادت ہو گی

چودھویں پارہ اور سورہ نحل کی تفسیر کی آج مورخہ ۱۵ جون ۲۰۰۲ء
بمطابق ۳ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ بروز ہفتہ پونے ایک بجے دن
بمقام سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا بعونہ تعالیٰ اختتام پذیر ہوئی۔
والحمد للہ رب العالمین

سورۃُ الاسراء یا بنی اسرائیل کا مختصر تعارف

وجہ تسمیہ:

چونکہ اس سورہ کی چوتھی آیت وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب میں بنی اسرائیل کا نام ہے اس لیے علامتی طور پر اس کا نام بنی اسرائیل رکھ دیا گیا۔ نیز اسے سورۂ اسراء اور سورۂ سبحان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں کل بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

عہد نزول:

یہ سورہ آنحضرت کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس سورہ کی پہلی آیت شاہد ہے کہ یہ سفر معراج کے بعد نازل ہوئی ہے اور سفر معراج کا واقعہ بنا بر مشہور ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔

اس سورہ کے مضامین وموضوعات کی اجمالی فہرست

اس سورہ مبارکہ میں مندرجہ مضامین وموضوعات کی اجمالی فہرست یہ ہے:

۱۔ واقعہ معراج کا مقدس تذکرہ اور یہی واقعہ اس سورہ کا طغرائے امتیاز ہے جو اس سورہ کو دوسری سورتوں سے ممتاز کرتا ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل کے دوبارہ تخریب کاری کرنے اور اس کی سزا بھگتنے کا ذکر۔

۳۔ کفار مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

۴۔ نامہ اعمال کا بیان۔

۵۔ انسان کے جلد باز ہونے کا بیان۔

۶۔ نسل انسانی کی سعادت وشقاوت اور فلاح وخسران کا جن چیزوں پر دارومدار ہے ان کا بیان۔

۷۔ دنیا کے طلبگار کو دنیا اور آخرت کے خریدار کو آخرت مل جاتی ہے۔

۸۔ اللہ کا شریک بنانے کی ممانعت۔

۹۔ اللہ کی عبادت کرنے اور والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم۔

۱۰۔ خرچ میں میانہ روی کا حکم اور فضول خرچی کرنے کی مذمت ومناہی۔

۱۱۔خدا ہی روزی گھٹاتا اور بڑھاتا ہے۔
۱۲۔زنا کاری کے قریب جانے کی بھی مناہی۔
۱۴۔قانون قصاص کا تذکرہ۔
۱۵۔پورا ناپنے تولنے کا حکم۔
۱۶۔جس چیز کا علم نہ ہو اس میں دخل دینے کی ممانعت۔
۱۷۔تکبر کرنے کی مذمت۔
۱۸۔خدا کے شریکوں کی نفی۔
۱۹۔ہر شئی اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم سمجھ نہیں سکتے۔
۲۰۔منکرین قیامت کے شبہات اور ان کے جوابات۔
۲۱۔مخالفین سے بھی اچھے طریقہ سے بات کرنے کا حکم۔
۲۲۔غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت۔
۲۳۔شجرہ ملعونہ کا تذکرہ۔
۲۴۔نوع انسانی کی برتری کا تذکرہ۔
۲۵۔بروز قیامت لوگوں کے اپنے اماموں کے ساتھ اٹھائے جانے کا تذکرہ۔
۲۶۔اوقات نماز کا بیان۔
۲۷۔نماز تہجد پڑھنے کا حکم۔
۲۸۔قرآن کے نسخہ شفا ہونے کا تذکرہ۔
۲۹۔جن وانس مل کر بھی قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔
۳۰۔بشریت انبیا کا فلسفہ۔
۳۱۔جناب موسیٰ کے نوگانہ معجزات کا تذکرہ۔
۳۲۔جہر واخفا کے بین بین قرات کا حکم وغیرہ وغیرہ۔

سورۂ بنی اسرائیل پڑھنے کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص ہر شب جمعہ میں سورۂ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے گا تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک قائم ال محمد عجل اللہ فرجہ کی زیارت نہیں کرے گا۔اور وہ

آپ کے اصحاب میں سے ہوگا۔ (ثواب الاعمال، تفسیر عیاشی وصافی وغیرہ)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ① وَاٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡـكِتٰبَ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِىۡ وَكِيۡلًا ؕ ② ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا ③ وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ④ فَاِذَا جَاۤءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ⑥ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَاۤءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ⑧ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ ⑨ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ⑩

ترجمۃ الآیات

پاک ہے وہ (خدا) جو اپنے بندہ (خاص) کو رات کے ایک حصہ میں مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد و پیش ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم انہیں اپنی (قدرت کی) کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ بڑا سننے والا، بڑا دیکھنے والا ہے (۱) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا کہ (دیکھو) میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا (۲) اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا بے شک وہ (نوح) ایک شکر گزار بندہ تھا (۳) اور ہم نے اس کتاب (توراۃ) میں بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے (۴) چنانچہ جب ان دونوں وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آ گیا تو ہم نے (تمہاری سرکوبی کے لیے) اپنے کچھ ایسے سخت جنگجو بندے بھیج دیے جو تمہاری آبادیوں کے اندر گھس گئے اور (خدا) کا وعدہ پورا ہو کر رہا (۵) اور پھر ہم نے گردش زمانہ کو تمہارے حق میں دشمن کے خلاف کر دیا (تمہیں ان پر غلبہ دے دیا) اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں کثیر التعداد بنا دیا (۶) (دیکھو) اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے لیے ہی کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو وہ بھی اپنے لیے کرو گے۔ پس جب دوسرا وعدہ آ گیا (تو ہم نے اور بندوں کو مسلط کر دیا) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح (جبراً) داخل ہو جائیں جس طرح پہلی بار (حملہ آور) داخل ہوئے تھے اور تاکہ جس جس چیز پر وہ قابو پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں (۷) ہوسکتا ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر (فساد و سرکشی کی طرف) لوٹے تو پھر ہم بھی اسی طرح لوٹیں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے (۸) یقیناً یہ قرآن اس راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خوشخبری دیتا ہے۔ ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے (۹) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (۱۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔قضینا الی بنی، قضی یقضی کا صلہ جب الٰی ہوتو اس کے معنی آگاہ کرنے کے ہوتے ہیں۔

۲۔ولتعلن، یہ علا یعلو علو سے مشتق ہے۔علا فی الارض کے معنی ہیں تکبر کرنا۔

۳۔اولیتبروا، تتریب کے معنی ہیں ہلاک اور برباد کرنا۔

۴۔حصیر کے معنی چٹائی اور قید خانہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔سبحان الذی۔ الآیة

واقعہ معراج کا اجمالی بیان

اس سورہ کی پہلی آیت میں اسلام کے اس مشہور و مسلم واقعہ کا اجمالی تذکرہ ہے جسے واقعہ معراج کہا جاتا ہے جو ہمارے پیغمبر اسلامؐ کا امتیازی معجزہ ہے جس کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ میں ایک بار حضرت رسول خدا جب نماز عشا سے فارغ ہوئے تو جبرائیل براق لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے جس کی برق رفتاری کا عالم یہ تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ بروایت قمی، میکائیل اور اسرافیل بھی ہمراہ تھے۔ بہرنوع آپ اس پر سوار ہوئے اور چشم زدن میں بیت المقدس پہنچے جہاں جملہ انبیا ما سلف آپ کے منتظر تھے۔ وہاں آپ نے ان کو نماز با جماعت پڑھائی۔ مخفی نہ رہے کہ بعض روایات کے مطابق آسمانوں پر بھی انبیا کو نماز پڑھانے کا تذکرہ موجود ہے۔ بعد ازاں سواری نے بلندیوں کی طرف پرواز شروع کی۔ آپ مختلف آسمانوں سے ہوتے ہوئے اور مختلف نبیوں سے ملاقات کرتے ہوئے آگے گذرتے گئے۔ چنانچہ ساتویں آسمان پر جناب خلیل خدا سے نیاز ملاقات حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ اس سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جہاں جبرائیل بھی ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور آنحضرت کی ہمراہ لے جانے کی خواہش کے جواب میں کہا کہ آپ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں پر نہ کوئی ملکِ مقرب پہنچا اور نہ کوئی نبی مرسل و لو دنوت انملة لاحترقت اگر انگلی کا ایک پور بھی آگے بڑھوں تو تجلی نور سے میرے پر جل جائیں یہاں تک کہ اس بلندترین مقام پر پہنچے جسے مقام قاب قوسین او

ادنی کہا جاتا ہے جو کہ انوار ربانیہ اور تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے جس کی عظمت الفاظ کے قالب میں نہیں سما سکتی۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** پس معبود نے اپنے عبد خاص پر جو وحی کی سو کی سورہ نجم)۔ وہیں خدائے قدیر نے آپ کو جو آیات الٰہیہ اور نشانہائے قدرت دکھائے ان میں تمثیلی رنگ میں بہشت اور اہل بہشت کی کیفیت اور دوزخ اور دوزخیوں کی نوعیت بھی شامل تھی اور دیگر کئی سماوی عجائبات قدرت اس کے علاوہ تھے۔ یہ سب سیر کائنات رات کے ایک حصہ میں کرنے کے بعد آپ فراز عرش سے خاکدان ارضی پر تشریف لائے جبکہ ابھی سفیدہ صبح نمودار نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ صبح کی نماز مسجد الحرام میں پڑھائی (جملہ کتب تفسیر وحدیث کا جامع خلاصہ)

اس واقعہ کے بیان کا ردعمل

جب آپ نے لوگوں کو یہ ماجرا سنایا تو کفار ومشرکین نے آپ کا خوب تمسخر اور مذاق اڑایا اور جو مسلمان تھے ان کے بھی دو گروہ ہو گئے۔ چونکہ اس دور میں فلکیات کے بارے میں نظام بطلیموس کا چرچا تھا جس کے نزدیک آسمان ٹھوس ہیں جن سے کوئی چیز گذر نہیں سکتی۔ علاوہ بریں اس کے نظریہ کے مطابق آسمان تک پہنچنے سے پہلے کئی کرے واقع تھے جن کو عبور کرنا ممکن نہ تھا جیسے کرہ آتشیں، کرہ زمہریر وغیرہ جن کو عبور کرنا کسی آدمی کے لیے ممکن نہ تھا۔ الغرض کچھ مسلمان تو بلا چوں و چرا اس پر ایمان لائے اور جن کے ذہنوں میں بطلیموس کا نظریہ راسخ تھا انہوں نے نہ پیغمبر کی تکذیب کی اور نہ اس نظریہ کا دامن چھوڑا اور بخیال خویش یہ درمیانہ راستہ اختیار کیا کہ پیغمبر کو یہ معراج روحانی طور پر عالم خواب میں ہوئی ہے جسمانی طور پر بیداری کے عالم میں نہیں ہوئی۔ صدیوں کی اس کشمکش کے بعد آج دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ اس دور کی سائنس ہار گئی اور قرآن جیت گیا جبکہ دنیا آج چاند پر آ جا رہی ہے اور طے ہو گیا کہ آسمان ٹھوس نہیں ہے اور نہ ہی راستے میں کوئی وہ بطلیموسی کرے ہیں جن سے کوئی آدمی گذر نہیں سکتا تھا آج واضح ہو چکا ہے کہ ع

عالم انسانیت کی زد میں ہے گردوں

بعض جدید رکاوٹوں کا تذکرہ

جس طرح پرانا نظام بطلیموس اس واقعہ کی تصدیق سے مانع تھا آج جدید سائنس بھی رکاوٹ بن رہی ہے جیسے کشش ثقل کا مسئلہ، خلا میں ہوا کے نہ ہونے کا مسئلہ، سورج کے جلانے والی تپش وگرمی کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ چیزیں بھی اس واقعہ کو صحیح تسلیم کرنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں کیونکہ جب انسان خدا کی دی ہوئی عقل کے بل بوتے پر ایسے آلات بنا سکتا ہے کہ جن کے ذریعے وہ ثقل ارضی سے باہر نکل سکتا ہے، ہوا کے بغیر

زندہ رہ سکتا ہے اور سورج کی خطرناک حد تک گرم شعاعوں سے محفوظ رہ سکتا ہے تو کیا خود خدا ان مشکلات کو عبور کرانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام خود تو معراج پر نہیں گئے تھے بلکہ انہیں خدا لے گیا تھا اور سواری بھی وہ مہیا کی تھی جس کا تیز رفتاری کی وجہ سے نام ہی براق تھا۔ اب سوال یہ نہیں ہے کہ پیغمبر معراج پر جا سکتے ہیں یا نہیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ خدا ان کو لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ جو لوگ خدا کو علی کل شئی قدیر جانتے ہیں ان کے لیے یہ مسئلہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ وہ دَور دُور نہیں کہ جب یہاں بھی جدید سائنس ہار جائے گی اور خدا کا قرآن و اسلام جیت جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس عظیم واقعہ کے چند اختلافی پہلوؤں پر روشنی

آیئے ذیل میں چند اختلافی پہلوؤں پر مختصر مختصر تبصرہ کر دیا جائے۔

یہ سفر کہاں سے کہاں تک تھا؟

مسلمانوں میں اس بات میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے کہ سفر معراج کہاں سے کہاں تک تھا؟ کیونکہ قرآن کی آیت میں تو بظاہر مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصی تک کا تذکرہ ہے اور بنا بر مشہور مسجد اقصی سے مراد وہ مسجد ہے جو بیت المقدس میں ہے۔ حالانکہ عام اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت اس سفر معراج میں عالم امکان کی آخری حد (قاب قوسین او ادنی تک) تشریف لے گئے تھے تو اس سلسلہ میں بعض مفسرین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سورہ اسرا سے تو صرف مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک ہی کا سفر معراج ثابت ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اس سے آگے کا سفر سورۂ نجم سے ثابت ہوتا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ قران سے تو صرف مسجد الحرام سے مقصد اقصی تک ثابت ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اس سے آگے کا سفر صرف حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری ناچیز تحقیق یہ ہے (جسے بعض اعلام کے کلام کی تائید بھی حاصل ہے) کہ یہاں مسجد اقصیٰ سے وہ مسجد اقصی مراد نہیں ہے جو بیت المقدس میں ہے کیونکہ اس کا یہ نام بنی امیہ کے زمانہ میں رکھا گیا لہٰذا نزول قرآن کے عہد میں اس اصطلاح کا وجود ثابت نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مسجد اقصی کا لفظ بطور نام مراد نہیں ہے بلکہ توصیفی حیثیت سے اس کا مفہوم مراد ہے یعنی عالم امکان کی انتہائی دور اور اونچی جائے سجدہ اور ظاہر ہے کہ وہ یہی مقام قاب قوسین او ادنی ہی ہو سکتا ہے۔ بنا بریں قران کی اسی سورہ بلکہ اسی آیت سے پورا مشہور سفر معراج ثابت ہو جاتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ہماری بعض روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسجد اقصیٰ آسمانوں پر ہے۔ (تفسیر برہان)

معراج جسمانی تھا یا روحانی۔یعنی بیداری میں تھا یا خواب میں؟

عالم اسلام میں زیادہ مشہور یہی ہے کہ آنحضرت کا یہ امتیازی معجزہ جسمانی طور پر اور بیداری کے عالم میں واقع ہوا اور یہی حق ہے۔ایک تو اس لیے کہ آیت میں لفظ ''عبدہ'' مذکور ہے سبحان الذی اسری بعبدہ اور ظاہر ہے کہ عبد جسم و روح کے مجموعہ کو ہی کہا جاتا ہے تنہا روح کو عبد نہیں کہا جاتا۔دوسرے لفظ سبحان الذی جو اس قصہ کے آغاز میں واقعہ ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی بڑا عظیم اور خارق عادت واقعہ ہے جسے خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے انجام دیا اور بڑے فخر سے فرمایا ہے ''خدا وہ جس نے اپنے بندہ خاص کو رات کے ایک حصہ میں یہ سیر کرائی'' ظاہر ہے کہ خواب میں یا عالم کشف میں اس قسم کی چیزوں کا مشاہدہ کرنا کوئی اہم واقعہ نہیں ہے۔خواب میں تو عام لوگ بھی کبھی مکہ و مدینہ کی اور کبھی انگلینڈ اور امریکہ کی سیر کرتے رہتے ہیں اور جونہی مچھر کاٹتا ہے اور آنکھ کھل جاتی ہے تو نہ زیاں ہوتا ہے اور نہ سود ہوتا ہے ع

جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

تیسرے یہ کہ اگر یہ واقعہ خواب میں رونما ہوا ہوتا تو کفار کو انکار کی اور مذاق اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور کمزور اہل ایمان کو اس کی تاویلیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ لوگ کیوں فتنہ میں مبتلا ہوئے؟ بھلا یہ کیا مستبعد بات تھی؟ قانون طبیعت کے خلاف کیا بات تھی مگر کافروں کا انکار اور کمزور اہل ایمان لوگوں کی تاویل بتاتی ہے کہ یہ واقعہ بڑا عظیم الشان اور غیر معمولی واقعہ تھا اور وہ یہی معراج جسمانی ہی ہوسکتا ہے۔

اس معراج کا مقصد کیا تھا؟

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ خدا لا مکان ہے وہ مکان و مکانیات اور جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرا ہے۔لہٰذا اس نے پیغمبر اسلام کو عالم بالا پر اس لیے نہیں بلایا تھا کہ ان سے ملاقات کرے اور اپنے دیدار سے ان کو مشرف کرے بلکہ اس لیے وہاں بلایا تھا کہ زمینی آیات الٰہیہ کے ساتھ ساتھ آپ کو آسمانی عجائبات قدرت بھی بچشم خود دکھائے تا کہ عالمین کا ہادی اور راہنما جن باتوں پر لوگوں کو ایمان بالغیب لانے کا حکم دیتا ہے ان پر اس کا اپنا ایمان بالشہود ہو جائے اور ایمان کے اعلیٰ درجات کی دولت سے بھی مالا مال ہو جائے جیسا کہ یہ سب کچھ لنریہ من آیاتنا سے روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہے یہ سب کچھ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انبیا کا مقام تمام فلاسفہ وحکماء سے ممیز ہو جائے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ اپنے قیاس وگمان سے کہتے ہیں اور انبیا جو کچھ کہتے ہیں وہ اپنے علم ومشاہدہ کی بنا پر کہتے ہیں۔

یہ معراج پیغمبر اسلام کے خصائص میں سے ہے

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ یہ معراج جسمانی پیغمبر اسلام کے ان خصائص میں سے ہے کہ کوئی نبی مرسل کوئی ملک مقرب اور کوئی وصی وولی اس میں آپ کا شریک نہیں ہے اور اس کا منکر دائرہ مذہب سے خارج ہے۔ لہٰذا یہ جو کچھ غیر ذمہ دار لوگ بیان کیا کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام اس سفر میں شریک نبی تھے یا آپ سے بھی پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور اس سلسلہ میں جن مجمل اور غیر مستند روایتوں کا سہارا لیا جاتا ہے ان میں سے کوئی روایت بھی نہ اس مطلب میں صریح ہے اور نہ ہی کوئی قابل اعتماد و استناد ہے۔ بلکہ چونکہ ہمارے مذہب کا یہ ایک مسلمہ عقیدہ ہے کہ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی ورنہ وہ اپنے اہل کو لے کر پانی میں دھنس جائے لہٰذا جب پیغمبر اسلام معراج کے سلسلہ میں عالم بالا پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت امیر علیہ السلام بطور حجت خدا زمین میں تشریف فرما تھے تفصیلات کے خواہش مند ہماری کتاب اصول الشریعہ کے آٹھویں باب کا مطالعہ فرمائیں۔

بعض خرافات کی تردید

لہٰذا جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت امیر اس سفر میں شریک رسول نہ تھے تو اس سلسلہ میں بعض خلیع العذار مقررین جو بیان کرتے ہیں کہ آسمانوں پر دوران سفر ایک شیر پیغمبر اسلام کے سدراہ ہوا اور جب تک آپ نے اسے اپنی خاص انگوٹھی عنایت نہیں فرمائی تب تک وہ راستہ سے نہیں ہٹا اور وہ شیر حضرت علی علیہ السلام تھے یا یہ کہ قاب قوسین کے مقام پر پردہ کے اندر حضرت علیؑ علیہ السلام تشریف فرما تھے اور پس پردہ سے ایک ہاتھ نکلا تھا جو ہو بہو حضرت امیر علیہ السلام کا ہاتھ معلوم ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت علامہ سید علی حائری قدس سرہ اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۳۶ میں اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں ''چنیں اعتقاد داشتن کفر و باطل است حضرات ائمہ اطہار از چنیں حکایات موضوعہ تبرا جستہ اند اصل ایں است کہ ایں ہمہ مفتریات فرقہ غالیہ ومفوضہ است وبعضے جہاں شعراء در مجالس بیان می کنند و خواندن، شنیدن و بداں اعتقاد داشتن کفر است چہ ایں ہمہ واقعات در اصل بے اصل اند'' اسی طرح ان سے پہلے علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ حصہ ثانیہ ص ۲۸۳ طبع لکھنو پر ان واقعات کی سخت ترین الفاظ میں تردید کی ہے اور اسے غلو و تشبیہ قرار دیا ہے۔ فراجع۔

شب معراج جو گفتگو ہوئی تھی وہ حضرت امیر کے لہجہ میں تھی

خداوند عالم متکلم ہے یعنی موجد کلام ہے۔ وہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کرسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب

وہ کلام پیدا کرے گا تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہر شخص کی عقل وشکل کی طرح اس کلام کا لب ولہجہ بھی سب سے جدا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا لب ولہجہ کسی کے لہجہ سے ملتا جلتا ہو۔ بنا بریں فریقین کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے قدیر نے شب معراج پیغمبر اسلام سے جو کلام کیا تھا اس کا لب ولہجہ حضرت امیر علیہ السلام کے لب ولہجہ سے ملتا تھا اور ایسا اس لیے کیا تھا کہ آنحضرت اس عالم میں اس آواز سے مانوس رہیں (بحار الانوار ج ۶ ص ۵۱۰، طبع قدیم بحوالہ مناقب خوازرمی، کذافی علم الیقین ص ۱۱۹، نقلاعن کشف الغمہ، وکذافی الصافی ص ۲۵۰)

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اسی سے یار لوگوں نے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ جب اس کلام کا لہجہ حضرت علی علیہ السلام کے لہجہ سے ملتا تھا تو پھر ضرور پس پردہ آپ موجود ہوں گے۔ ہاں یہ درست ہے کہ مقام اقاب قوسین پر عبد ومعبود کے درمیان جو خاص باتیں ہوئیں (فاوحی الی عبدہ ما اوحی) ان میں خلافت وولایت علویہ کا اعلان بھی شامل تھا بلکہ سر فہرست تھا اور بعض اخبار وآثار سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت نے آسمانوں پر تمثالِ علی کو دیکھا تھا۔

۲- واتینا موسی الکتاب۔ الآیہ

قبل ازیں کئی بار جناب موسیٰ کو توراۃ عطا کرنے اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت قرار دینے اور انہیں بار بار اس بات کی نصیحت کرنے کہ خدا کے علاوہ کسی کو بھی اپنا کارساز نہ سمجھنا مگر ان لوگوں کے ان باتوں کو فراموش کر دینے پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال بنی اسرائیل کی تاریخ میں درس عبرت ہے کہ منجانب اللہ کتاب پانے والے جب سرکشی کرنے پر اتر آتے ہیں اور اللہ کے بالمقابل سر اٹھاتے ہیں تو پھر کس طرح ان کو عبرتناک سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان فی ذلك لایات لقوم یذکرون۔

۳- ذریۃ من حملنا۔ الآیۃ

یہاں یا حرف ندا محذوف ہے لہٰذا اس کا مفہوم یاایہاالناس اور یابنی آدم کی طرح ہے جو سب انسانوں کو عام ہے۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کرایا تھا اور ظاہر ہے کہ جناب نوح آدم ثانی ہیں کیونکہ موجودہ انسانی نسل انہی لوگوں کی اولاد ہے جو جناب نوح کے ہمراہ کشتی پر سوار تھے۔ انہ کان عبداً شکوراً اس ضمیر کا مرجع عام مفسرین نے قرب کی وجہ سے جناب نوح کو ہی قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے جناب موسیٰ کے مراد ہونے کا احتمال بھی ذکر کیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں موجود ہے۔

-۴- وقضينا الى بنى اسرائيل۔ الآية

ویسے تو قضا یقضی کے معنی فیصلہ کرنے کے ہوتے ہیں مگر جب اس کا صلہ الی ہو تو پھر اس کے معنی اطلاع دینے، خبر دینے اور آگاہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ ہم نے توراۃ میں بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا تھا کہ تم دو بار زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور دو بار سخت سرکشی کرو گے اور پھر تمہیں اس کی سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دو بار ایسا کیا اور اس کی پاداش میں ان کو دو بار سخت سزا بھی دی گی۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ انہوں نے دو بار سرکشی کب کی اور ان کو سخت سزا کس طرح ملی؟ اس میں مفسرین میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور اس قسم کے متعدد واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔ ان میں اصلی دو واقعات کی تعیین بہت مشکل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلی بار جالوت ان پر مسلط ہوا اور طویل عرصہ تک بنی اسرائیل اس کے ظلم و جور میں پستے رہے۔ چنانچہ عرصہ دراز کے بعد جناب طالوت کی سرکردگی میں اس سے مقابلہ ہوا اور جناب داؤد نے جالوت کو قتل کر کے اس کے اقتدار کا خاتمہ کیا اور جناب داؤد و سلیمان کو اقتدار ملا۔ یہ وہ درمیانی دور ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں ان پر غلبہ دیا اور مال و اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں کثیر التعداد بنایا۔ اور دوسری بار جب بنی اسرائیل کی سرکشیاں حد سے بڑھ گئیں تو خدا نے بخت نصر جیسے ظالم حاکم کو ان پر مسلط کیا جس نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ یہ دوسری بار کی سرکشی اور اس کی سزا ہے۔ (مجمع البیان، فصل الخطاب)۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جو بڑی تفسیروں کے اندر بڑی تفصیل سے مذکور ہیں اور تفہیم القرآن میں بھی اس کے بارے میں بڑی طویل بحث کی گئی ہے۔ مگر ان کی تحقیق میں پڑنے اور ان کے متعلق مزید بحث و تمحیص کرنے کا چنداں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہاں یہ کہہ دیا ہے کہ ''ان دو مقامات کی قرآن نے تعیین کی نہیں ہے اور تاریخوں میں اختلاف ہے اور پھر اس بات کا معلوم کرنا ہمارے لیے کوئی ضروری نہیں ہے۔'' (ایضاً)

واضح رہے کہ بعض اسلامی روایات کے مطابق ان آیات کی باطنی تفسیر بعض اہم اسلامی واقعات سے بھی کی گئی ہے کہ اس پہلے ظلم و فساد سے حضرت امیر علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کی شہادت مراد ہے اور دوسرے فساد سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت مراد ہے اور جس طاقتور اور جنگجو قوم کے بھیجے جانے کا یہاں تذکرہ کیا گیا ہے اس سے حضرت امام مہدی علیہ السلام مراد ہیں۔ (تفسیر عیاشی و صافی)

بہرحال یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ یہاں کفار مکہ اور دیگر تمام اقوام و افراد کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ جو بھی اس کردار کا مظاہرہ کرے گا جو بنی اسرائیل نے کیا تھا تو اس کا انجام وہی ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا تھا۔ اللہ کا

قانون مکافات عمل سب کے لیے یکساں ہے۔اس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔

۵-ان احسنتم ۔ الآیۃ

حسب ظاہر یہ خطاب بنی اسرائیل کو ہی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بطور جملہ معترضہ امت محمدیہ کو خطاب ہو۔(مجمع البیان)۔اس طرح لوگوں کو تنبیہہ کی جارہی ہے کہ آئندہ اگر نیکی اور بھلائی کے کام کروگے تو فائدہ بھی خود اٹھاؤ گے اور اگر برائی کے کام کروگے تو اس کا خمیازہ بھی خود بھگتو گے کیونکہ کما تدین تدان کی حقیقت مسلم ہے کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

۶-عسیٰ ربکم ۔ الآیۃ

نزول قرآن کے وقت جو یہود موجود تھے ان کو رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری کی نوید سنائی جارہی ہے کہ ان کی برکت سے رحمت پروردگار کی نمود نظر آرہی ہے۔اگر تم نے نبی کی رحمت سے فائدہ اٹھایا تو خدا تمہاری حالت زار پر رحم و کرم فرمائے گا اور اگر سابقہ روش و رفتار کا اعادہ کیا تو پھر ہم بھی ایسا ہی کریں گے جیسا پہلے کرتے رہے ہیں اور جہنم تو کافروں کا بہرحال قید خانہ ہے مخفی نہ رہے کہ آج کے دور کے یہودیوں کے جرائم کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے انسانیت سوز مظالم و مفاسد سے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔یعنی ''ان عدتم'' کا مرحلہ تو آ گیا ہے۔اب صرف خدائی وعدہ کے مطابق ''عدنا'' کا مرحلہ باقی ہے جو جلد آئے گا ان شاءاللہ۔

جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

ان عادت العقرب عدنا له
و کانت النعل له حاضره

مگر افسوس کہ اس بدنصیب قوم نے اس قیمتی موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ الٹا کفران نعمت کرکے اور انکار رسالت کرکے خدا کے قہر و غضب کو دعوت دی جو جنگ خیبر، بنو نضیر کی جلاوطنی اور بنو قریظہ کی تباہی کی شکل میں نمودار ہوا اور سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

۷-ان ھذا القرآن ۔ الآیۃ

قرآن، کتاب ہدایت ہے (ھدی للمتقین) کتاب بشارت ہے (بشری للمسلمین) مگر

ہدایت ان کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کریں گے اور بشارت ان کے لیے ہے جو ایمان کے ساتھ ساتھ نیک کام بھی کریں گے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے خدا نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے جس کا انہیں ذائقہ چکھنا پڑے گا۔ بہرحال سعادت دارین اور فلاح کونین کا راستہ اسی کتاب ہدایت قرآن سے ملتا ہے۔ یہی وہ شاہراہ ہے جو سیدھی جنت کی طرف جاتی ہے۔ اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: یهدی الی الامام علیه السلام کہ قرآن امام برحق کی طرف راہنمائی کرتا ہے (اصول کافی وتفسیر صافی)۔ یہ قرآن اور اہل بیت ہی ہیں کہ جو ان کے دامن کو تھام لے گا وہ نجات پائے گا اور یہی وہ دو چیزیں پیغمبر اسلامؐ اپنے بعد چھوڑ گئے تھے۔ انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله و عترتی اهلبیتی۔

آیات القرآن

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمة الآيات

اور انسان برائی کی دعا اسی طرح کرتا ہے جس طرح اچھائی کی دعا کرتا ہے (دراصل) انسان بڑا ہی جلد باز ہے (۱۱) اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا ہے سو ہم نے رات کی نشانی کو دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل و کرم (رزق) تلاش کرو اور تا کہ برسوں کی گنتی اور (ہر طرح کا) حساب معلوم کر سکو اور ہم نے ہر (ضروری) چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے (۱۲) اور ہم نے ہر انسان کا (نامہ) عمل اس کی گردن میں ڈال دیا ہے اور قیامت کے دن ہم ایک کتاب (نوشتہ) نکالیں گے جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا (۱۳) (ہم حکم دیں گے) کہ اپنا نامہ عمل پڑھ آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے (۱۴) جو راہ راست اختیار کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے ہی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک (اتمام حجت کی خاطر) کوئی رسول بھیج نہیں دیتے (۱۵) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم وہاں کے خوشحال لوگوں کو (انبیاء کے ذریعہ سے اپنی اطاعت کا) حکم دیتے ہیں اور وہ (اطاعت کی بجائے) نافرمانی کرنے لگتے ہیں تب اس پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے اور ہم اسے تباہ کر دیتے ہیں (۱۶) اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو (ان کے گناہوں کی پاداش میں) ہلاک کیا اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر

ہونے اور دیکھنے کی حیثیت سے کافی ہے (۱۷) جو کوئی دنیا کا خواہشمند ہو تو ہم جسے جتنا دینا چاہتے ہیں اسی (دنیا) میں جلدی سے دیتے ہیں۔ پھر اس کے لیے دوزخ قرار دیتے ہیں جس میں وہ ملامت زدہ اور راندہ ہوا داخل ہوگا (اور اسے تاپے گا) (۱۸) اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اور اس کے لیے ایسی کوشش بھی کرے جیسی کہ کرنی چاہیے درانحالیکہ وہ مومن بھی ہو تو یہ وہ ہیں جن کی کوشش مشکور ہوگی (۱۹) ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی آپ کے پروردگار کی عطا و بخشش سے اور آپ کے پروردگار کی عطا کسی پر بند نہیں ہے (۲۰) (دیکھو) ہم نے (یہاں) کس طرح بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے بہت بڑی ہے اور فضیلت کے لحاظ سے بھی بہت بڑی ہے (۲۱) اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ (معبود) نہ ٹھہراؤ۔ ورنہ ملامت زدہ ہو کر اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھے رہو گے (۲۲)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ طائرہ، کے معنی پرندہ، اور استعارہ کے ہیں جس سے اچھا برا شگون لیں اور اس کے مجازی معنی نامہ اعمال کے ہیں۔

۲۔ مترفیہا، یہ مترف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خوشحال، ظالم، سرکش اور ایسا آزاد شخص جو چاہے کر گزرے اسے کوئی روک نہ سکے۔

۳۔ دمرنا تدمیر کے معنی ہیں ہلاک کرنا۔

۴۔ مدحوراً، یہ دحر سے مشتق ہے جس کے معنی راندہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۸۔ ویدع الانسان، الآیۃ

مجمع البیان وغیرہ مفصل تفاسیر میں اس آیت کے متعدد مفاہیم بیان کیے گئے ہیں مگر اس کے وہ معنی جنہیں انسانی ذہن جلد قبول کرتا ہے وہ دو ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ انسانی عقل و علم بالکل محدود ہے اس لیے بعض

اوقات وہ خیر وشر اور بھلائی و برائی میں امتیاز نہیں کرسکتا۔ بلکہ بسا اوقات وہ خیر کو شر اور شر کو خیر سمجھ بیٹھتا ہے اور اسی کے مطابق دعا کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے عسی ان تکرھوا شئیا و ھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شئیا و ھو شر لکم واللہ یعلم و انتم لا تعلمون (بقرہ ۲۱۶) ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بُری ہوتی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے بنا بریں چونکہ انسان اپنے نفع و نقصان کا صحیح ادراک نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہ بعض اوقات ایسی چیز کا خدا سے سوال کر بیٹھتا ہے جو درحقیقت اس کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے۔ اس لیے خدائے مہربان نے دعا کی قبولیت کو ہماری عاجلانہ خواہش سے وابستہ نہیں کیا، بلکہ اپنی حکمت و مصلحت سے وابستہ کیا ہے وہ مصلحت دیکھتا ہے تو قبول کرتا ہے، ورنہ قبول نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ بعض اوقات انسان جذبات و حالات سے دلبرداشتہ اور مغلوب ہو کر اللہ سے وہ چیزیں بھی مانگنے لگ جاتا ہے جنہیں وہ خود صریحاً غلط اور برا سمجھتا ہے جیسے مرنے کی تمنا ؎

اے موت تو ہی آ کہ وہ آتے نہیں یہاں
یونہی گذر رہا ہے زمانہ بہار کا

یا جیسے اپنے عزیزوں کو بددعائیں دینا کہ اگر عام حالات میں خود اسی سے پوچھا جائے کہ کیا تو چاہتا ہے کہ خدا تیری یہ دعا قبول کرے؟ تو وہ یقینا کہے گا کہ ہرگز نہیں۔ اس اعتبار سے انسان جلد باز ہے۔ نیز اس لحاظ سے بھی کہ اگر کسی مصلحت الٰہی کے پیش نظر دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو وہ خدا کا شکوہ و شکایت کرنے لگتا ہے۔ واللہ یعلم و انتم لا تعلمون۔

۹۔ وجلنا اللیل۔ الآیۃ

شب و روز کی آمد و رفت اور خلقت کا فلسفہ

شب و روز کی خلقت اور ان کی آمد و رفت خدا کی قدرت کی دو نشانیاں ہیں۔ یہ بات تو عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔ البتہ جو بات قابل غور و فکر ہے وہ یہ ہے کہ اس اختلاف اور تنوع یعنی رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں حکمت الٰہی کیا ہے؟ گو رات کو تاریک قرار دینے کی حکمت یہاں بیان نہیں فرمائی، وہ دوسرے کئی مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ تم اس میں سو سکو اور آرام کرسکو اور تھکاوٹ دور کرسکو اور دن کو روشن بنانے کی یہاں دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی روشنی میں روزی کما سکو اور اپنے کام کاج کرسکو دوسرے یہ کہ دن رات کی آمد و رفت

سے اپنے ماہ وسال کو شمار کر سکو اور دوسرے حساب و کتاب بھی معلوم کر سکو۔ کہ مزدور کی مزدوری کب دینی ہے اور ملازم کی تنخواہ کب ادا کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر عالم طبیعت میں یہ اختلاف وتنوع نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ لوگوں پر ایک ہی حالت طاری رہتی یا دن کی روشنی ہمیشہ رہتی یا رات کی تاریکی ہمیشہ چھائی رہتی تو پھر یہ ہنگامہ وجود کس طرح چل سکتا اور یہ بزم ہستی کس طرح برقرار رہتی؟ بہرحال شب وروز کے تنوع واختلاف سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے کہ انسانوں کے دینی، طبعی اور مزاجی اختلاف میں کیا کیا مصلحتیں پنہاں ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ''محو'' کے معنی جس طرح مٹانے کے ہیں اسی طرح کسی چیز کو دھندلا کرنے کے بھی ہیں۔ یعنی اگرچہ چاند روشن ہے مگر اس کی روشنی سورج کی نسبت سے مدہم اور دھندلی ہے اور وہ بھی روز بروز گھٹتی جاتی ہے حتی کہ آخری تاریخوں میں بالکل ختم ہو جاتی ہے اور چاند بے نور ہو جاتا ہے۔

۱۰- و کل شئی فصلنا ۔ الآیۃ

یہاں ہر شئے سے مراد وہ ہر شئے ہے جس کی انسان کو اپنی دینی یا دنیوی زندگی میں ضرورت ہے اسے پوری طرح کھول کر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے مگر اس وضاحتی بیان سے ہر شخص اپنی فطری استعداد کے مطابق بہرہ مند ہوتا ہے۔ ہر شخص اس وضاحتی بیان سے یکساں فائدہ حاصل نہیں کرتا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

۱۱- و کل انسان ۔ الآیۃ

طائر سے مجازاً نامہ اعمال مراد ہے اور اس کا گلہ میں ڈالنا استعارہ ہے کہ وہ بطور طوق اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ یعنی نیک وبد عمل کی ذمہ داری اس کی گردن پر ہے جس سے اس نے عہدہ برآ ہونا ہے اور اپنے انجام کی سعادت وشقاوت اور ان کے اسباب خود اس کی ذات میں موجود ہیں اور اس بات کا فیصلہ اس نے خود کرنا ہے کہ آیا اس نے اپنے آپ کو سعید بنانا ہے یا شقی؟ اور کیا اپنے آپ کو جنت کا حقدار بنانا ہے یا جہنم کا سزاوار؟ الغرض وہ اپنے اعمال کے نتائج سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔

فائدہ:

اعمال نامہ کو ''طائر'' کہنا عرب کے اس تصور کے لحاظ سے ہے کہ وہ پرندہ کے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جانے کو شگون نیک وبد کے طور پر سعادت اور نحوست کی نشانی قرار دیتے تھے چونکہ اس کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا تھا لہٰذا قرآن نے حسن انجام اور بدانجامی کو جو آخرت سے وابستہ ہے اور وہ اعمال نامہ کی بنا پر ہے طائر کے لفظ سے تعبیر کیا'' (فصل الخطاب بحوالہ مجمع البیان) مخفی نہ رہے کہ اسلام میں کسی اچھی چیز سے

فالِ نیک لینے کی گنجائش تو ہے مگر کسی بری چیز سے شگون بد لینے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث نبوی میں وارد ہے لا طیرۃ فی الاسلام کہ اسلام میں شگون بد نہیں ہے۔ (خصال شیخ صدوق)

۱۲۔ اقرا کتابك۔ الآیۃ

ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان جب بھی اپنی زندگی میں کوئی نیکی یا بدی کا کام کرتا ہے وہ اس کے صحیفہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور اسکی موت پر اسے بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کبریٰ قائم ہوگی تو وہی نامہ اعمال کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں آدمی کے دائیں ہاتھ میں (اگر اصحاب الیمین سے ہوا) یا اس کے بائیں ہاتھ میں (اگر اصحاب الشمال سے ہوا) دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ آج اپنا صحیفہ اعمال پڑھتا جا اور پھر خود اپنا فیصلہ کرتا جا کہ ان اعمال کی روشنی میں جو تو نے کئے ہیں آیا تو جنت میں جانے کا حقدار ہے یا جہنم میں داخل ہونے کا سزاوار ہے؟ مروی ہے کہ اس وقت وہ شخص بھی پڑھ سکے گا جو دنیا میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا (مجمع البیان) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا کہ اس وقت ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اور صحیفہ اعمال میں لکھے ہوئے اعمال اس طرح یاد آئیں گے کہ گویا ابھی اس نے وہ کام کیے ہیں۔ اسی بنا پر وہ کہے گا یا ویلتنا! ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا (ہائے افسوس اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے اس نے تو کوئی چھوٹا یا بڑا (گناہ) چھوڑا ہی نہیں ہے (سب کچھ اس میں درج ہے) بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ ایسے بے حیا بندے بھی ہوں گے جو اپنے بعض کرتوتوں سے صاف مکر جائیں گے اور زبان حال سے کہیں گے کہ

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی اپنا کوئی دم تحریر بھی تھا

اس وقت قادر مطلق ان کے مونہوں پر مہریں لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بول کر ان کے خلاف گواہی دینگے کہ کرتوت انہوں نے ہی کیے تھے الیوم نختم علی افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یعملون، اس وقت وہ اس شعر کی تصویر نظر آئیں گے اور زبان حال سے کہیں گے ؎

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

بہر حال اگر کوئی شخص قیامت کی ذلت و رسوائی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے آج اشک ندامت بہا کر ان گناہوں کی سیاہی کو دھونا پڑے گا ؎

سخواہی کہ روز حشر کئی خندہ بایدت
امروز از مصیبت فردا گریستن

۱۳- من اھتدی ۔ الآیة

پہلے بھی ایسے نادان انسان گزر چکے ہیں جو راہ راست اختیار کر کے انبیا وائمہ پر احسان دھرتے تھے۔ یمنون علیك ان اسلموا اور آج بھی ایسے کم عقلوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو نیکی کر کے علما پر احسان دھرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ راہ راست کا راہرو کسی پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے ہی حق میں اچھا کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے وہ کسی کا کوئی نقصان نہیں کرتا بلکہ اپنا ہی زیاں کرتا ہے۔ خدا ہو یا رسول یا دوسرے داعیان حق وہ صرف انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کے نیک جذبہ کے تحت انسان کو راہ راست دکھانے اور غلط راستہ سے بچانے کی کدوکاوش کرتے ہیں۔ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض وغایت پوشیدہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایک منصف مزاج آدمی کا فرض ہے کہ جب اس پر دلیل وبرہان سے حق وباطل واضح ہوجائے تو وہ بلاتامل باطل سے کنارہ کش ہو کر حق کی آغوش میں پناہ لے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ اپنا نقصان آپ کرے گا۔

۱۴- ولا تذر وازرة ۔ الآیة

اس آیت مبارکہ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہر شخص کی ایک مستقل شخصی ذمہ داری ہے جس کے مطابق وہ خدا اور رسول کے سامنے جوابدہ ہے کوئی دوسرا آدمی اس کی اس ذمہ داری میں شریک نہیں ہے اور اسی کے مطابق انسان کو جزا وسزا دی جائے گی نہ اس کے گناہوں کا بوجھ کسی دوسرے شخص کے کاندھوں پر ڈالا جائے گا اور نہ کسی دوسرے کے کرتوتوں کا وبال اس پر ڈالا جائے گا اور یہی عدل الٰہی کا عین مقتضا ہے بنابریں ان چند غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے جو کچھ لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ کفار ومشرکین کی وہ نابالغ اولادیں جو بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں انہیں ان کے ماں باپ کے کفر وشرک کی پاداش میں عذاب نہیں ہوگا اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف نظریہ قائم کرتا ہے تو وہ خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے باطل متصور ہوگا۔

دوسرے یہ کہ عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ غلط ہے کہ جناب عیسیٰ تختہ دار پر لٹک گئے اور قوم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ لہٰذا اب ان سے ان کے گناہوں کے متعلق کوئی سوال وجواب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان اپنے نبی یا کسی امام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے تو اسے بھی باطل ہی تصور کیا جائے گا اور ایسے باطل نظریہ کو قوم وملت کے لیے زہر ہلاہل سمجھا جائے گا۔

تیسرے اس مضمون کی ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ میت پر گریہ وبکا کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ چونکہ یہ حدیث قرآن کی اس نص صریح کے خلاف ہے لہٰذا اسے من گھڑت تسلیم کرنا پڑے گا جیسا کہ ابو ہریرہ کی اس حدیث پر بعض ازواج النبیؐ نے یہی تبصرہ کیا تھا (ملاحظہ ہو سیرت النبی ج ا عنوان روایت میں درایت کی اہمیت) مخفی نہ رہے کہ یہ آیت مع تفسیر سورہ انعام آیت ۱۶۵ میں گذر چکی ہے۔ فراجع۔

۱۵- وما کنا معذبین۔ الآیۃ

اس آیت میں ایک اور بڑی ٹھوس اسلامی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جارہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نظام عدل میں نبی و رسول کو کلیدی حیثیت حاصل ہے عقلیات ہوں یا سمعیات جب تک خدا کوئی نبی و رسول نہ بھیج دے تب تک وہ حجت تمام نہیں ہوتی جس کے بعد عذاب نازل کرنا روا ہو جاتا ہے اگرچہ بعض علماء کلام کا یہ نظریہ ہے کہ وہ عقلی عقائد جن کا تعلق انسانی عقل سے ہے جیسے خدا کا وجود اور اس کی وحدانیت وغیرہ جو عقل سے ثابت ہیں تو ان کے انکار پر عذاب کرنا جائز ہے اگرچہ ان لوگوں تک کسی نبی و رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ نظریہ چونکہ قرآن کی اس آیت سے متصادم ہے اس لیے قابل قبول نہیں لہٰذا رحیم و کریم خدا کا دستور و سنت الہیہ یہ ہے کہ جب تک کوئی پیغمبر بھیج کر اپنا پیغام اپنے بندوں تک نہ پہنچا دے تب تک اپنے بندوں کو عذاب دینا عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف جانتا ہے تاکہ وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہمیں تو خدا کے پیغام سے آگاہ ہی نہیں کیا گیا تھا اور یہی نظریہ خاندان نبوت کے ارشادات سے ثابت ہے تفصیل معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۶- واذا اردنا۔ الآیۃ

گو قبل ازیں کسی مقام پر یہ آیت مع تفسیر گذر چکی ہے مگر یہاں مختصراً پھر اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ یہاں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ جب اللہ عادل ہے اور اس کا تمام کارخانہ قدرت نظام عدل پر چل رہا ہے تو وہ یہ کس طرح فرما رہا ہے کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوشحال اور عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں فسق و فجور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پس ان پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اور ہم اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ عادل ہے لہٰذا اس کا یہ ارادہ بلا وجہ نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کسی بستی والوں پر نبی و رسول بھیج کر حجت تمام کر دیں اور وہ ان کا انکار کر کے خود ہمارے عذاب کو دعوت دیں اور ہم اس کی وجہ سے انہیں سزا دینے کا ارادہ کریں تب بھی ہم جلدی نہیں کرتے بلکہ مزید اتمام حجت کی خاطر اس بستی کے وڈیروں کو اپنے انبیاء کے ذریعہ سے اپنی اطاعت کا حکم دیتے ہیں مگر جب

وہ پھر بھی اطاعت کرنے کی بجائے گناہ وعصیاں اور سرکشی پر اصرار کرتے ہیں تو اس وقت ان پر عذاب کا فیصلہ لازم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان پر ہم عذاب نازل کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس بستی کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکتے ہیں۔ (مجمع البیان وغیرہ)

ایضاح:

گرچہ شریعت کے احکام عمومی ہوا کرتے ہیں جو سب امراو غربا کو شامل ہوتے ہیں مگر یہاں خوشحال، سرمایہ دار اور عیش پرست طبقہ کا خصوصی تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ عام قانون فطرت یہ ہے کہ عوام اپنے سرمایہ داروں اور سرداروں کی روش و رفتار سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر وہ درست کار ہوں تو پھر سب عوام بھی ٹھیک ہوں گے اور اگر یہ خواص بدکردار ہوں تو پھر پوری قوم بدکردار و بداطوار بن جاتی ہے۔ اس طرح وہ بڑے طبقہ والے خود تو ڈوبتے ہی ہیں مگر ساتھ ہی دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں لہٰذا ہمیشہ اس طبقہ کو خیال رکھنا چاہیے کہ عیش پرستی اور شریعت کی خلاف ورزی کر کے کہیں دوسرے لوگوں کی تباہی کا باعث نہ بن جائیں اور ان کے برے اعمال کا وزر و وبال بھی ان کے کاندھوں پر نہ پڑ جائے۔

۱۷- و کم اھلکنا۔ الآیۃ

اس ارشاد قدرت کا مطلب واضح ہے کہ ہم نے اپنے اوپر بیان کردہ قانون قدرت اور آئین فطرت (قانون مکافات عمل) کے تحت جناب نوح کے بعد کئی قوموں اور امتوں کو ان کے کفر وعصیاں کی وجہ سے تباہ و برباد کیا۔ جیسے عاد و ثمود وغیرہ۔ وما کنا ظالمین۔ ان قوموں کے جرائم اور ہلاکت کی تفصیل قبل ازیں مختلف مقامات پر بیان کی جا چکی ہے۔

۱۸- من کان یرید العاجلۃ۔ الآیۃ

عاجلہ کا لفظ قرآن میں دنیا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بالمقابل لفظ آخرت ہے تو گویا دنیاوی کاموں کے نتائج دنیا میں حاصل ہوتے ہیں اور اخروی کاموں کے فوائد مرنے کے بعد دوسری زندگی میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جس کی ساری تگ و تاز اور طلب و جستجو اسی چندروزہ دنیوی زندگی کے لیے ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اس زندگی کے علاوہ دوسری دائمی زندگی کا قائل ہے اور اسی کو سنوارنے کے لیے عمل کرتا ہے۔ ان دونوں گروہوں کے بارے میں خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ جو گروہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا یا اپنے عمل کے نتیجہ کا وہاں تک انتظار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہم

بمقتضائے ربوبیت جسے جتنا دینا چاہتے ہیں یہیں دے دیتے ہیں یعنی دنیوی عطیہ ہر شخص کو اس کی مرضی کے مطابق نہیں ملتا بلکہ عالمی نظام ربوبیت کے تقاضوں کے مطابق ملتا ہے مگر آخرت میں وہ محروم رہے گا اور جو گروہ آخرت کا طلب گار ہے اور اس کے لیے ایسی کوشش بھی کرتا ہے جیسی کہ کرنی چاہیے بشرطیکہ مومن بھی ہو اس کے لیے عطا بمقتضائے عدالت ہے کہ اس کی کوشش مشکور ومقبول ہے اور اخروی کامرانی اس گروہ کا مقدر ہے۔

درس عبرت:

قارئین کرام نے غور فرمایا کہ خدا نے ایک طالب دنیا کے لیے کوئی قید وشرط نہیں لگائی مگر طالب آخرت کے لیے تین شرطیں عائد کی ہیں:

۱۔طلب صادق

۲۔اس کے حاصل کرنے کے لیے وہ کوشش بھی کرے جو کہ کرنی چاہیے یعنی واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے اپنے دامن کو بچائے اور اس کا عمل اللہ کے قرآن اور معصومین علیہم السلام کے فرمان کے مطابق ہو۔ یعنی قانون شرع کے موافق ہو بدعت اور من گھڑت نہ ہو۔

۳۔پھر طالب اہل ایمان بھی ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

یہ آیت ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو جنت میں جانے کے لیے خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں یا پھر صرف خالی تمناؤں کا سہارا لیتے رہتے ہیں۔ بہر حال جنت صرف اسے چاہنے سے نہیں ملے گی بلکہ اس کے حصول کی صحیح کوشش وکاوش کرنے پر ملے گی۔

۱۹۔کلا۔ الآیۃ

ہم سب کی امداد کرتے ہیں۔ان کی بھی اور ان کی بھی یہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں کی دنیوی امداد کا تذکرہ ہے کہ دنیوی نعمتوں کا دروازہ دیندار، دنیادار، نافرمان اور فرمانبردار سب کے لیے کھلا ہوا ہے اور سب کو سامان زیست مل رہا ہے جو جس قدر چاہے کمائے اور اپنا حصہ پائے کیونکہ لیس للانسان الا ماسعی کی صداقت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہ آپ کے پروردگار کا عطیہ ہے اور اس کی عطا کسی کے لیے ممنوع نہیں ہے، سعدی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
ہر کس و ظیفہ خود خواری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمنان نظر داری

۲۰۔ انظر کیف فصلنا۔ الآیۃ

مشاہدہ شاہد ہے کہ دنیا میں سب لوگوں کی حالت یکساں نہیں ہے اور نہ ہی سب کو سب نعمتیں یکساں ملی ہیں۔ کوئی غنی ہے، کوئی فقیر ہے، کوئی سردار ہے، کوئی غلام ہے، کوئی تندرست ہے اور کوئی بیمار ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

ارشاد ہوتا ہے کہ آخرت درجات کے اعتبار سے بھی سب سے بڑی ہے اور فضیلت کے لحاظ سے بھی بہت بڑی ہے۔ یعنی جو فرق مراتب وہاں ہوگا وہ یہاں کے فرق مراتب سے کئی گنا زیادہ ہوگا یہاں تک کہ بعض اخبار میں وارد ہے کہ ان مابین اعلا درجات الجنۃ و اسفلھا مثل ما بین السما والارض کہ جنت کے اعلیٰ اور ادنی درجات میں آسمان وزمین کے درمیانی فاصلہ جتنا ہوگا (مجمع البیان) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا لا تقولن الجنۃ واحدۃ ان اللہ یقول و من دونھما جنتان ولا تقولن درجۃ واحدۃ ان اللہ یقول درجات بعضھا فوق بعض۔ یہ مت کہو کہ جنت ایک ہے جبکہ اللہ فرماتا ہے کہ ان دو جنتوں کے علاوہ دو اور جنتیں ہیں اور یہ مت کہو کہ جنت کا درجہ ایک ہے جبکہ خدا فرماتا ہے کہ اس کے بعض درجے دوسرے بعض کے اوپر ہیں (تفسیر صافی) ظاہر ہے کہ درجات ومراتب کا یہ اختلاف اہل جنت کے عقل وایمان اور اعمال کے درجات کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔ ان الثواب علی قدر العقل (اصول کافی)

۲۱۔ لا تجعل مع اللہ۔ الآیۃ

اگرچہ بظاہر یہ خطاب پیغمبر اسلام کو ہے مگر مراد آپ کی امت ہے یا پھر یہاں ہر انسان مخاطب ہے (تفسیر قمی وصافی) مطلب صاف ہے کہ خدا کو اس کی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں واحد لاشریک مانو کیونکہ ان چاروں چیزوں میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اس کے بعد اس شریک سازی کا انجام بد بیان فرمایا ہے کہ اگر اس کا شریک قرار دیا تو بروز قیامت ملامت زدہ اور بے یار ومددگار ہو کر رہ جاؤ گے اور تمہارے مزعومہ شرکا اس مشکل وقت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر

سکیں گے بلکہ وہ تم پر تبرا کریں گے اور تم ان پر تبرا کرو گے۔(اذ تبرأ الذین اتبعوا الآیۃ)

آیات القرآن

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے تک پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو۔ اور ان سے احترام کے ساتھ بات کرو(۲۳)۔اور ان کے سامنے مہر و مہربانی کے ساتھ انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور کہو اے

پروردگار تو ان دونوں پر اسی طرح رحم وکرم فرما جس طرح انہوں نے مرے بچپنے میں مجھے پالا (اور میری پرورش کی) (۲۴) تمہارا پروردگار بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم صالح اور نیک کردار ہوئے تو وہ توبہ وانابہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے(۲۵) اور (دیکھو) قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دے دو اور مسکین و مسافر کو بھی اور (خبردار) فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں(۲۶) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے(۲۷) اور اگر تمہیں ان لوگوں سے پہلو تہی کرنی پڑے اس انتظار میں کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رحمت (کشائش) آئے جس کے تم امیدوار ہو تو ان سے نرم انداز میں بات کرو(۲۸) اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اسے بالکل کھول دو کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ (اور) تہی دست ہو کر بیٹھ جاؤ گے(۲۹) تمہارا پروردگار جس کسی کی چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے حال سے بڑا باخبر ہے اور بڑا نگاہ رکھنے والا ہے۔

تشریح الالفاظ

۱۔اوابین۔ یہ اواب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں توبہ کرنے والا۔

۲۔ان المبذرین یہ تبذیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فضول خرچی کرنا۔

۳۔کفورا۔اس کے معنی ہیں بڑا کفران نعمت کرنے والا۔

تفسیر الآیات

-۲۲ وقضی ربك الا تعبدوا۔ الآیة

والدین اور دوسرے رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم

قبل ازیں متعدد مقامات پر بالخصوص تفسیر کی دوسری جلد سورہ نساء کی آیت ۲۶ واعبدوا اللہ ولا

تشرکوا بہ شئیا وبالوالدین احسانا و ذی القربی والیتامی والمساکین ۔ الآیۃ، کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ والدین، قرابتداروں، یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کے حقوق کا بیان اور ان کی پاسداری کرنے کی فضیلت واہمیت کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور یہاں چونکہ والدین کے ادب واحترام کا تذکرہ بڑے تزک واحتشام سے کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی یہاں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی و بھلائی کرنے کی اس سے بڑھ کر اور کس طرح اہمیت اجاگر کی جاسکتی ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ نیکی و بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی تمہارے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس (اللہ) کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یعنی نہ صرف یہ کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ بلکہ اس کے سوا کسی کی بھی بندگی وغلامی اور بے چوں و چرا اطاعت نہ کرو مگر جس کی اطاعت کا وہ خود حکم دے کیونکہ جب ملک اسی کا ہے تو پھر قانون بھی اسی کا ہوگا جو کہ شریعت اسلامیہ کی صورت میں موجود ہے اور نیکی اور بھلائی والدین کے ساتھ کرو۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے بعد تمام انسانوں میں سے والدین کا حق مقدم ہے۔ اسی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر ماں باپ سے بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خدا کی عبادت تو کرے مگر والدین کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عبادت قبول نہیں ہے (خصال شیخ صدوق) اسی طرح خدا نے سورلقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکریہ ادا کرنے کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ ان اشکر لی ولوالدیك (میرا شکریہ ادا کر اور اپنے ماں باپ کا بھی) الغرض اسلام نے ماں باپ کو وہ مقام دیا ہے جس کی دوسرے ادیان عالم میں مثال نہیں ملتی۔ ہاں البتہ جو کچھ اس مقام پر بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو۔ ابوولاد حناط بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس احسان سے کیا مراد ہے جس کا خدا نے والدین کے ساتھ کرنے کا اولاد کو حکم دیا ہے؟ فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی صحبت اور ہم نشینی کو عمدہ بناؤ اور جس چیز کی انہیں ضرورت ہو وہ بغیر مانگے مہیا کرو اور اگر وہ مالدار بھی ہوں تو بھی ان کا خیال رکھو۔ (اصول کافی، نور الثقلین)

۲۔ اگر تمہاری زندگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی منزل تک پہنچ جائیں اور کچھ بڑھاپے کی وجہ سے اور کچھ بیماری کی وجہ سے روزی نہ کما سکیں اور پھر کبرسنی کی وجہ سے غصہ میں بڑھ جائیں اور تمہاری ہر بات میں دخل دیں اور خفا بھی ہو جائیں تو بھی تنگ آ کر زبان سے ''اف'' بھی نہ کہنا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عربی زبان کی وسعت کے باوجود اف سے زیادہ خفیف کوئی کلمہ موجود نہیں ہے

ورنہ خدا وہی استعمال کرتا (تفسیر مجمع البیان) مطلب یہ ہے کہ انہیں ادنیٰ سی بھی اذیت نہ پہنچاؤ۔

۳۔ ان کو جھڑکی مت دو۔ بلکہ ان کی طرف قہرآلود نگاہوں سے بھی نہ دیکھو کیونکہ یہ عقوق کا کمترین درجہ ہے (نور الثقلین) بلکہ مہر و محبت کی نگاہ سے ان کی طرف دیکھو کہ یہ خدا کی عبادت ہے (کتاب الخصال)۔

۴۔ ان کے سامنے مہر و مہربانی کے ساتھ عاجزی و انکساری کا پہلو جھکائے رکھو۔ یہ انتہائی تواضع و انکسار سے استعارہ ہے۔

۵۔ وہ اپنے مزاج کی چڑچڑاہٹ، بڑھاپے کی اکتاہٹ اور بیماری کی تھکاوٹ کی وجہ سے کبھی تمہیں برا بھلا بھی کہیں تو تم یوں دعا کرو رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا، اے میرے پروردگار ان دونوں پر اس طرح اپنا خاص رحم و کرم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں بڑی شفقت و پیار سے مجھے پالا پوسا ہے اور میری پرورش کی ہے۔

۶۔ جب بھی ماں باپ سے بات کرو تو بڑے ادب و احترام کے ساتھ کرو اور کبھی سخت و کرخت لب و لہجہ میں ان سے بات نہ کرو۔ مبادا وہ کبیدہ خاطر ہو جائیں۔ ایک دوسرے مقام پر وارد ہے کہ اگر تمہارے والدین کافر و مشرک بھی ہوں تو پھر بھی دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ہاں البتہ وہ جب خلاف شرع کوئی حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، کہ جہاں خدا کی نافرمانی لازم آئے وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے (نہج البلاغہ) یہی وجہ ہے کہ والدین کے عقوق (نافرمانی) کو نہ صرف گناہ کبیرہ میں بلکہ شرک کے ساتھ ساتھ اکبر الکبائر میں سے شمار کیا گیا ہے (جامع السعادات) اور عقوق کو ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے عاق کا جنت میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا ہے (مجمع البیان)۔

۲۳۔ ربکم اعلم بما ۔ الآیۃ

اس آیت کا عام ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ خدا جس طرح تمہارے ظاہری افعال و اقوال کو جانتا ہے اسی طرح تمہاری اندرونی نیتوں سے بھی واقف ہے اور بنابریں ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا و سزا دے گا اور جو گناہ کر کے توبہ کر لے تو خدا اسے معاف کر دے گا مگر چونکہ یہ آیت سابقہ آیت سے مربوط اور متعلق ہے بنابریں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے دلوں میں والدین کے بارے میں اطاعت یا نفرت کے جو جذبات موجود ہیں اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تم والدین کی صرف ظاہری تکریم و تعظیم پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ دل و جان سے ان کا احترام کرو۔ لہٰذا اگر شیطان تمہیں والدین کی احسان ناشناسی اور ناشکری پر آمادہ کرتا ہے تو اس کی اس انگیخت

سے خدا کی پناہ مانگو اور صدق نیت سے توبہ کرلو اور والدین کی خدمت کرو۔ خدا سابقہ کوتاہی معاف کردے گا۔

نیز اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ کئی ایسی سعادت مند اولادیں بھی ہوتی ہیں کہ باوجودیکہ وہ والدین سے ہر قسم کا نیک برتاؤ برتتے ہیں اور بھلائی و مروت سے پیش آتے ہیں مگر پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں نادانستہ طور پر ان کے ادب واحترام میں کچھ کوتاہی نہ ہوگئی ہو تو خدا تسلی دے رہا ہے کہ وہ دلوں کے حال سے آگاہ ہے کہ تم نے بالارادہ ان کی توہین نہیں کی اور اگر پھر بھی کچھ فروگذاشت ہوگئی ہے تو توبہ کرلو۔ خدا بڑا معاف کرنے والا ہے۔

اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین کبرسنی، مزاج کی چڑچڑاہٹ یا کسی کی لگائی بجھائی کرنے سے بالکل بے جا اور ناحق طور پر اولاد سے خفا ہوجاتے ہیں۔ اولاد ان کو راضی کرنے کی ہزار کوشش کرے مگر وہ راضی ہونے کا نام بھی نہیں لیتے۔ جس کی وجہ سے بے چاری اولاد پریشان ہوتی ہے تو خدائے رحیم ایسی اولاد کو اطمینان دلا رہا ہے کہ اگر تمہارا ضمیر مطمئن ہے اور تمہاری رفتار درست ہے اور تمہارے ماں باپ بلاوجہ تم سے ناراض ہیں تو خدا تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔

والدین کو نصیحت

ہم اس مقام پر یہ کہنا بھی نہ صرف مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں کہ والدین کو بھی چاہیے کہ اپنی غلط روش و رفتار اور بعض اولاد کے ساتھ ترجیحی سلوک کرکے اپنی دوسری اولاد کو عاق ہونے پر آمادہ نہ کریں اور ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھیں کہ جس طرح والدین کے اپنی اولاد پر کچھ حقوق ہیں (بے شک جو بہت زیادہ ہیں) اسی طرح اولاد کے بھی والدین پر کچھ حقوق ہیں (اگرچہ کم ہیں) لہٰذا جس طرح اولاد دیدہ دانستہ طور پر والدین کے حقوق ادا نہ کرے تو وہ عاق قرار پاتی ہے۔ اسی طرح والدین کو بھی یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اگر وہ اولاد کے حقوق ادا نہیں کریں گے تو وہ اولاد کے عاق متصور ہوں گے جیسا کہ متعدد حدیثوں میں پیغمبر اسلام اور آئمہ طاہرین سے مروی ہے فرمایا: یلزم الوالدین من العقوق لاولادھما اذا کان الولد صالحا ما یلزم الولد لھما (کہ ماں باپ بھی اسی طرح اپنی اولاد کے عاق ہوتے ہیں جبکہ اولاد نیک ہو جس طرح اولاد والدین کی عاق ہوتی ہے) (کتاب الخصال، تفسیر، البرہان و نورالثقلین)۔

۲۴۔ وآت ذا القربی حقه۔ الآیة

جن لوگوں کی اسلامی تعلیمات پر گہری نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام مال و دولت جمع کرنے کی مطلقا ممانعت نہیں کرتا۔ البتہ وہ اس سلسلہ میں دو پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ایک مال کماتے وقت کہ حلال اور جائز

طریقہ سے حاصل کیا جائے اور دوسرا مال خرچ کرنے پر کہ اسے جائز مصرف میں صرف کیا جائے اور جن کے مالی حقوق مالداروں پر واجب ہیں وہ انہیں اپنا فرض سمجھ کر ادا کریں۔ چنانچہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور مہر ومحبت کے ساتھ ان سے پیش آنے کے حکم کے بعد اب دوسرے مستحقین کا تزکرہ کیا جارہا ہے جو یہ ہیں:

۱۔قرابتدار۔

۲۔مساکین۔

۳۔مسافرین۔

لہٰذا آن سب کے مالی حقوق کی ادائیگی شرعاً واجب ولازم ہے اوران تینوں طبقوں کی وضاحت اوران کے مالی حقوق کی صراحت قبل ازیں سورہ نساء کی آیت ۲۶ **واعبدو اللہ ولا تشرکو بہ شیئا و بالوالدین احسانا و لذی القربی۔ الآیۃ۔** کی تفسیر میں کردی گئی ہے۔

ایک اختلافی مسئلہ کی تنقیح

عام طور پر تو اس آیت سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ہر شخص کے اپنے رشتہ دار مراد ہیں جن سے صلہ رحمی کرنا شرعاً حددرجہ مرغوب ومطلوب ہے۔اسی طرح مسکین سے ہر وہ مسکین مرادلیا جاتا ہے جو کہ سال بھر کے اخراجات نہ رکھتا ہواور مسافر سے ہر وہ مسافر مرادلیا جاتا ہے جو کسی وجہ سے سفر کی حالت میں محتاج ہو جائے۔

مگر فریقین کی کتابوں میں بعض ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ذی القربیٰ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خصوصی قرابتدار مراد ہیں۔ چنانچہ فاضل طبرسی نے برادران اسلامی کے مفسر سدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **ان المراد بذی القربی قرابۃ الرسول** کہ ذی القربیٰ سے رسول خدا کے قرابتدار مراد ہیں (مجمع البیان) اور ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے فرمایا: **ھم قرابۃ رسول اللہ... امر صلی اللہ... باعطاءھم حقوقھم من بیت المال** (اس سے پیغمبر اسلام کے خصوصی قرابتدار مراد ہیں جن کے بیت المال سے مالی حقوق ادا کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے (تفسیر اندلسی) اور جناب ابوبکر المغافری المالکی کتاب احکام القرآن میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"و یدخل فی ذی القربی قرابۃ الرسول دخولا متقدما و بطریق اولی من جھۃ ان الایہ للقرابۃ الا دنین بالرجل فاما قرابۃ

رسول الله فقدا بأن الله علی الاختصاص حقهم و اخبر ان محبتهم هی اجرة النبی علی هداهٰ لنا"

ذی القربی میں پیغمبر اسلام کے خصوصی قرابتدار سب سے پہلے اور بطریق اولی داخل ہیں جن کے حقوق خدا نے خصوصی طور پر ظاہر فرمائے ہیں اور بتایا کہ ان کی محبت پیغمبر اسلام کی اس زحمت کی اجرت ہے جو انہوں نے ہمیں راہ ہدایت دکھانے میں برداشت فرمائی ہے (بحوالہ تفسیر الکاشف)۔

فدک کا مختصر تذکرہ

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۱۷۷ طبع مصر پر لکھتے ہیں:

اخرج البزاز وابو یعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویه عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال لما نزلت هذه الآیة و ات ذی القربی حقه دعا رسول الله صلی الله و علیه سلم فاطمة فاعطاها فدك و اخرج ابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لما نزلت و ات ذی القربی حقه اقطع رسول الله فاطمة فدکا۔

دونوں روایتوں کا جو بروایت بزار، ابویعلی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ ابوسعید خدری اور ابن عباس سے مروی ہیں مفہوم یہ ہے کہ جب آیت وات ذی القربی حقہ نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلا کر جاگیر فدک ان کے نام لکھ دی (کذافی تفسیر مجمع البیان، ج ۴ ص ۴۳۶) پیغمبر اسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد مخدومہ کائنات کی اس جاگیر کو کس طرح غصب کیا گیا؟ بی بی نے کس طرح اس کی بازیابی کا مطالبہ کیا اور وہ کس طرح مسترد ہوا اور اس واقعہ کا نبی زادی پر کیا اثر ہوا؟ اس داستان خونچکاں کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب تجلیات صداقت کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں ان کے نقل کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی مناسب ہے ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی

خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

باقی رہا اس روایت پر یہ ایراد کہ یہ سورہ مکی ہے اور فدک وخیبر ہجرت کے کئی سال بعد فتح ہوئے ہیں تو اس ایراد کا جواب بالکل واضح ہے کہ ہم کئی بار کتب فریقین کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ بعض مکی سورتوں میں بعض مدنی آیتیں پائی جاتی ہیں اور بعض مدنی سورتوں میں بعض مکی آیتیں پائی جاتی ہیں۔لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہ آیت مدنی ہو اور کسی وجہ سے مکی سورہ میں داخل ہوگئی ہو۔(ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی، ص ۲ حاشیہ نمبر ۳ طبع لاہور)

۲۵-ولا تبذر۔ الآیۃ

تبذیر کا مفہوم اور اس کی ممانعت

برمحل مال صرف کرنے کا حکم دینے کے بعد اب یہاں بے محل اور بے جا خرچ کرنے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ہم قبل ازیں تفسیر کی تیسری جلد یعنی سورہ اعراف کی آیت ۳۱ **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** کی تفسیر میں اسلام کی اس حکیمانہ تعلیم پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں کہ وہ کس طرح اسراف وتبذیر کی ممانعت کر کے میانہ روی اختیار کرنے کی معقول تاکید کرتا ہے اور وہیں اسراف اور تبذیر میں محققین نے جو باریک فرق بیان کیا ہے اسکی بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ جہاں پیسہ خرچ کرنا چاہیے جیسے خورد ونوش اور خوشی اور غمی وغیرہ وہاں برمحل رقم خرچ کرنے کو جبکہ حد اعتدال سے زیادہ خرچ کی جائے اسراف کہا جاتا ہے اور جہاں رقم خرچ کرنا عقلاً اور شرعاً ممنوع ہو جیسے زنا کاری، شراب خواری، بدمعاشی اور عیاشی وغیرہ وہاں بے جا روپیہ صرف کرنے کو تبذیر کہا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسراف کرنے والوں کے بارے میں خدا نے لایحب المسرفین فرمایا ہے کہ خدا اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اور تبذیر کرنے والوں کو اخوان الشیاطین قرار دیا ہے۔ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔

۲۶-واما تعرضن۔ الآیۃ

سابقہ آیت میں جن لوگوں سے حسن سلوک کرنے اور ان کی ضروریات زندگی پورے کرنے کا حکم دیا گیا تھا یعنی قرابتدار، فقراء اور مساکین وغیرہ اب انہی کے بارے میں یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر کسی وقت تم تہی دست ہو جاؤ اور ان لوگوں کی حاجت برآری نہ کر سکو تو انہیں دل شکن اور تلخ لہجے میں جواب نہ دو بلکہ نرم و ملائم انداز میں جواب دو مثلاً یہ کہ اس وقت ذرا تنگدستی ہے جب اللہ کشائش عطا فرمائے گا تو آپ کی خدمت کی جائے گی۔

۲۷ ولا تجعل یدك۔ الآیۃ

اسلام ہر معاملہ میں اعتدال کا علمبردار ہے

اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ وہ دینی اور دنیوی زندگی میں یعنی عقیدہ ہو یا عمل اخلاق ہوں یا اطوار، غنا ہو یا فقر، قہر ہو یا رضا، شادی ہو یا غم، الغرض وہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں افراط وتفریط سے دامن بچانے اور اعتدال و میانہ روی کا دامن تھامنے کی انسان کو تلقین کرتا ہے اور کسی حال میں بھی اعتدال کا دامن چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اسی اصول کے مطابق انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں اسی اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ نہ تو بالکل اپنے ہاتھ کو اپنی گردن میں باندھ لو کہ اس طرح کنجوس بن جاؤ کہ جہاں روپیہ خرچ کرنا چاہیے وہاں بھی خرچ نہ کرو اور نہ اسی طرح بالکل ہاتھ کھول دو کہ جو کچھ پاس ہے وہ سب خرچ کر دو اور پھر خود ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بس خیر الامور اوسطہا پر عمل کرو ؎

عدل در قہر و رضا از کف مدہ
قصد در فقر و غنا از کف مدہ

۲۸- ان ربك يبسط الرزق۔ الآية

اس آیت شریفہ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اگرچہ رزق کی کشائش اور اس کی تنگی میں انسان کی سعی وکوشش اور اس کی سہل انگاری وسستی کو نیز اس کی شکر گذاری اور ناشکرے پن کو بھی ضرور دخل ہے مگر انسانی تدبیر سے زیادہ اس میں خدا کی تقدیر کا بھی دخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ع

تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے

یعنی اس کا زیادہ تر دارومدار خدا کی حکمت ومشیت پر ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے زیادہ آگاہ اور ان پر نگہبان ہے

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

بے شک انسان کو کسب معاش میں اپنی سعی وکوشش ضرور کرنی چاہیے اور پھر نتیجہ خدا کے سپرد کرنا چاہیے اور آدمی کو کسی حال میں بھی راضی برضا، خدا رہنے کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ان اللہ بصیر بالعباد۔ اگرچہ خالق حکیم نے روزی میں کمی وزیادتی کا جو فرق رکھا ہے اس میں بے شمار مصالح ہیں جنہیں انسان نہیں سمجھ سکتا لہٰذا انتظام قدرت میں دخل اندازی کرنا اور سب کی مساوات وبرابری کے خواب دیکھنا قانونِ قدرت و فطرت سے ٹکر لینے کے مترادف ہے اور ایسا کرنے والوں کے لیے۔ ع

سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

آیات القرآن

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ‌ ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِـوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفْ فِّى الۡقَتۡلِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ۖ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقۡفُ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۤـئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا‌ ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰ لِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنۡدَ رَبِّكَ مَكۡرُوۡهًا ﴿۳۸﴾ ذٰ لِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ‌ ؕ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰى فِىۡ جَهَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصۡفٰٮكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنَاثًا‌ ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی انہیں اور تمہیں روزی دیتے ہیں۔ بے شک انہیں قتل کرنا بڑا جرم ہے(۳۱)اور زنا کاری کے قریب بھی نہ جاؤ یقیناً وہ بہت بڑی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے(۳۲)اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کا) اختیار دے دیا ہے۔ پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے۔ ضرور اس کی مدد کی جائے گی (۳۳)اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے احسن طریقہ کے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کے سن و سال (جوانی) تک پہنچ جائے اور (اپنے عہد) کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی (۳۴)اور جب ناپو تو لو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور جب تولو تو صحیح ترازو سے تولو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے(۳۵)اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑو یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں (تم سے) باز پرس کی جائے گی۔(۳۶)اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چلو کیونکہ تم (اس طرح چلنے سے) نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو(۳۷)ان سب باتوں میں سے ہر بری بات اللہ کو سخت ناپسند ہے (۳۸) یہ سب باتیں حکمت و دانائی کی ان باتوں میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی ہیں۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ (خدا) قرار نہ دو ورنہ اس حال میں جہنم میں ڈالے جاؤ گے کہ تم ملامت زدہ اور راندہ بارگاہ ہوگے(۳۹) کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو بیٹوں کے لیے منتخب کر لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ اس میں شک نہیں ہے کہ تم بڑی سخت بات کہتے ہو(۴۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔املاق۔املق کے معنی مفلس ہونے کے ہیں۔

۲۔اشدہ۔اس سے بلوغت اور جوانی مراد ہے۔

۳۔القسطاس کے معنی ترازو کے ہیں۔

۴۔لاتقف،قفا یقفو کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا اور کسی چیز کے پیچھے پڑنا۔

تفسیر الآیات

۲۹-ولا تقتلوا اولاد کم۔الآیۃ

فقر و فاقہ کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت

اسی قسم کی آیت سورہ انعام نمبر ۱۵۱ میں گذر چکی ہے لا تقتلوا اولاد کم من املاق نحن نرزقکم و ایاھم۔ الآیۃ اور وہیں اس جاہلی رسم کی خرابی پر تفصیل سے تبصرہ کیا جا چکا ہے۔اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔مگر افسوس کہ جس طرح جاہلیت قدیم میں یہ رسم بد جاری تھی آج اس جاہلیت جدید میں بھی بڑے شد و مد سے جاری ہے۔صرف نام اور طریقہ کار بدل دیا گیا ہے۔آج کل یہ کام اسقاط حمل یا برتھ کنٹرول کے نام سے انجام دیا جا رہا ہے اور عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ زمین میں اب افزائش نسل کی گنجائش نہیں اور معاشی نظام اس کا متحمل نہیں ہے،حالانکہ اگر یہ لوگ ضبط تولید کی بجائے معاشی ذرائع کے بڑھانے پر توجہ دیتے تو اس رسم بد سے چھٹکارا مل جاتا۔یہ لوگ خاص طور پر مسلمان کہلانے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ کام نظام ہستی چلانے والے سے متعلق ہے۔ان سے متعلق نہیں ہے۔وہ بہتر جانتا ہے کہ زمین میں کتنے افراد کی گنجائش ہے اور کتنے لوگوں کی روزی رسانی کا وہ انتظام کر سکتا ہے؟ وہ بہتر جانتا ہے کہ کتنے نئے قافلے اس سرائے فانی میں بھیجنے ہیں اور کتنے آئے ہوئے قافلوں کو اپنی بارگاہ میں بلانا ہے؟ ع

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

۳۰-ولا تقربوا الزنی۔الآیۃ

زناکاری کی تباہ کاریاں

خدائے علیم و حکیم نے اس قبیح فعل کو ''فاحشۃ''یعنی بڑی بے حیائی کا کام اور ''ساء سبیلا''یعنی بہت بڑا برا راستہ قرار دیتے ہوئے اس کے قریب جانے کی بھی قرآن مجید میں مناہی فرمائی گئی ہے۔یعنی زنا کے ان مقدمات

کے بھی نزدیک نہ جاؤ جن سے اس فعل شنیع کی دل ودماغ میں تحریک پیدا ہوتی ہے جیسے نگاہ بد، مرد وزن کا باہمی اختلاط دست درازی اور بوس وکنار وغیرہ وغیرہ۔ اس فعل قبیح کے تمام نتائج وعواقب کا احصار تو بہت مشکل ہے البتہ بڑے اختصار کے ساتھ اس کی چند تباہ کاریوں کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ زنا کاری سے نسل ونسب کا سلسلہ تباہ ہوکر رہ جاتا ہے جس کی حفاظت ہر دین وشریعت کا بنیادی مقصد ہے۔

۲۔ اس کی وجہ سے ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں جو باپ کی شفقت اور اس کی تربیت سے محروم ہونے کی وجہ سے خود بھی برباد ہوتے ہیں اور معاشرہ کو بھی برباد کرتے ہیں۔

۳۔ اس سے بعض پوشیدہ اور ایڈز جیسے پیچیدہ امراض پیدا ہوتے ہیں جو نہ صرف صحت کا بلکہ زندگی کا بھی خاتمہ کردیتے ہیں۔

۴۔ اس کے مضر اثرات جانبین کے خاندان تک سرایت کرجاتے ہیں جس سے دونوں خاندانوں کی عزت وآبرو خراب وبرباد ہوتی ہے۔

۵۔ چونکہ اس فعل سے ان لوگوں کے جذبہ غیرت کو چیلنج کیا جاتا ہے جن کی عزت وناموس پر حملہ کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ کشت وخون کی صورت میں نکلتا ہے۔

۶۔ اس سے چہرہ کی رونق اور آبرو ختم ہوجاتی ہے۔

۷۔ یہ فعل قبیح فقر وفاقہ اور تنگدستی کا موجب ہے۔

۸۔ اس سے عمر کم ہوتی ہے۔

۹۔ یہ فعل بد خدا کی ناراضی کا باعث ہے۔

۱۰۔ یہ فعل قبیح خلود فی النار کا موجب ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ

۳۱۔ ولا تقتلوا النفس۔ الآیۃ

اس قسم کی ایک آیت سورہ مائدہ میں نمبر ۳۲ پر گزر چکی ہے "من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا" اس آیت کی تفسیر میں ہم بڑی تفصیل سے کسی بھی نفس محترم کے ناحق قتل پر تفصیل سے گفتگو کرچکے ہیں اور اس کی تباہ کاریوں پر تبصرہ کرچکے ہیں۔ لہٰذا اس گناہ کبیرہ کے مضمرات ونقصانات معلوم کرنے کے لیے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۲۔ ومن قتل مظلوما۔ الآیۃ

ارشاد قدرت ہے کہ جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی و وارث کو یہ اختیار دیا ہے کہ حاکم شرع سے قصاص کا مطالبہ کرے ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب پر عمل درامد کرے یا دیت لے لے یا پھر معاف کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کی خدا و خلق کی جانب سے مدد کی جائے گی مگر وہ خیال رکھے کہ جان لینے میں حد سے آگے نہ بڑھے جس طرح جاہلیت کے دور میں ہوتا تھا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی بڑا آدمی کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قصاص میں قاتل کے قبیلہ کے کسی بڑے آدمی کو قتل کیا جاتا تھا اور اصل قاتل کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یا پھر کسی بڑے آدمی کے قتل کے بدلہ میں ایک آدمی کا قتل کافی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے عوض کئی آدمیوں کو قتل کیا جاتا مگر اسلام نے اس بات کی سختی سے ممانعت کی ہے کیونکہ اس کے عادلانہ نظام میں اس دھاندلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳۳- ولا تقربوا مال الیتیم۔ الآیۃ

یہی آیت سورہ انعام میں نمبر ۱۵۲ پر گذر چکی ہے **ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ** اور اس کی وہیں مکمل تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۴- و اوفوا بالعھد۔ الآیۃ

قبل ازیں سورہ مائدہ کی پہلی آیت یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود اور سورہ نحل کی آیت ۹۱ **و اوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم الآیۃ** کی تفسیر میں ایفائے عہد کی پابندی کے وجوب پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ خواہ خدا سے کیا جائے یا کسی مخلوق سے یا کسی فرد سے کیا جائے یا کسی جماعت سے بہر حال اس کی ایفا قانوناً، شرعاً اور اخلاقاً واجب و لازم ہے۔ ان العہد کان مسئولا۔

۳۵- و اوفوا الکیل۔ الآیۃ

اس قسم کی ایک آیت قبل ازیں سورہ انعام میں نمبر ۱۵۲ پر گذر چکی ہے۔ و اوفوا الکیل والمیزان بالقسط اور اسی مقام پر پورا پورا ناپنے اور صحیح ترازو سے تولنے اور پورا سودا دینے اور لین دین میں ہیرا پھیری نہ کرنے کے اسلامی عادلانہ احکام پر مفصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام تھوڑی سی زحمت برداشت کر کے اس مقام کی طرف رجوع کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

۳۶- ولا تقف ما لیس۔ الآیۃ

قفا یقفو قفوا کے معنی لغت میں کسی کے نقش پا کی پیروی کرنے کے ہیں (المنجد وغیرہ) بنا بریں اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ عقائد ہوں یا اعمال دونوں میں بالعموم اور اصول عقائد میں بالخصوص علم و یقین کی پیروی ضروری ہے۔ظن و تخمین کی پیروی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے کئی مقامات پر ظن و تخمین کے اتباع کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

ان یتبعون الا الظن و ان ھم الا یخرصون (انعام: ۱۱۷)

یہ لوگ صرف ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں اور یہ تو بس اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (یونس: ۳۶)

ظن و تخمین حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

اسی طرح بات وہی کرنی چاہیے جس کا علم و یقین ہو۔لہٰذا علم کے بغیر کوئی بات نہیں کہنی چاہیے۔حضرت امیر علیہ السلام جناب امام حسن علیہ السلام کے نام وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

یا بنی لا تقل ما لا تعلم بل لا تقل کلما تعلم

بیٹا! جس چیز کا علم نہ ہو وہ بات نہ کہہ۔ بلکہ ہر وہ بات بھی نہ کہہ جس کا علم ہے۔

(کیونکہ لیس کلما یعلم یقال) (نہج البلاغہ)۔اسی طرح علم کے بغیر کوئی بات تسلیم بھی نہیں کرنی چاہیے اور علم و یقین حاصل کیے بغیر کسی کے خلاف کوئی اقدام بھی نہیں کرنا چاہیے۔ارشاد قدرت ہے: ان جائکم فاسق بنباء فتبینوا۔ الآیۃ اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی جانچ پڑتال کر لیا کرو۔مبادا کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر کفِ افسوس ملنا پڑے۔

انہی حقائق کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جو شخص خود تحقیق کرنے اور اپنے مصادر سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے لیے تقلید جائز نہیں ہے۔الغرض اس ظلمت کدہ ہستی میں علم و یقین کا چراغ ہاتھ میں لے کر زندگی کے مراحل کو طے کرنا چاہیے۔ظن و تخمین کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے قیاس ورائے یا استحسان اور مصالح مرسلہ پر عمل کرنے کا عدم جواز بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کیونکہ ان ذرائع سے صرف وہم و گمان حاصل ہوتا ہے اور وہ شرعاً صحیح نہیں ہے۔الغرض قیامت کے دن انسان سے پوچھا جائے گا کہ کانوں سے سنا کیا تھا؟ آنکھوں سے دیکھا کیا تھا؟ اور دل و دماغ سے سوچا کیا تھا؟ حضرت امام زین العابدین

علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہیں نہ اپنی مرضی سے بولنے کا حق نہ اپنی مرضی سے سننے اور دیکھنے کا کیونکہ ارشاد قدرت ہے: ان السمع والبصر۔ال آیۃ (علل الشرائع، تفسیر صافی)

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ ان آیتوں میں نہی بصیغہ مفرد وارد ہوئی ہے جس کی وجہ سے کچھ کوتاہ اندیشوں نے اس کا مخاطب حضرت رسول خدا کو سمجھا ہے۔ حالانکہ یہ تمام مکلفین کو شامل ہے اور ہر شخص اس کا مخاطب ہے۔ صرف تنوع کے طور پر جمع کی بجائے مفرد کا صیغہ لایا گیا ہے۔

۳۷۔ان السمع والبصر۔ الآیۃ

ان اعضاء کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ ان سے باز پرس کی جائے گی کیونکہ یہی اعضاء انسان کے لیے علم و معرفت حاصل کرنے کے ذرائع ہیں جیسا کہ قبل ازیں سورۂ نحل آیت ۷۸ **واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا و جعل لکم السمع والبصر الآیۃ**۔ کی تفسیر میں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اگر مکمل تحقیق کیے بغیر ہر سنی سنائی، ہر دیکھی ہوئی اور دل میں ہر آئی ہوئی بات پر عمل درآمد کیا گیا اور اس پر اثر بھی مرتب کیا گیا تو جہاں ان نعمتوں کی ناشکری ہوگی وہاں ان کے بارے میں باز پرس بھی ہوگی۔

۳۸۔ولا تمش فی الارض۔ الآیۃ

زمین پر متکبرانہ چال چلنے کی ممانعت

مرح کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہیں۔ خدائے حکیم اس آیت میں انسان کو متکبرانہ چال چلنے کی ممانعت کرتے ہوئے تواضع و فروتنی اختیار کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ جو شخص زمین پر پاؤں مارتا ہوا اور گردن کو بلند کرکے متکبرانہ چال چلتا ہے اسے سوچنا چاہیے کہ وہ ایسی چال چل کر یا زمین کو پھاڑ سکے گا؟ یا وہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکے گا؟ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا اور یقیناً نہیں کر سکتا تو پھر اکڑ کر اور اترا کر چلنے کے کیا معنی ہیں؟ جبکہ اس کی حیثیت اس وسیع و عریض زمین میں صرف ایک چیونٹی کی بھی نہیں ہے اور ان فلک بوس پہاڑوں کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ایک گلہری کی بھی نہیں ہے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کو پہچانے اور خدا کی عظمت و جلالت کے سامنے عاجزی و فروتنی کے ساتھ چلے جیسا کہ خداوند عالم اپنے خاص بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے **و عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض** ہونا کہ اللہ کے خاص بندے زمین پر تواضع کے ساتھ

چلتے ہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں ما للانسان وللتکبر انسان کو تکبر و بڑائی سے کیا تعلق ہے جس کا آغاز اس نطفۂ گندیدہ سے ہے کہ ایک قطرہ خارج ہو جائے تو غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد اس کے جسم کو ہاتھ لگ جائے تو غسل مس میت واجب ہو جاتا ہے اور کمزور و ناتواں اتنا ہے کہ نہ اپنے نفع کا مالک ہے اور نہ نقصان کا اور نہ اپنی موت کا مالک ہے اور نہ حیات کا اور نہ دوبارہ زندہ ہونے کا۔ (نہج البلاغہ)

۳۹۔ کل ذلك ۔ الآیة

آیت ۲۲ ولا تجعل مع اللہ الھاً آخر سے لے کر یہاں آیت ۳۷ تک سولہ آیتوں میں جو پچیس مذموم خصلتیں بیان کی گئی ہیں جو بقول ابن عباس پوری سورہ کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں (تفسیر صافی و مظہری) ان سب منہیات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ خدا کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ لفظ مکروہ کا یہاں فقہی مفہوم مراد نہیں ہے۔ جو حرام کے بالمقابل ہے بلکہ یہاں اس کے وہ معنی مراد ہیں (مبغوض) جو حرام کو بھی شامل ہے۔ الغرض یہ قابل نفرت باتیں ہیں جن سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۴۰۔ ذلك مما اوحی ۔ الآیة

اوپر جو احکام بیان کیے گئے ہیں اور مثبت و منفی رنگ میں جو ہدایات دی گئی ہیں یہ اس خدائی حکمت و دانش کا حصہ ہیں جو خدا نے وحی کے ذریعہ سے ایک طرف بھیجی ہیں جن کی عقل، فطرت اور شریعت میں بنیادیں بڑی مضبوط ہیں اور یہ بڑی ٹھوس حقیقت ہیں اور بلاوجہ بھی نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر بڑی حکیمانہ مصلحتیں کارفرما ہیں۔

لاتجعل مع اللہ الھا آخر ان ہدایات کا آغاز بھی توحید سے ہوا (آیت: ۲۲) اور اختتام بھی اسی توحید پر ہو رہا ہے ھو الاول ھو الآخر گویا کہ تمام اسلامی تعلیمات وہدایات کا مرکزی نقطہ مسئلہ توحید ہے۔

۴۱۔ افاصفاکم ربکم ۔ الآیة

قبل ازیں سورۂ نحل کی آیت ۵۷ ویجعلون للہ البنات میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی جا چکی ہے کہ عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے تو خدا نے ان کی ذہنیت کے مطابق ان کی لعنت ملامت کی ہے کہ تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور لڑکیوں کو ناپسند کرتے ہو اور لڑکی کی پیدائش کی تمہیں اطلاع دی جائے تو شرم کے مارے سر چھپاتے پھرتے ہو اور خدا کے لیے وہی لڑکیاں تجویز کرتے ہو؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لڑکیاں کوئی بری چیز ہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کی ذہنیت کا بیان ہے ورنہ جہاں تک خدا کی

ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے تو لڑکے بھی اتنے ہی اس کی شان الوہیت کے خلاف ہیں جتنی لڑکیاں خلاف ہیں۔
تعالیٰ عن ذلك علوا کبیرا۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ۙ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤی اَنْ

یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور بے شک ہم نے (مطالب حقہ کو) اس قرآن میں مختلف انداز میں بار بار بیان کیا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر اس (تکرار) نے ان کی نفرت میں اضافہ کیا ہے (۴۱) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر اس (خدا) کے ساتھ اور خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ (کافر) کہتے ہیں تو وہ ضرور مالک عرش تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے (اور مقابلہ تک نوبت پہنچ جاتی) (۴۲) وہ پاک ہے اور کہیں برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں (۴۳) ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو بے شک وہ بڑا بردبار، بڑا بخشنے والا ہے۔ (۴۴) (اے پیغمبر!) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ ڈال دیتے ہیں (۴۵) اور (ان کے پیہم انکار کی وجہ سے گویا) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تا کہ وہ اسے نہ سمجھیں اور کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں) اور جب آپ قرآن میں اپنے واحد و یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پچھلے پاؤں پلٹ جاتے ہیں (۴۶) ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ غور سے کیا سنتے ہیں؟ جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور (ہم خوب جانتے ہیں) جب یہ ظالم سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو (۴۷) دیکھیے یہ کیسی کیسی مثالیں آپ کے لیے بناتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ راستہ پا ہی نہیں سکتے (۴۸) اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے (۴۹) کہہ دیجیے! کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا (۵۰) یا کوئی اور ایسی چیز (جس کا دوبارہ پیدا ہونا) تمہارے خیال میں بڑا (مشکل) ہو (بہر حال تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا) وہ (یہ سن کر)

ضرور کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ (زندہ کرکے) لائے گا؟ کہہ دیجیے! وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ پس وہ اپنے سر جھکا کر کہیں گے کہ کب ایسا ہوگا؟ کہہ دیجیے کہ شاید بالکل قریب ہو (۵۱) وہی دن کہ جب (خدا) تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کے ساتھ لبیک کہو گے اور خیال کرو گے کہ تم بہت تھوڑی مدت (عالم برزخ میں) رہے ہو (۵۲)

تشریح الالفاظ

۱۔صرفنا۔ یہ تصریف سے مشتق ہے جس کے معنی گردش دینے کے ہیں۔
۲۔اکنہ کنان کی جمع ہے جس کے معنی چھپانے اور پردہ اور حفاظت کرنے کے ہیں۔
۳۔وقرا کے معنی گرانی اور اونچا سننے کے ہیں۔
۴۔رفاتا کے معنی چورا اور ریزہ ریزہ ہونے کے ہیں۔
۵۔فسینغضون انقض راسہ کے معنی ہیں تعجب یا تسخیر سے سر ہلانا۔

تفسیر الآیات

۴۲. ولقد صرفنا ۔الآیۃ

تصریف کے معنی گردش دینے کے ہیں یہاں مقصد یہ ہے کہ خدا کی توحید ہو یا دوسرے مطالب حقہ خدائے حکیم نے انہیں اس طرح بار بار مختلف اندازوں اور متعدد اسلوبوں سے بیان کیا ہے۔ کہیں دلیل و برہان سے اور کہیں انسانی فطرت کو جھنجوڑنے سے، کہیں بشارت سے اور کہیں نذارت سے کہیں جنت کے وعدہ سے اور کہیں جہنم کی وعید سے کہیں نیکوکاروں کی کامیابیوں کے تذکرہ سے اور کہیں بدکاروں کے انجام سے۔ اگر کوئی شخص انتہائی کند ذہن کیوں نہ ہو تو وہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ضد اور تعصب کا دامن چھوڑ کر ان حقائق میں غور و فکر کرے۔ لیکن اگر تعصب یا آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی پٹی بصارت و بصیرت پر بندھ جائے اور حقیقت کو حقیقت تسلیم کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو پھر بات جس قدر واضح و آشکار کیوں نہ ہو اس سے اس شخص کا بموجب۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

نفرت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اور وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ کیونکہ وہ اس کے ماننے میں اپنی

شیطانی انا کی شکست سمجھتا ہے اور حق کے اقرار کو اپنے لیے عار تصور کرتا ہے۔

۴۳۔ قل لو کان معه الهة۔ الآیة۔

ایک انوکھے طریقہ سے خدا کی وحدانیت اور یکتائی کا بیان۔

مشرکین عرب چونکہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو چھوٹا خدا مگر خدائی میں شریک اور اللہ تعالیٰ کو ان خداؤں کا بھی خدا یعنی تخت و تاج کا مالک اور بڑا خدا مانتے تھے اور ان چھوٹے خداؤں کی پوجا پاٹ کو اس بڑے خدا کے تقرب کا وسیلہ جانتے تھے۔ یہاں اس آیت میں اسی باطل نظریہ کی ردّ کی جارہی ہے۔ ارشاد قدرت ہے کہہ دیجئے کہ اگر خدا کے ساتھ کچھ اور خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ ضرور مالک عرش تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کرتے۔ اس کلام کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) ایک مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ فرض کیا جاتا کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی خدا ہیں تو وہ خواہ ستارے ہوتے یا شمس و قمر یا انسان یا جمادات؟ تو یہ سب چیزیں تو مخلوق خدا ہیں جو تکوینی یا تشریعی طور پر خدا کی عبادت کر رہی ہیں تو پھر تو مشرکین کو بھی اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔ جس کی عبادت ان کے معبود کر رہے ہیں۔

دوسرا مفہوم

اور یہی راجح ہے کہ اگر ایک خدا کے علاوہ بھی کوئی اور خدا ہوتے تو ظاہر ہے کہ مستقل اور صاحب اختیار خدا ہونا عین کمال ہے جبکہ شرکت نقص ہے۔ تو پھر یہ دوسرے سارے خدا ملکر صاحب عرش پر چڑھائی کر دیتے تا کہ اس کے تخت و تاج پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر کے سب اختیارات اپنے قبضہ میں لے لیں۔ ادھر بڑا خدا مزاحمت کرتا۔ نتیجہ یہ برآمد ہوتا کہ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ادھر سارا نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا۔ اسی مفہوم کو خداوند عالم نے دوسری جگہ برہان تمانع کی شکل میں یوں بیان کیا ہے کہ لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا۔ (الانبیاء۔ ۲۲) اگر زمین و آسمان میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام خراب و برباد ہو جاتا۔ یہ کس قدر عام فہم اور حقیقت افروز کلام حق ترجمان ہے۔!!

۴۴۔ تسبح له السموات السبع۔ الآیة۔

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں موجود ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں عربی زبان میں عموماً من ذوی العقول کے لیے آتا ہے جبکہ ''ما'' بالعموم غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح خدا نے پہلے تو یہ فرمایا کہ آسمان و زمین میں جس قدر ذوی العقول ہستیاں موجود ہیں وہ سب اس کی تسبیح کرتی ہیں پھر فرمایا: وان

من شئ الا یسبح'' کہ کائنات کی کوئی بھی شئ ایسی نہیں جو اس کی تسبیح کناں نہ ہو۔اب یہ الگ بات ہے کہ کسی مخلوق کی تسبیح تو تشریعی واختیاری ہے جو محسوس بھی ہوتی ہے اور عقل وشعور میں آتی بھی ہے۔یعنی زبان مقال سے ہے جیسے اہل ایمان جن وانس اور ملائکہ کی تسبیح وتقدیس اور کسی مخلوق کی تسبیح تکوینی واضطراری ہے اور زبان حال سے ہے جو ہمیں نہ محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی ہمارے شعور میں آتی ہے یعنی کائنات ہستی کا ہر وجود، ہر ہستی، ہر چیز اپنے وجود سے اپنے صانع وخالق کی وحدانیت ویکتائی اور اس کی کمال صنعت گری کی نا قابل رد دلیل اور تصویر ہے اور بھلا تصویر سے بڑھ کر کس کی زبان اپنے مصور کی کمال صنعت کا اعلان کر سکتی ہے؟ اس لیے فرمایا: ولکن لاتفقھون تسبیحھم کہ تم ان چیزوں کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ان چیزوں کی تسبیح وتقدیس کو نہ سمجھنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ غافل انسان اس بات پر توجہ نہیں کرتا کہ کس طرح کائنات کی ہر شئ خالق کے کامل واعلیٰ صفات پر اور اس کے تمام نقائص وعیوب سے منزہ ومبرا ہونے پر دلالت کر رہی ہے؟ (تفسیر تبیان)

الغرض ہر شئ کی تسبیح میں حمد کے پہلو سے یہ ظاہر ہے کہ جہاں ہر شئ اپنے وجود سے گواہی دے رہی ہے کہ اس کا خالق اور نگران ہر عیب ونقص سے مبرا ہے وہاں وہ اپنے وجود اور اس کے مکمل ہونے سے یہ بھی شہادت دے رہی ہے کہ اس کا صانع اور نگہبان ہر صفت کمال سے متصف ہے۔یہ ہے ہر شئ کی حمد وثنا۔

مخفی نہ رہے کہ بعض مفسرین نے اس تسبیح کے حقیقی ہونے پر اور صرف خیالی نہ ہونے پر بڑی طویل بحث کی ہے جس کے یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۴۵۔و اذا قرات القرآن۔ الآیۃ

جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے تو مشرکین، بالخصوص ابوسفیان، نضر بن الحرث، ابوجہل اور ام جمیل وغیرہ ایذا رسانی کے برے ارادہ سے آپ کے قریب جانے کی کوشش کرتے تھے مگر قادر مطلق اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے اور ان کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتا تھا اس طرح وہ آنحضرت کو نہیں دیکھ سکتے تھے اور اس لیے بے نیل مرام واپس لوٹ جاتے تھے (مجمع البیان وغیرہ)

۴۶۔و جعلنا علی قلوبھم اکنۃ۔ الآیۃ

ایک اشکال کا جواب

کوئی کوتاہ اندیش یہ نہ سمجھے کہ جب خود اللہ نے ان کے دلوں میں پردے ڈال دیے ہیں اور کانوں میں گرانی تو وہ کس طرح قرآن کو سمجھ سکتے ہیں اور کس طرح اس پر ایمان لا سکتے ہیں؟ کیونکہ یہاں خدائے جبار

نے ان کفار کی وہی حالت بیان کی ہے جو انہوں نے خود اختیار کر رکھی تھی۔ یہ کہتے تھے **قالوا قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه و فی اذاننا وقر و من بیننا و بینك حجاب** (حم السجدہ:۵) یہ انہی کا قول تھا جو خدا نے ان پر الٹ دیا ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے تو پھر اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور جب سننے والا سننے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے کانوں میں گرانی پڑ جاتی ہے اور جب سوچنے والا سوچنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کی عقل پر غلاف چڑھ جاتا ہے۔ انہی تین حالتوں کو منکروں نے اختیار کیا تھا اور انہی تین باتوں کو خدا نے ان پر الٹ دیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک استعارہ ہے کہ ان لوگوں کے تعصب، ضد، ہٹ دھرمی اور مسلسل انکار کی وجہ سے گویا خدا نے ان سے فہم و فراست کی قوت سلب کر لی ہے۔ گویا اب وہ ایسے اندھے اور بہرے ہو چکے ہیں کہ نہ انہیں انوارِ حق نظر آتے ہیں اور نہ ہی انہیں حق کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ''ایں ہر دو آیت کنایہ است از عدم انتفاع ایشان بقران و مواعظ'' (فتح الرحمن)۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا حقیقتہً ان کی آنکھوں اور کانوں اور عقلوں پر کوئی پردہ نہیں ڈالتا بلکہ ان کے اپنے سوء اختیار سے ان کی کج روی اور حق سے محرومی کی لا علاج بیماری کا کنایہ ہے وبس۔ سچ ہے کہ ع

خود کردہ را علاجے نیست

مخفی نہ رہے کہ قبل ازایں اس تفسیر کی تیسری جلد میں سورۂ انعام کی آیت ۲۵ وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ کی تفسیر میں اس موضوع پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

۴۷- و اذا ذکرت ربك۔ الآیة

روایات میں وارد ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم خدا کی توحید ثابت کرتے اور شرک کو باطل فرماتے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے یا کلمہ توحید پڑھتے تو مشرکین پچھلے پاؤں لوٹ جاتے اور کہتے۔ **اجعل الآلهة الها واحدا ان هذا لشئی عجاب** (ص ۵) کیا عجیب بات ہے کہ اس (رسولؐ) نے سب معبودوں کو ملیا میٹ کر کے ایک ہی معبود قائم کر رکھا ہے؟ (مجمع البیان۔ تفسیر کاشف)

۴۸- نحن نعلم بما یستمعون۔ الآیة

اس آیت کا شان نزول

بیان کیا جاتا ہے ایک بار ابوجہل زمعہ بن اسود، عمرو بن ہشام اور خویطب بن عبدالعزی آپس میں

اکٹھے ہوئے اور پیغمبر اسلام کے بارے میں باہمی مشورہ کیا کہ ان کے خلاف کیا اقدام کرنا چاہیے؟ ابو جہل نے کہا کہ آپ (معاذ اللہ) مجنون ہیں۔ زمعہ نے کہا وہ شاعر ہیں، خویطب نے کہا کہ وہ کاہن ہیں۔ پھر سب ولید بن مغیرہ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی اپنی آراء اس کے سامنے پیش کیں۔ اس نے یہ سب کچھ سن کر کہا میرا خیال ہے وہ جادوگر ہیں (مجمع البیان)

خداوند عالم فرما رہا ہے کہ میں بہت خوب جانتا ہوں کہ یہ لوگ جو کان لگا کر توجہ سے آپ کی بات سنتے ہیں اس سے ان کا مقصد تیرے بیانات شافیہ سے استفادہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ نکتہ چینی کرنا اور تمسخر اڑانا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب یہ ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو آپ کے بارے میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں؟ اور کیا کیا مثالیں دیتے ہیں کبھی دیوانہ کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی جادوگر اور کبھی جادوزدہ کہتے ہیں؟ تا کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالیں۔ آپ کے خلاف بدگمانیاں پھیلائیں اور لوگوں کو قرآن و اسلام اور بانی اسلام سے نفرت دلائیں وہ دیوانہ کیوں ہیں؟ اس لیے کہ وہ دنیوی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھے ہوئے ہیں باطل پرستوں کی خواہشات کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر حال میں کلمہ حق کہتے ہیں۔ جادوگر اس لیے کہ ان کے کلام و بیان میں غیر معمولی تاثیر ہے۔

۴۹- وقالوا اذا کنا عظاما۔ الآیۃ

قرآن مجید میں کئی مقامات پر منکرین قیامت کے بودے ایرادات کا تذکرہ کر کے ان کے تحقیقی جوابات دیے گئے ہیں۔ ان کا پہلا ایراد یہ تھا کہ جب ہم مرنے کے بعد سڑ کر چورہ ہو جائیں گے تو ہمیں کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح خدا پہلے تمہیں پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

دوسرا ایراد یہ تھا کہ ایسا کب ہوگا؟ اس کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ ایسا ہونا بالکل قریب ہے قل ان الساعۃ قریب کہہ دیجیے قیامت قریب ہے۔ کیونکہ ؎

غیر بعید کل ما هو آت

ہم قبل ازیں سورہ رعد کی آیت ۵ و ان تعجب فعجب قولھم اذا کنا ترابا انا لفی خلق جدید۔ آلایۃ کی تفسیر میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ مزید استفادہ کے لیے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵۰- یوم یدعوکم۔ الآیۃ

جس دن خدا تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد وثنا کرتے ہوئے لبیک کہو گے۔ مومن تو بہرحال حمد کرنے کا خوگر جو ہے وہ تو اس لیے کرے گا اور کافر اس لیے کرے گا کہ اب اس کے سامنے سے سب حجاب ہٹ جائیں گے اور بے ساختہ کلمہ حق اس کی زبان پر جاری ہوجائے گا مگر اس کی یہ حمد وثنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

۵۱- ان لبثتم الا قلیلا ۔ الآیة

آیا اس تھوڑا ٹھہرنے سے دنیا میں ٹھہرنا مراد ہے یا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ٹھہرنا؟ اس میں قدرے اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ اس سے دنیا اور برزخ دونوں کا ٹھہرنا مراد ہے۔ کیونکہ آخرت کی طویل و عریض زندگی کے مقابلہ میں یہ دونوں ٹھہرنے بالکل قلیل ہیں جیسا کہ سورۂ مومنون آیت ۱۳ میں وارد ہے قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین قالوا لبثنا یوما او بعض یوم خدا پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے ہو؟ وہ کہیں گے بس ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ اور برزخ والی زندگی بھی یوں محسوس ہوگی کہ ابھی سوئے تھے اور ابھی جاگ پڑے من بعثنا من مرقدنا قالوا هذا ما وعد الرحمن و صدق المرسلون۔

آیات القرآن

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا
عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ
نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ
مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ
اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ
اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ (لوگوں سے) ایسی بات کریں جو بہترین ہو۔
بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ یقینا شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے
(۵۳) تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور گر چاہے تو تمہیں
سزا دے (اے رسولؐ!) ہم نے اپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا (۵۴) آپ کا پروردگار
خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت
دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی (۵۵) (اے رسولؐ!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ جنہیں
تم اللہ کے سوا (کارساز) سمجھتے ہو ذرا انہیں پکار کر دیکھو۔ وہ نہ تو تم سے تکلیف دور کر سکتے ہیں
اور نہ ہی (اسے) بدل سکتے ہیں (۵۶) جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کی
بارگاہ میں وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون زیادہ قرب پروردگار رکھنے والا ہے؟ اور وہ اللہ کی
رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے پروردگار کا
عذاب ڈرنے کے قابل ہے (۵۷)۔ کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک
نہ کر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا نہ کر دیں یہ بات کتاب (نوشتہ تقدیر) میں لکھی ہوئی ہے
(۵۸) اور (منکرین کی مطلوبہ) نشانیاں بھیجنے سے ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا مگر اس بات

نے کہ پہلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو ایک (خاص) اونٹنی دی جو کہ روشن نشانی تھی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں (۵۹) (اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے اور جو منظر ہم نے آپ کو دکھایا تھا اس کو اور اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ہم نے لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کر رہا ہے (۶۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ینزغ۔نزغ کی معنی ہیں اختلاف ڈالنا اور ایک دوسرے کے خلاف اکسانا۔

۲۔تحویلا کے معنی بدلنے کے ہیں۔

۳۔طغیان کے معنی سرکشی اور کفر و نافرمانی میں بڑھ جانے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۵۱۔وقل لعبادی یقولوا۔ الآیة

کفار و مشرکین سے احسن انداز میں گفتگو کرنے کا حکم؟

چونکہ کفار و مشرکین حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اور عام مسلمانوں کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخانہ لب و لہجہ میں گفتگو کرتے تھے۔لہٰذا اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان بھی ان کے ساتھ علاج بالمثل کرتے ہوئے وہی انداز گفتگو اختیار نہ کریں اور اس طرح اشتعال انگیزی کر کے سارا کام خراب نہ کر دیں۔اس لیے مسلمانوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ان لوگوں کی روش سے ہرگز متاثر نہ ہوں اور ہمیشہ ان لوگوں سے وہی بات کریں جو بہترین ہو۔ یہاں سورہ انعام کی یہ آیت بھی مدنظر رہنی چاہیے۔جس میں خدا فرماتا ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فسبوا اللہ عدوا بغیر علم (انعام۔۱۰۸)"جو لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان کو بھی گالی نہ دو ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر از راہ جہالت خدا کو گالی دینگے" اور خدا کا یہ حکیمانہ حکم

بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو سورہ نحل میں گزر چکا ہے وجادلہم بالتی ہی احسن کہ ان لوگوں سے احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔ لہذا ہمیشہ حسن وخوبی سے بات کرنی چاہیے۔ کرختی وسختی سے نہیں ہونی چاہئے۔'' کاش ہمارے مولوی صاحبان ولیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی'' (تفسیر ماجدی)۔ بہر حال اب یہ بات واضح ہے کہ اسلام جب غیروں سے غیر مہذب انداز میں بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو اپنوں کیساتھ غیر شائستہ انداز میں گفتگو کرنے کی کس طرح اجازت دے سکتا ہے؟ ع

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

٥٢-ربکم اعلم بکم الآیہ

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ جملہ ''اس قول احسن'' کی تفسیر ہے جس کا سابقہ آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ ''تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے'' (تفسیر صافی) تم خواہ مخواہ ان کو جہنمی اور دوزخی کہ کر ان کے جذبات کو برافروختہ نہ کرو اور ان کو اپنی غلطی سے ضدی نہ بناؤ۔

٥٣-وما ارسلناك آلایہ

منصب رسالت کی وضاحت

یہ بات قرآن مجید کے مختلف مقامات اور متعدد آیات میں بار بار کہی گئی ہے کہ ہم نے آپ کو وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔ ہم نے آپ کو ناظر و نگران بنا کر نہیں بھیجا ۔ ہم نے آپکو قہرمان ونگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ مطلب سب کا ایک ہے کہ آپ کا فرض منصبی صرف پیغام حق لوگوں تک پہنچانا ہے اور سمجھانا ہے۔ اس کا منوانا آپ کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ماننا یا نہ ماننا یہ ان لوگوں کا کام ہے۔ آپ ان کے وکیل اور داروغہ نہیں ہیں کہ ان کے کفر واسلام کی آپ سے باز پرس کی جائے اور نہ ہی آپ ان کی نجات اور عدم نجات کے ذمہ دار ہیں۔ ے

گر نیا ید بگوش حقیقت کس
بر رسولاں بلاغ باشد و بس

درس عبرت

اس کلام سے ان مبلغین کی آنکھیں کھل جانی چاہیں جو جب باطل پرستوں سے مجادلہ کرتے ہیں اور وہ صریح حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ گھبرا جاتے ہیں کہ وہ حق کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ ان کو غور کرنا چاہیے کہ جب کسی شخص کی راہ راست پر آنے یا نہ آنے کی ذمہ داری حضرت رسول خدا پر نہیں ہے تو پھر آپ پر کس طرح ہو سکتی ہے؟

۵۴-ولقد فضلنا بعض آلایه

انبیاء میں فرق مراتب کا تذکرہ اور خاتم الانبیاء کی فضیلت کا اجمالی بیان

ہم تیسرے پارے کے آغاز (تلك الرسل فضلنا ۔الایه) کی تفسیر میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ خدائے علیم وحکیم نے اپنی حکمت کاملہ سے کائنات کی کوئی بھی دو چیزیں بالکل برابر پیدا نہیں کیں بلکہ ہر دو میں فرق مراتب موجود ہے۔اسی قانون قدرت اور آئین فطرت کیمطابق انبیاء ومرسلین کے مراتب و مدارج بھی مختلف ہیں اور بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔جیسے جناب موسیٰؑ کو کلیم اللہ ہونے کا اعزاز بخشا اور جناب عیسیٰ کو بینات عطا فرمائیں اور روح القدس سے تائید کی۔اور جناب دوؤدؑ کو زبور عطا فرمائی ۔اور پھر جو کچھ تمام سابقہ انبیاء کو الگ الگ عطا فرمایا تھا وہ خاتم الانبیاؐء کو مجموعی طور پر عطا فرمایا و لنعم ما قیل

حسن یوسفؑ ،دم عیسیٰؑ ید بیضاداری

آنچہ خوباں ہمہ دار ند تو تنہاداری

بہر حال یہ افضلیت کا بہترین فیصلہ وہی اللہ کرسکتا ہے جس کی نگاہ قدرت میں زمین و آسمان کی سب مخلوق ہے۔وہ بہتر جانتا ہے کہ کون کیا ہے؟ اور کس کا کیا مرتبہ ہے؟ و یؤت کل ذی فضل فضله۔

-۵۵قل ادعو االذین آلایه

بڑے بلیغانہ اور حکیمانہ انداز میں معبودان باطل کی معبودیت پر کاری ضرب لگائی جارہی ہے کہ تم جن معبودوں،فریادرسوں اور مشکل کشاؤں کو مانتے ہو۔ان کو پکار کر دیکھو وہ نہ تمہاری تکلیف اور دکھ دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے کسی اور طرف پھیر سکتے ہیں ۔بلکہ جن کو تم اپنا معبود کارساز اور حاجت روا سمجھتے ہو وہ تو خود خدا کی بارگاہ تک رسائی پانے اور زیادہ تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں اور اس کی بندگی کا وظیفہ ادا کررہے ہیں اور اسکی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب وعقاب سے خائف و ترساں ہیں۔پھر وہ تمہارے حاجت روا اور سمیع الدعا کس طرح قرار پاسکتے ہیں؟

دو باتوں کی وضاحت

یہاں دو باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتی ہے ایک یہ کہ رد شرک میں جب اس قسم کی

آیتیں پیش کی جائیں تو کوئی شرک مآب لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس یدعون من دون اللہ سے مراد پتھر وغیرہ کے بت ہیں۔ اس سے برگزیدہ انسان مراد نہیں ہیں۔'' یہاں یہ کہہ کر جن کو لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود خدا کے حضور رسائی حاصل کرنے کیلئے (داخلی) وسیلہ کی تلاش کررہے ہیں۔'' واضح کردیا گیا ہے کہ مشرکین کے جن معبودوں اور فریاد رسوں کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے اس سے پتھر وغیرہ کے بت مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ تو یقیناً اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ تلاش نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے مراد فرشتے ہیں یا گذشتہ زمانہ کے گزرے ہوئے بزرگ انسان جیسے جناب عزیزؑ، جناب عیسیٰؑ یا دیگر بعض انبیاء و اولیاء۔ بہرحال اس بیان سے واضح ہوگیا ہے کہ ان بزرگ و برتر ہستیوں میں سے کسی میں بھی ہماری دعاء و پکار سننے اور پھر حاجت روائی کرنے کی طاقت نہیں۔

دوسری یہ کہ اس کلام سے کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال نہ کرے کہ اس سے وسیلہ کے اس مفہوم کی نفی ہوتی ہے جس کا اثبات ہم تفسیر کی دوسری جلد میں بذیل تفسیر سورہ مائدہ آیت ۳۵ **یا ایھا الذین آمنوا اتقو اللہ و ابتغو الیه الوسیله** کرآئے ہیں۔ کیونکہ اس آیت سے جس چیز کی نفی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی ہستی کو معبود اور حقیقی کارساز اور یہ سمجھ کر پکارنا کہ مشکلات و مصائب میں وہ براہ راست ہماری کشود و مشکلات پر قادر ہیں۔ اس سے بعض مقرب بارگاہ مقدس ہستیوں کے وسیلہ و توسل سے خدا کی بارگاہ میں دعا و پکار کرنے کی ہرگز نفی نہیں ہوتی کہ خدا ان کے وسیلہ اور ان کی برکت سے ہماری دعا قبول کرے یا ان سے التماس کرنا کہ وہ ہمارے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا کریں کہ وہ رحیم و کریم ہماری فلاں حاجت برآری کرے۔ یہ طریقہ ہرگز ممنوع نہیں ہے بلکہ ممدوح ہے۔ اور صلحاء امت کا معمول ہے۔ اگرچہ پہلا طریقہ افضل ہے کہاں ذوات مقدسہ کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کی جائے۔

۵۶- وان من قریة الا نحن آلایه

اس آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے چونکہ ہر چیز نے فنا ہونا ہے۔ لہٰذا ہر بستی بھی فنا کے گھاٹ ضرور اترے گی۔ ہاں البتہ اگر اس کے باشندے نیکوکار ہوئے تو پھر طبعی موت سے مرینگے اور اگر بدکار ہوئے تو پھر عذاب خداوندی سے ہلاک ہونگے۔ مقصد یہ ہے کہ بقائے دوام کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اور یہ بات نوشتہ الٰہی یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: ہلاکت سے طبعی موت مراد ہے اور عذاب سے قتل وغیرہ۔ (تفسیر صافی)

ایضاح

بعض مفسرین جیسے فاضل شیخ محمد جواد مغنیہ نے قیامت سے پہلے ہر قریہ کی ہلاکت سے مفسدین و ظالمین کی ہلاکت کا اعلان اور امام زمانہؑ کے ظہور کی بشارت مراد لی ہے کہ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو تب مفسدین عذاب الٰہی کی وجہ سے نیست و نابود ہو جائینگے اور صرف صالحین رہ جائینگے۔ اور امام زمانہ دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دینگے جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی جیسا کہ سنن ابو داوٗد ج ۲ ص ۴۲۲ طبع مصر میں پیغمبر اسلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر زندگانی دنیا کا صرف ایک دن بھی باقی رہ گیا تو خدا اسی دن کو اس قدر طولانی کر دے گا کہ میرے اہلبیت میں سے میرے ایک ہمنام کو لے آئے گا جو دنیا کو اس طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی اور پھر جب تک خدا چاہے گا وہ حکومت کرینگے اس کے بعد قیامت کبریٰ قائم ہوگی اور لوگ زلزلہ قیامت کی زد میں آ کر مریں گے۔ (تفسیر کاشف ج ۵)

۵۷- وما منعنا ان نرسل۔ آلایہ

اس آیت کی شان نزول

قبل ازیں بھی کسی مقام پر یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کفار مکہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ ہماری خواہش کے مطابق چند معجزے دکھا دیں تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ مثلاً کوہ صفا سونے کا بن جائے، پہاڑ یہاں سے ہٹا دیئے جائیں اور زمین قابل کاشت کاری بنا دی جائے۔ اور پانی کا چشمہ نکل آئے وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت جبرائیل نازل ہوئے اور خدائے ذوالجلال کا یہ پیغام پہنچایا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان لوگوں کے یہ مطالبات پورے کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور اگر آپ پسند کریں تو انہیں مزید کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت دی جائے؟ اس پر آنحضرتؐ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا یا اللہ! انہیں مہلت دے۔ (مجمع البیان وغیرہ)

اس آیت مبارکہ میں اس قانون قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جو قومیں اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتیں تو پھر ان کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ناقہ صالح کے وقت قوم ثمود کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ بنابریں یہ خدا کی ذات سراپا رحمت ہے کہ وہ ان لوگوں کا کوئی مطلوبہ معجزہ ظاہر نہیں کر رہا کیونکہ وہ انہیں ابدی ہلاکت سے بچا کر سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دے رہا ہے۔ واہ رے شان کریمی!

۵۸- ما جعلنا الرؤیا التی۔ آلایہ

رؤیا کا لفظ اگرچہ عربی میں خواب کے معنی میں بھی آتا ہے۔مگر بیداری کے عالم میں کوئی منظر دیکھنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں رأیت یعنی رویۃ ورؤیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یعنی بیداری کے عالم میں۔(تفسیر مظہری وغیرہ)

یہاں رؤیا سے کیا مراد ہے؟

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں رؤیا سے مراد کیا ہے؟ ہمارے برادران اسلامی کے اکثر مفسرین نے اس سے واقعہ اسراء ومعراج مراد لیا ہے۔اس لیے انہوں نے یہاں رؤیا سے بیداری کے عالم میں عجیب و غریب مناظر قدرت کا دکھانا مراد لیا ہے اور رؤیا سے مراد بیداری کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر اس سے خواب کا قصہ مراد ہوتا تو پھر کفار کے تمسخر اڑانے اور بعض کم زور ایمان لوگوں کے مرتد ہونے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی (تفسیر قرطبی)۔ظاہر ہے کہ ایسے خواب تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔مگر ہمارے اکثر مفسرین نے اور برادران اسلامی کے بعض مفسرین نے اس لفظ کو خواب کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے اس سے دو خواب مراد لیے ہیں۔ایک یہ کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے صحابہ کرام سمیت مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔مگر جب حدیبیہ والے سال جب مکہ جانے کا ارادہ کیا تو مشرکین سدراہ ہوئے اور آپ کو واپس مدینہ جانا پڑا۔اس طرح یہ خواب کچھ کمزور ایمان مسلمانوں کے لیے آزمائش کا باعث بن گیا اور وہ شک کرنے لگے اور آنحضرتؐ سے صاف صاف کہہ دیا کہ کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے؟ فرمایا ہاں کہا تھا! لیکن کیا یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال داخل ہوں گے؟ کہا نہیں! فرمایا پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔ان شاء اللہ۔ چنانچہ اس سے اگلے سال داخل ہوں گے۔(مجمع البیان وتفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۵ ص ۴۱۳ طبع مصر قدیم)

دوسرا یہ کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ کے کچھ لوگ بندروں کی طرح آپ کے منبر پر اچھل کود رہے ہیں (اور لوگوں کو پچھلے پاؤں لوٹا رہے ہیں)۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام نے اس خواب کی یہی تعبیر مراد لی ہے جیسے سعید بن المسیب اور ابن عباس (تفسیر کبیر رازی ج ۵ ص ۴۱۳، طبع مصر قدیم) اور سہل بن سعد (تفسیر محیط ابن حیان) اور بخاری شریف، کتاب الفتن میں حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا: ''هلاك امتي علی يدي اغلمة سفهاء قريش'' (میری امت کی ہلاکت قریش کے چند بیوقوف نوجوانوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ بخاری شریف کی اس روایت سے اس خواب سے بنی امیہ کے مراد لینے والے قول کی تقویت ہوتی ہے۔اسی طرح شجرہ ملعونہ کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ہمارے ہاں شہرت یہ ہے کہ اس سے مراد بنی امیہ ہیں۔امام رازی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کی زبانی یہی تفسیر بیان کی ہے (ملاحظہ

ہو تفسیر رازی ج ۵ ص ۴۱۴، طبع مصر قدیم)

مخفی نہ رہے کی علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنشور ج ۵ ص ۱۹۱ طبع مصر قدیم میں اہلسنت کی متعدد روایتیں درج کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرح اچھل کود رہے ہیں جس سے آپ کو صدمہ پہنچا اور یہ کہ شجرہ ملعونہ فی القرآن سے بنی امیہ مراد ہیں۔ فراجع۔

جبکہ برادران اسلامی کے ہاں شہرت یہ ہے کہ اس سے زقوم کا درخت مراد ہے اور یہی دو چیزیں یعنی آنحضرتؐ کا خواب اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش کا باعث ہیں۔

۵۹- ونخوفهم۔ الآية

ہم ان کو ڈراتے تو ہیں مگر ہمارا یہ ڈرانا ان کی بڑی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ یہ ارشاد قدرت ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر آیت میں گزر چکا ہے کہ **ولقد صرفنا الآیات** کہ ہم بار بار مختلف انداز میں مطالب حقہ بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں مگر یہ تکرار ان کی نفرت میں اضافہ کرتا ہے۔ سچ ہے ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سرو کنار جو کا

لا تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون

آیات القرآن

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۚ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذۡهَبۡ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ

وَعِدۡهُمۡ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيۡلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِىۡ يُزۡجِىۡ لَـكُمُ الۡـفُلۡكَ فِى الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ‌ ۚ فَلَمَّا نَجّٰٮكُمۡ اِلَى الۡبَـرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ‌ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَـرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ وَكِيۡلًا ۙ‏ ﴿۶۸﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ‌ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ﴿۶۹﴾ وَلَـقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَـرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ‏﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ (٦١) نیز اس نے کہا بھلا مجھے بتا تو سہی یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (آخر کیوں افضل ہے) اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں چند افراد کے سوا اس کی پوری اولاد کی بیخ کنی کر ڈالوں گا (٦٢)۔ارشاد ہوا چل نکل جا ان میں سے جو کوئی بھی تیری پیروی کرے گا تو بے شک جہنم تم سب کی پوری پوری سزا ہے (٦٣)۔اور ان میں سے جس پر تیرا قابو چلتا ہے اپنی پکار سے اسے ورغلا اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں سے چڑھائی کر اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان تو

دھوکے اور فریب کے سوا ان سے کوئی وعدہ کرتا ہی نہیں ہے (٦٤)۔ بے شک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی قابو نہیں ہے اور کارسازی کے لیے آپ کا پروردگار کافی ہے (٦٥)۔ تمہارا پروردگار وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (مال) تلاش کرو۔ یقیناً وہ تم پر بڑا مہربان ہے (٦٦)۔ اور جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے سوا جس جس کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں اور جب وہ تمہیں (خیریت سے) خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے (٦٧) کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی گوشے میں زمین کے اندر دھنسا دے یا تم پر کوئی پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے۔ پھر تم کسی کو بھی اپنا کارساز نہیں پاؤ گے (٦٨) کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اسی (سمندر) میں پہنچائے اور پھر تم پر طوفانی ہوا چلا کر تمہیں ناشکرے پن کی پاداش میں غرق کر دے۔ پھر تم اس کی ہم سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے (٦٩)۔ بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت و بزرگی دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا (سواریاں دیں) پاک و پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور انہیں اپنی مخلوقات پر (جو بہت ہیں) فضیلت دی (٧٠)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ لاحتنکن احتناك کے معنی کسی چیز کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کے ہیں۔

۲۔ واستغزا، استفزاز کے معنی ہیں کسی کو کمزور سمجھ کر اسے ورغلانا اور اس کے قدم پھسلانا۔

۳۔ خیلک خیل کے معنی گھوڑوں کا گروہ۔

۴۔ رجلک رجل کے معنی پیادہ کا گروہ۔

۵۔ قاصقا من الریح کے معنی ہیں طوفانی ہوا۔

۶۔ تبیعا کے معنی ہیں پیروی کرنے والا اور باز پرس کرنے والا۔

تفسیر الآیات

۶۰- و اذ قلنا للملائکۃ۔ الآیۃ

اوپر آیت ۵۳ میں یہ فرمایا تھا کہ ان الشیطان کان للانسان عدو امبینا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دشمنی کا آغاز کب ہوا اور کیونکر ہوا؟ یہاں آیت ۶۱ سے لے کر آیت ۶۵ تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس قسم کی آیات اور ان کی تفسیر درج ذیل مقامات پر تفصیل سے گزر چکی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۳۵ تا ۳۹، سورہ اعراف آیت ۱۱ تا ۲۵، سورہ الحجر ۲۶ تا ۴۲ اور سورۂ ابراہیم آیت ۲۲۔ لہٰذا ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے اور اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ البتہ ذیل میں بعض الفاظ و عبارات کی تھوڑی تھوڑی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ ان الفاظ کے چہرہ سے ابہام کا پردہ اٹھ جائے۔

۶۱- ارأتك۔ الآیۃ

رأیت کے معنی تو دیکھنے کے ہیں مگر جب اس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کے معنی خبر دینے کے ہو جاتے ہیں۔ بنابریں اس آیت کے معنی یہ ہیں اخبرنی عن ھذا الذی فضلته علی لم فضلته مجھے بتا تو سہی کہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے وہ کس لیے دی ہے؟ (مجمع البیان، قرطبی، البرہان فی علوم القرآن)

علمی لطیفہ

یہ درست ہے کہ شیطان کو یہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کہ وہ افضل ہے۔ جبکہ جناب آدم افضل ہیں لہٰذا خدا نے مفضول کو افضل پر ترجیح نہیں دی مگر اس کا یہ خیال تو بہر حال صحیح ہے کہ مفضول کو افضل پر مقدم کرنا عقلاً و شرعاً قبیح ہے۔ افسوس اتنی بڑی واضح حقیقت بھی اشاعرہ پر واضح نہیں ہو سکی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یجوز تقدیم المفضول علی الافضل کہ مفضول کو افضل پر مقدم کرنا جائز ہے (المواقف ج ۸ ص ۳۷۳)

۶۲- لاحتنکن ذریته۔ الآیۃ

احتناک کے معنی کسی چیز کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کے ہیں۔ شیطان اپنی باطنی خباثت کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے دے تو میں آدم کی اولاد کی بیخ کنی کر ڈالوں گا یعنی ان کو ان کے اصل مقام (اطاعت) سے ہٹا دوں گا اور انہیں تیرا نافرمان بنا دوں گا جو ان کی بیخ کنی کے

مترادف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حنك الدابة سے ہے یعنی کسی جانور کے گلے میں رسی ڈال کر اسے کھینچنے سے ماخوذ ہے یعنی میں انہیں اپنا مطیع ومنقاد بنادوں گا۔ (مجمع البیان)

۶۳- واستفزز من استطعت۔ الآیة

استفزاز کے معنی استخفاف کے ہیں یعنی کسی کو کمزور سمجھ کر اسے ورغلانا اور اس کے قدم پھسلانا۔ اس پیرایہ میں خدا شیطان کو چیلنج دے رہا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے جس قدر وسائل تیرے پاس ہیں جیسے اپنی آواز کی پکار سے دعوت باطل سے اپنے تمام جنی وانسی چیلوں چانٹوں، سواروں اور پیادوں کو اکٹھا کر کے ان پر حملہ کردے اوران کے مال واولاد میں حصہ دار ہوجا اور سنہرے وعدوں کے سبز باغ بھی دکھا الغرض تو یہ سب کچھ کر لے مگر جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی قابو نہیں چلے گا اور وہ تیرے کہنے میں کبھی نہیں آئیں گے۔ شیطان کے جواب میں خالق کا یہ حتمی اعلان جو قرآن میں متعدد جگہ ہے نوع انسانی میں ہر دور میں کچھ معصوم ہستیوں کے وجود کا قطعی ثبوت ہے۔ (فصل الخطاب ج ۴)

مال واولاد میں شیطان کی شرکت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ناجائز ذرائع سے مال کمانے اور حرام مصرف میں صرف کرنے پر اور زناکاری کرنے اور اولاد وزنا پیدا کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اکساتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وسوسہ اندازی سے ان لوگوں میں حلال وحرام کی تمیز ہی ختم ہوجاتی ہے اور وہ بالکل شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اولاد میں شرکت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اپنی اولاد کے نام مشرکانہ رکھتے ہیں جیسے عبدالشمس وغیرہ اور ان کی تعلیم وتربیت اس غلط انداز میں کرتے ہیں کہ ان میں گناہ وثواب کا احساس ہی ختم ہوجاتا ہے اور بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ اگر مقاربت کے وقت خدا کا نام لیا جائے تو شیطان دور ہوجاتا ہے ورنہ وہ بھی اس عمل میں شریک ہوجاتا ہے۔ (تفسیر صافی) اور شیطان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کا جو سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے وہ جھوٹے اور دل فریب وعدے ہیں اور گمراہ کن لالچ میں جن میں پھنس کر آدمی کی زندگی بھر ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔

۶۵- ان عبادی۔ الآیة

یہ آیت مع تفسیر سورہ حجر آیت ۴۲ پر گزر چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

۶۶- ربکم الذی یزجی۔ الآیة

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ کئی من بلکہ کئی ٹن کی وزنی کشتی سینکڑوں

من وزن اٹھا کر سطح آب پر چلتی ہے۔خدا نے آب و باد کو مسخر کر دیا ہے اور انسان سمندری سفر میں اس سے کئی تجارتی اور غیر تجارتی فائدے اٹھاتا ہے۔ازجاء کے معنی ہیں موافق اور آہستہ خرام ہوا کے ذریعہ کشتی چلانا یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (یعنی مال) تلاش کرو خداوند عالم نے یہاں بھی مال کو ایک فضل (من فضلہ) قرار دے کر اپنے بندوں کو رزق حلال کمانے کی رغبت دلائی ہے۔سچ ہے۔الکاسب حبیب اللہ (رزق حلال کمانے والا حبیب خدا ہوتا ہے)

۱۶۷۔اذا مسکم الضر فی البحر۔ الایۃ

اس آیت کے ساتھ ملتی جلتی ایک آیت سورۂ یونس میں مع مکمل تفسیر گزر چکی ہے۔**ھوا الذی سیر کم فی البر والبحر حتی اذا کنتم فی الفلك وجرین بھم ۔ الآیۃ** اور اسی مقام پر انسان کی اس کج رفتاری کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ جب تک کشتی آرام وسکون سے رواں دواں رہتی ہے تو وہ خدا کا تصور بھی نہیں کرتا لیکن جب کشتی کسی گرداب بلا میں پھنس جائے اور ہچکولے کھانے لگے تو اس وقت سب مزعومہ شرکا اللہ بھول جاتے ہیں اور انسان صرف خدا کی ہی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے اور گڑگڑا کر اس سے اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہے۔مگر واہ رے ناشکرا انسان! خدا سے یہ سب ربط و تعلق صرف اس وقت تک رہتا ہے جب تک کشتی گرداب بلا میں گھری رہتی ہے۔پس جونہی کشتی گرداب سے نکلی اور آدمی نے خشکی پر قدم رکھا تو وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔نہ مصیبت کی وہ گھڑی یاد رہتی ہے اور نہ اپنی پریشانی یاد آتی ہے اور نہ اپنا خدا کی بارگاہ میں رونا دھونا اور گڑگڑانا۔پس ناشکرا انسان خدا سے منہ موڑ لیتا ہے اور شرک کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے۔یہ کلام حق ترجمان اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ خدا ایک ہے اور وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کچھ مشرکین کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ انہیں خشکی یا تری میں جب بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ خدا کو چھوڑ کر اپنے پیروں، فقیروں اور مرشدوں کو پکارتے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۶۸۔افامنتم ان یخسف بکم۔ الآیۃ

خدائے جبار وقہار غافل انسان کو تنبیہ کر رہا ہے کہ آیا خدا کی حکومت اور اس کا اقتدار صرف سمندر تک محدود تھا۔اب خشکی میں کسی اور کی حکومت ہے؟ کیا انسان کو اطمینان ہو گیا ہے؟ اور وہ اس سے بے خوف ہو گیا ہے کہ خدا اسے خشکی پر زمین میں دھنسا دے۔یا اس پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے؟ یا پھر اسے یہ اندیشہ دامن گیر نہیں ہے کہ خدا کبھی پھر اسے سمندر میں لے جائے اور تمہاری اس ناشکر گزاری کی پاداش میں سخت طوفانی ہوا بھیج کر اسے غرق کر دے؟ س وقت وہ کیا کرے گا؟ لہٰذا انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدی کو ہمیشہ خدا کے فضل و

کرم کا امیدوار اور اس کے قہر وغضب سے خائف وترساں رہنا چاہیے۔

-۶۹ ولقد کرمنا بنی آدم۔ الآیة

اس آیت مبارکہ میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ایک اولاد آدم کی کرامت و بزرگی ہے اور دوسری اس کی افضلیت ہے۔

انسان کی ذاتی بزرگی کے اسباب

انسان کی عزت و بزرگی کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔اسے بہترین شکل وصورت عطا کی گئی ہے جس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں اکرم صورة علی اللہ۔

۲۔اسے عقل وخرد کی نعمت سے نوازا گیا ہے اور قوت گویائی سے۔

۳۔اس میں بے پناہ ترقی کرنے کی استعداد رکھی گئی ہے۔

۴۔اس میں معاش ومعاد کی اصلاحی تدابیر اختیار کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

۵۔اسے تمام چیزوں کو مسخر کر کے اپنے زیر تسلط لانے کی اہلیت دی گئی ہے۔

۶۔اس کے لیے ایک جامع قانون اور دستور العمل وضع کیا گیا ہے۔

۷۔اسے گزرے ہوئے سے درس لینے، حالات حاضرہ کا مقابلہ کرنے اور اپنے مستقبل کو سنوارنے اور تابناک بنانے کی قوت دی گئی ہے۔

۸۔اس میں متضاد جذبات اور قوی رکھے گئے ہیں۔

۹۔اس کے لیے جزاوسزا کا ایک اکمل نظام وضع کیا گیا ہے۔

۱۰۔تمام انبیاء ومرسلین بالخصوص سرکار خاتم الانبیا اور ائمہ طاہرین کا اسی انسانی نوع سے ہونا اس نوع کے لیے سرمایہ ہزار افتخار ہے۔تلک عشرة کاملة۔

اور جہاں تک بنی آدم کی افضلیت کا تعلق ہے تو قابل غور بات یہ ہے کہ یہ افضلیت وفوقیت مطلقہ اور کلی ہے کہ بنی آدم سب مخلوقات خداوندی سے افضل ہیں۔یا یہ افضلیت کلی نہیں ہے؟ چونکہ آیت میں فضلنہم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً وارد ہے جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔اسی بنا پر اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ''انسان کو دوسری مخلوقات پر جو فضیلت

حاصل ہے وہ کلی نہیں ہے خدا کی مخلوقات میں ایسی مخلوقات بھی ہیں جن پر انسان کو فضیلت نہیں ہے۔'' (تدبر قرآن اصلاحی ج ۴)

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ وہ کون سی مخلوق ہے جس پر انسان کی فضیلت نہیں ہے؟ تو وہ عام خیال کے مطابق فرشتے ہیں۔ ''پھر عام فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں''۔ (ضیاءالقرآن ج ۲ ص ۶۴۷)

انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے

جو قول قرآن وسنت کی تصریحات اور علما اعلام کی تحقیقات کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی یہ فضیلت کلی ہے۔ یعنی انسان سب مخلوقات خداوندی سے افضل واعلی ہے اور آیت میں واردشدہ لفظ کثیر بمعنی جمیع ہے اور اس کا اصل مفہوم یہ ہے ''انا فضلناهم علی من خلقنا و هم کثیر'' کہ ہم نے انسان کو اپنی سب مخلوق پر فضیلت دی ہے اور وہ مخلوق بہت زیادہ ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

اس کلی فضیلت کے بعض دلائل کا تذکرہ

اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب اصول الشریعہ کے پہلے باب میں بڑی سیر حاصل بحث کر کے انسان کی تمام مخلوقات پر فضیلت ثابت کی ہے۔ تفصیل کے لیے شائقین اس کتاب کے اسی باب کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں بڑے اجمال کے ساتھ بعض دلائل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ قران کی اسی آیت کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے اور علامہ طبرسی کے بیان سے اس کی تائید مزید کی ہے۔ یہی مفہوم علامہ شہر بن آشوب نے اپنی کتاب متشابہ القران ومختلفہ ج ۱ ص ۲۰۴ طبع ایران میں بیان کیا ہے **فالمراد بقوله علی کثیر ممن خلقنا انا فضلناهم علی من خلقنا و هم کثیر و لم یرد التبعیض** فاضل دریابادی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں ''بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لے کر انسان کو حق تعالٰی کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

۲۔ حضرت امیر علیہ السلام انسانی شکل وصورت کے بارے میں فرماتے ہیں اکرم صورۃ علی اللہ کہ یہ صورت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہے (تفسیر صافی وبرہان)۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے فخر کیا تھا اور فرمایا تھا فتبارك الله احسن الخالقين۔

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **فضلنا بنی آدم علی سائر الخلق** کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ساری مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ (امالی

شیخ صدوق وتفسیر صافی وغیرہ)

۴۔ نیز انہی جناب سے مروی ہے: فرمایا: ان الملائکۃ لخدامنا وخدام محبینا فرشتے نہ صرف ہمارے خادم ہیں بلکہ ہمارے مخلص محبوں کے بھی خادم ہیں (علل الشرائع از شیخ صدوق)

۵۔ فرشتوں کے حضرت آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بھی فرشتوں پر انسان کی برتری ثابت ہوتی ہے۔

۶۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فرشتوں کی عصمت اجباری ہے۔ انہیں کیا نسبت اختیاری عصمت رکھنے والوں سے اور ان کے حقیقی پیروکاروں سے سچ تو یہ کہ ؎

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

جناب علامہ حائری قدس سرہ نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ میں اسی آیت کی تفسیر میں اٹھارہ عدد دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حضرت انسان کی عام مخلوقات پر کلی افضلیت ثابت کی ہے۔ من شاء فلیرجع الیه وهو الحق والحق احق ان یتبع انہی حقائق کی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات کہا جاتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس تفصیل سے انسان کی اجتماعی افضلیت مراد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نوع انسانی کا ہر فرد کائنات سے افضل ہے۔ جبکہ اس نوع میں وہ افراد بھی ہیں جو اولئك كالانعام بل هم اضل کے مصداق ہیں۔ واللہ الموفق

آیات القرآن

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ

خَلِيۡلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔا قَلِيۡلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ﴿٧٥﴾ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ﴿٧٧﴾

ترجمۃ الآیات

اس دن (کو یاد کرو) جب ہم (ہر دور کے) تمام انسانوں کو ان کے امام (پیشوا) کے ساتھ بلائیں گے۔ پس جس کسی کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو یہ لوگ اپنا صحیفہ اعمال (خوش خوش) پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا (۷۱) اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا اور بڑا راہ گم کردہ ہوگا (۷۲) (اے رسول) یہ (کافر) اس بات میں کوشاں تھے (اور اس کا ارادہ کر لیا تھا کہ) آپ کو اس (کتاب) سے پھیر دیں جو ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے خلاف کوئی بات گڑھ کر ہماری طرف منسوب کریں اور اس صورت میں وہ ضرور آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے (۷۳) اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کچھ نہ کچھ ضرور ان کی طرف جھک جاتے (۷۴) اور اگر آپ ایسا کرتے تو ہم آپ کو دنیا میں عذاب کا مزہ چکھاتے اور مرنے پر بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی یار و مددگار نہ پاتے (۷۵) اور یہ لوگ اس بات میں بھی کوشاں تھے کہ اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں اور اس طرح آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ خود بھی آپ کے بعد زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے (۷۶) یہی ہمارا دستور رہا ہے ان رسولوں کے بارے میں جنہیں ہم نے پہلے بھیجا ہے اور آپ ہمارے اس دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے (۷۷)۔

تشریح الآیات

۱۔امام جس کی جمع ایمہ اور آئمہ ہے کے معنی ہیں وہ جس کی اقتداء کی جائے اررا ہبراور اہنما۔

۲۔فتیلا۔اس کے معنی بٹی ہوئی بتی۔اس کی مونث فتیلہ ہے جس کے معنی کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں باریک بتی کے ہیں۔

۳۔یستغفر ونک۔استغفراز کے معنی باہر نکالنے کے ہیں۔

۴۔ترکن رکن الیہ کے معنی ہیں کسی کی طرف مائل ہونا اور جھکنا۔

تفسیر الآیات

۷۰۔یوم ندو کل اناس۔ الآیۃ

قیامت کے دن تمام لوگ اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے

اگرچہ لغوی اعتبار سے امام کے معنی من یوتم بہ ویوتمر بامرہ کے ہیں یعنی وہ ہستی جس کی اقتدا کی جائے اور جس کا حکم مانا جائے۔عام اس کے وہ نبی ورسول ہو یا ان کا قائمقام مگر شرعی اصطلاح میں اس لفظ سے بلاقرینہ امام برحق یعنی حقیقی جانشین رسول کا تبادر ہوتا ہے۔بنابریں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے لوگوں کو ان کے امام کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا۔حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: یدعی کل اناس بامام زمانھم و کتاب ربھم و سنۃ نبیھم کہ سب لوگ اپنے زمانہ کے امام، اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ بلائے جائیں گے۔(مجمع البیان، کذافی تفسیر الدرالمنشور ج ۴ ص ۱۹۴ طبع مصر) یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ سب لوگوں کے امام نہیں ہیں؟ فرمایا میں سب لوگوں کا رسول اللہ ہوں میرے بعد میرے اہل بیت میں سے لوگوں کے امام ہوں گے۔ان کی تکذیب کی جائے گی اور ان پر حکام جور کی طرف سے ظلم کیا جائے گا پس جو ان کی تصدیق کرے گا اور ان کی پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور میرے ہمراہ ہوگا اور جو ان کی تکذیب کرے گا وہ نہ مجھ سے ہوگا اور نہ میرے

ہمراہ ہوگا (الکافی، الصافی)

اور چونکہ ہر نبی و رسول اپنی امت کا امام بھی ہوتا ہے (و جعلنا هم ائمة يهدون بامرنا) لہٰذا سابقہ امتوں کے لوگ اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کے نام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اسی طرح ہمارے پیغمبر اسلام کے عہد والے لوگ آپؐ کے نام کے ساتھ اور بعد والے اپنے اپنے امام زمانہ کے نام کے ساتھ بلائے جائیں گے (تفسیر قمی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

الا تحمدون الله اذا كان يوم القيامة فدعى كل قوم الى من يتولونه و دعانا الى رسول الله و دعيتم الينا فالى اين يذهب بكم؟ الى الجنة و رب الكعبة قالها ثلاثا

کیا تم اللہ کی حمد و ثنا نہیں کرتے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا ہر شخص کو اس شخص کے ساتھ بلائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں رسول خدا کے ساتھ بلائے گا اور تمہیں ہمارے ساتھ تمہارا کیا خیال ہے تمہیں کدھر لے جایا جائے گا؟ پھر فرمایا: رب کعبہ کی قسم! بہشت کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا (مجمع البیان، صافی)

۷۱- و من كان فى هذه اعمى۔ الآية

جس نے دارِ دنیا میں اپنی بصارت و بصیرت والی آنکھ پر تعصب و عناد اور اندھی تقلید و ہٹ دھرمی کی پٹی باندھ لی اور اسلام و قرآن اور حق و حقانیت کے عالم افروز آفتاب سے روشنی حاصل نہ کی اور اندھا بنا رہا وہ قیامت کے دن بھی اس طرح اندھا ہی ہوگا اور اس کا انجام بخیر نہ ہوگا۔ کیونکہ الدنیا مزرعة الآخرة دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ انسان جو کچھ یہاں بو کر جائے گا وہی وہاں جا کر کاٹے گا الغرض وہاں دنیوی اعمال و افعال کے نتائج و عواقب کا ظہور ہوگا۔ و بس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں من لم يدله خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار... فهو فى الآخرة اعمى و اضل سبيلا جس شخص کو آسمان و زمین کی خلقت اور لیل و نہار کی گردش اور شمس و قمر کی حرکت حق کی طرف راہنمائی نہ کرے وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ گم کردہ ہی ہوگا (کتاب التوحید للصدوق)

۷۲- و ان كادوا ليفتنونك۔ الآية

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں:

۱۔قبیلہ ثقیف کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر آپ بعض سخت احکام میں قدرے نرمی کر دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

۲۔اگر آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا اور ہمیں احمق کہنا بند کر دیں اور ان رذیل لوگوں کو اپنے سے دور کر دیں تو ہم ایمان لائیں گے۔

۳۔جب آنحضرتؐ نے سب بت تڑوا دیے تو ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ ایک بت مروہ پر رہنے دیں تو ہم ایمان لائیں گے۔

۴۔ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں تا کہ ہم بتوں کا چڑھاوا وصول کریں۔بعد ازاں ان کو توڑ بھی دیں گے اور اسلام بھی لائیں گے۔وغیرہ وغیرہ۔(مجمع البیان، ابن کثیر وغیرہ)

چونکہ ان تمام اقوال یا لطائف الحیل میں ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو اپنے اسلام لانے کا طمع دلایا ہے اور آنحضرتؐ تو اس بات کے بڑے ہی حریص تھے کہ لوگ ایمان لائیں لہٰذا ان مطالبات کے فی الجملہ قبول کرنے کا ابھی دل و دماغ میں کچھ خیال ہی پیدا ہوا تھا

اللہ کی تائید غیبی کی دستگیری

کہ وحی ربانی نے دستگیری کی اور خدا کی تسدید و تائید شامل حال ہوئی اور اس نے آپ کو وہ ثبات قدم عطا فرمایا کہ ''رکون قلیل'' (تھوڑا سا جھکاؤ) جس کا اندیشہ پیدا ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا اور عصمت زنجیر پا بن گئی۔ اس لیے پائے ثبات میں لغزش واقع نہ ہوئی۔ارباب علم جانتے ہیں کہ ''لولا'' دو جملوں پر داخل ہوتا ہے اور وہ یہ بتاتا ہے کہ دوسرا جملہ اس لیے واقعہ نہیں ہوا کہ پہلا جملہ موجود تھا۔ بنا بریں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے رسول! اگر ہماری خاص عنایت (عصمت) آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو بعید نہیں تھا کہ آپ مشرکین کی طرف تھوڑا سا جھکاؤ کرتے۔مگر آپ نے یہ تھوڑا سا جھکاؤ جو نہیں کیا تو یہ ہماری تائید و تسدید و عنایت خاصہ کا نتیجہ ہے جو آپ کو یہ ثابت قدمی نصیب ہوئی ہے۔جیسا کہ سورہ یوسف میں گزر چکا ہے کہ ولقد ہمت بہ وہم بہا لولا ان رای برہان ربہ کہ زلیخا نے تو برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور اگر جناب یوسفؑ اپنے رب کا برہان (عصمت) نہ دیکھتے تو شاید وہ بھی ارادہ کرتے لیکن چونکہ وہ اپنے رب کا برہان (عصمت) دیکھ چکے تھے لہٰذا اس گناہ کا ارادہ

بھی نہیں کیا۔ اللہ ہی اپنے انبیاء واوصیاء کا مددگار و ناصر ومحافظ ہوتا ہے اور اپنے الطاف ومراحم خاصہ سے اس طرح ان کی نصرت وتائید فرماتا ہے کہ مخالفین کا کوئی حربہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

یہاں جلالین نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوب لکھا ہے:

لولا ان ثبتناك على الحق بالعصمة لقد كدت قاربت تركن تميل اليهم شئيا ركونا قليلا لشدة احيالهم والحاحهم وهو صريح فى انه لم يركن ولا قارب (تفسير جلالين)

اگر ہم آپ کو عصمت کے ذریعہ سے حق پر ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ذرا سا ان کی طرف مائل ہو جائیں کیونکہ ان کی حیلہ گری اور ضد بڑی سخت تھی۔ اس سے واضح ہے کہ آپ نہیں جھکے اور نہ ہی قریب تھا کہ جھکتے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

۷۵۔ اذا الاذقناك۔ الآية

یہ سب فرض محال محال نباشد کے طور پر کہا جا رہا ہے یعنی یہ سب وعید وتہدید اس صورت میں ہی تھی کہ جب آپ ان لوگوں کی طرف مائل ہوتے لیکن جب آپ ثابت قدم رہے اور عصمت کی وجہ سے ان کی طرف تھوڑا سا میلان بھی نہیں کیا تو پھر اس وعید سے بھی صاف بچ گئے۔ ورنہ دنیا وآخرت میں آپ کی سزا عام لوگوں سے دوگنا ہوتی۔ کیونکہ یہ قانون فطرت ہے کہ جتنا جو شخص عظیم وعزیز ہوتا ہے اتنا ہی اس کی معمولی لغزش عظیم وجسیم ہوتی ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ اچھائی یا برائی کرنے والے شخص کی شخصیت کے مطابق ثواب وعذاب کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً ایک نیکی ایک عالم کرتا ہے اور وہی نیکی جاہل بھی کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ عالم کا ثواب زیادہ ہوگا اور اگر ایک برائی ایک عالم کرتا ہے اور وہی برائی ایک جاہل بھی کرتا ہے تو عالم کا عذاب بھی زیادہ ہوگا۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ اللہ کی غیبی امداد اور توفیق حاصل کیے بغیر باطل کے ان طوفانوں اور حوادث کے ان سیلابوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ جو ایک حق پرست انسان چٹان کی طرح حق پر ڈٹ جاتا ہے اور بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا یہ اس کی توفیق رفیق کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے اللهم لا تكلنى الى نفسى طرفة عين ابدا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا تو معصوم تھے دراصل یہ تہدید آپ کی امت کو کی جا رہی ہے کہ وہ کسی طرح بھی حق کا دامن چھوڑ کر کفار ومشرکین کی طرف مائل نہ ہوں۔ (مجمع البیان قرطبی)

-۷۴- و ان کادو الیستفزونك ۔ الآیة

مفسرین میں قدرے اختلاف ہے کہ یہاں الارض سے کونسی زمین مراد ہے؟ اکثر نے اس سے مراد سرزمین مکہ مراد لی ہے کہ کفار مکہ کا منصوبہ تھا کہ آنحضرت کو وہاں سے جلاوطن کردیں اور بعض نے اس سے مدینہ کی زمین مراد لی ہے کہ مدینہ کے یہودی چاہتے تھے کہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔ بہرحال خداوند عالم ایسا سوچنے اور ایسا کرنے والوں کو دھمکی دے رہا ہے کہ اگر انہوں نے اپنے اس ابلیسی منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا تو پھر وہ یاد رکھیں کہ آپ کے بعد وہ بھی وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکیں گے۔ چنانچہ حالات شاہد ہیں کہ ایسا ہی ہوا کہ ہجرت نبوی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جنگ بدر ہوئی اور سب بڑے بڑے منصوبہ باز اکابر قریش مارے گئے۔

-۷۵- سنة من قد ارسلنا ۔ الآیة

اللہ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس قوم نے بھی کبھی اپنے نبی کو مجبور کر کے جلاوطن کیا تو پھر اس قوم پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور اس دستور الٰہی میں اب بھی کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

آیات القرآن

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبرؐ) زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو اور نماز صبح بھی۔ کیونکہ صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے۔ (اس وقت شب وروز کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں) (۷۸) اور رات کے کچھ حصہ (پچھلے پہر) میں قرآن کے ساتھ بیدار رہیں (نماز تہجد پڑھیں) یہ آپ کے لیے اضافہ ہے۔ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (۷۹) اور کہیے اے میرے پروردگار! مجھے (ہر جگہ) سچائی کے ساتھ داخل کر اور نکال بھی سچائی کے ساتھ اور میرے لیے اپنی جانب سے ایسی قوت قرار دے جو مددگار ہو (۸۰) اور کہیے! کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو تھا ہی مٹنے والا (۸۱) اور ہم تنزیل قرآن کے سلسلہ میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو اہل ایمان کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے خسارہ کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا (۸۲) اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے (۸۳) کہ دیجیے ہر شخص اپنے طریقہ پر عمل پیرا ہے اب یہ تو تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ ٹھیک راہ پر کون ہے (۸۴)

تشریح الالفاظ

۱۔ لدلوک الشّمس کے معنی ہیں سورج کا ڈھلنا، زوال آفتاب۔
۲۔ غسق اللیل، الغسق کے معنی ہیں رات کے پہلے حصہ کا اندھیرا۔
۳۔ فتہجد التجھد کے معنی ہیں رات کو جاگ کر نماز پڑھنا، رات کی نماز۔
۴۔ سلطانا، السلطان کے معنی ہیں حجت، دلیل اور قدرت اور اقتدار و بادشاہ۔
۵۔ نابجانبہ نا کے معنی دور ہونے کے ہیں، ونابجانبہ کے معنی پہلوتہی کرنے کے ہیں۔
٦۔ شاکلۃ، شاکلہ کے معنی ہیں طریقہ، راستہ اور نیت۔

تفسیر الآیات

۷۶-۸۱ اقم الصلوۃ۔ الآیۃ

نماز ہائے پنجگانہ اوران کے اوقات کا تذکرہ

اس آیت میں نماز پنجگانہ کے اجمالا اوقات بیان کیے گئے ہیں، دلوک شمس سے سورج کا ڈھلنا مراد ہے اور غسق اللیل سے رات کا اندھیرا یعنی نصف شب اوران دولفظوں میں چارنمازیں آجاتی ہیں یعنی ظہروعصر دلوک شمس میں اور مغرب وعشاء غسق اللیل میں اور نماز صبح کے لیے الگ لفظ قرآن الفجر لایا گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ شب وروز میں نماز ہائے فریضہ کتنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: پانچ۔ جب سائل نے تفصیل پوچھی تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا دلوک شمس سے لے کر غسق اللیل تک میں چارنمازیں آجاتی ہیں۔ فرمایا: غسق اللیل سے نصف شب مراد ہے اور پانچویں نماز کے لیے قرآن الفجر کا لفظ الگ ہے۔ (کافی وعیاشی وصافی وغیرہ)۔ علامہ سید علی نقی النقوی مرحوم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ہمارے نزدیک قرآن مجید کی یہ آیت صاف صاف فقہ امامیہ کے مسئلہ پر منطبق ہوتی ہے۔ فقہ امامیہ کی رو سے صرف نماز صبح کا وہ وقت ہے جس کے پہلے اور بعد کسی نماز فریضہ کا وقت نہیں ہے اس لیے اس نماز کے لیے الگ کر کے ذکر ضروری تھا۔ اس کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں وہ زوال آفتاب کے بعد سے نصف شب تک ہیں۔ اس طرح کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں کسی نہ کسی نماز کا وقت نہ ہو۔ بے شک وہ چار نمازوں پر تقسیم ہے یوں کہ زوال سے غروب آفتاب تک ظہر وعصر دونوں نمازوں کا وقت ہے۔ اس ترتیب کے ساتھ کہ پہلے نماز ظہر پڑھنا لازم ہے اور اس کے بعد عصر اور اس بنا پر عقلی طور پر زوال کے بعد شروع کی چار رکعت کا وقت ظہر سے مخصوص ہو گیا ہے اور آخر کی چار رکعتوں کا وقت عصر سے مخصوص ہو گیا ہے۔ باقی درمیان کا پورا وقت دونوں نمازوں میں مشترک ہے اور پھر غروب سے نصف شب تک مغرب وعشا کا وقت ہے۔ جس میں اسی طرح ترتیب چوں کہ لازم ہے اس لیے عقلی طور پر شروع کا وقت مغرب سے مخصوص ہوا اور آخر کا عشاء سے مخصوص ہو گیا۔ بیچ کا وقت مشترک ہے۔ جس میں مغرب بھی ہو سکتی ہے اور عشاء بھی۔ اس طرح زوال سے لے کر نصف شب تک پورا چار نمازوں کا وقت ہے جس کا قرآن مجید نے ایک ساتھ ذکر کیا اور یہ کہ کس نماز کا کون سا وقت ہے اسے مجمل چھوڑ دیا جس کی تشریح سنت نبوی اور احادیث معصومین سے ہو گئی ہے اور صبح کی نماز کا جو اس سلسلہ سے جدا تھی الگ ذکر کیا (فصل الخطاب

ج ۴، ص ٦١٦ـ٦١٧)

افادہ:

ایسا ہی افادہ فاضل رازی نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے وہ غسق اللیل کے معنی اول المغرب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و علی ھذا التقدیر یکون المذکور فی الآیۃ ثلاث اوقات وقت الزوال، وقت اول المغرب و وقت الفجر و ھذا یقتضی ان یکون الزوال وقت الظھر والعصر فیکون ھذا الوقت مشترکا بین ھاتین الصلوتین و ان یکون اول المغرب وقت المغرب والعشاء فیکون ھذا الوقت مشترکا ایضا بین ھاتین الصلوتین۔ فھذا یقتضی جواز الجمع بین الظھر والعصر المغرب والعشاء مطلقاً۔ الا انہ دل الدلیل علی ان الجمع فی الحضر من غیر عذر لا یجوز واحب ان یکون الجمع جائزا بعزر السفر او عذر المطر وغیرہ۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ٤٢٨، طبع مصر قدیم)

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسی آیت میں نمازوں کے تین اوقات مذکور ہیں۔ ا۔زوال...... ٢۔اول مغرب...... ٣۔اور صبح۔ بنا بریں زوال ظہر وعصر میں مشترک ہے اور غسق اللیل مغرب وعشاء میں مشترک ہے اور اس اشتراک کا نتیجہ یہ ہے کہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ساتھ ملا کر پڑھنا مطلقا جائز ہوگا مگر خارجی دلیل دلالت کرتی ہے کہ حضر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو کم از کم سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے تو جمع کرنا جائز ہوگا۔

اوقات نماز کے بارے میں مزید تحقیق کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب قوانین الشریعہ جلد اول کی طرف رجوع فرمائیں۔

--،،و من اللیل فتہجد بہ۔ الآیۃ

نماز تہجد کا بیان

لفظ ہجود اضداد میں سے ہے جو سونے اور جاگنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں نیند کو ترک کرنے کے معنی میں اسمعال ہوا ہے کہ باب تفعل کا ایک خاصہ ترک بھی ہے جیسے تاثم یعنی اثم بمعنی گناہ کو ترک کرنا۔

نماز تہجد جو نصف شب کے بعد پڑھی جاتی ہے جو اپنے خالق و مالک سے راز و نیاز کی باتیں کرنے اور اس کی یاد منانے کا بہترین وقت ہے اور احادیث میں اس نماز کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں جو کتب عبادات میں مذکور ہیں اور ہم نے بھی ان فضائل کا ایک شمہ اپنی کتاب زاد العباد لیوم المعاد میں بیان کر دیا ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے کم از کم اس قدر سمجھ لیں کہ مومن کی بہت سی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ شب و روز میں اکیاون رکعت پڑھتا ہے اور یہ اکیاون رکعت تب ہی مکمل ہوتی ہیں جب نماز شب کی آٹھ رکعت نماز شفع کی دو رکعت اور نماز وتر کی ایک رکعت یعنی یہ کل گیارہ رکعت باقی چالیس رکعتوں میں شامل کی جائیں۔

نیز حضرت رسول خدا نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا:

یا علی ثلاث فرحات للمومن فی الدنیا لقاء الاخوان، والافطار من الصیام، والتھجد فی اخر اللیل والناس نیام (خصال شیخ صدوق)

یا علی! مومن کے لیے دار دنیا میں تین خوشیاں ہیں ا۔ بھائیوں کی ملاقات۔ ۲۔ روزہ افطار کرنا۔ ۳۔ اور آخر شب میں اس وقت نماز تہجد پڑھنا جبکہ عام لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

علیکم بصلوۃ اللیل فانھا سنۃ نبیکم و داب الصالحین قبلکم و مطردۃ الداء عن اجسادکم (علل الشرائع)

تم پر لازم ہے کہ نماز شب پڑھو۔ جو کہ تمہارے نبی کی سنت ہے، تم سے پہلے گزرے ہوئے نیکوکار بندوں کا طریقہ ہے اور تمہاری جسمانی بیماریوں کو دور کرنے والی ہے۔

نماز تہجد عام اہل اسلام کے لیے سنت ہے مگر پیغمبر اسلامؐ پر واجب تھی

بہر حال یہ نماز تہجد جو عام وخاص اہل ایمان کے لیے سنت ہے۔ پیغمبر اسلام پر بالاتفاق واجب تھی اور یہ بات آپ کے خصائص میں سے ہے۔ گو ہمارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی واحد مذکر حاضر کا صیغہ استعمال ہو وہاں مخاطب حضرت رسول خدا ہی ہوں بلکہ اکثر جگہ ہر سامع اس خطاب کا مخاطب ہوتا ہے جیسے الم تر کیف فعل ربك، ارأیت الذی یکذب بالدین یا سبح اسم ربك الاعلی وغیرہ وغیرہ۔ مگر قرآن مجید میں بعض ایسے مقامات ہوتے ہیں کہ وہاں مضمون بتاتا ہے کہ یہاں خطاب حضرت رسول کو ہی ہے۔ جیسے الم نشرح لك صدرك، یا جیسے ما ودعك ربك و ما قلی یا جیسے قد نری تقلب وجهك فی السما وغیرہ وغیرہ۔ انہیں مقامات میں سے ایک یہی مقام ہے۔ ومن اللیل فتهجد به اور اس کا قطعی قرینہ کہ یہاں آپ ہی اس خطاب کے مخاطب ہیں اس کے آخر میں وارد شدہ یہ جملہ ہے۔ عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا اور اس مقام محمود کی تفسیر مقام شفاعت سے ہوئی ہے۔ جو آنحضرتؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔

بنا بریں یہاں جو وارد ہے کہ یہ نماز نافلةً لك اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ان عام پنجگانہ نمازوں کے علاوہ، آپ کے لیے خصوصی اضافہ کے طور پر واجب ہے جسے آپ ترک نہیں کر سکتے۔

دنیا کا حکام اپنے لیے مراعات زیادہ حاصل کرتے ہیں مگر ہمارے لیے دین و دنیا کے شہنشاہ اپنے ذمے فرائض زیادہ لیتے ہیں اس نماز شب کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں کیا گیا ہے۔ جیسے یا ایها المزمل قم اللیل الا قلیلا و من اللیل فاسجد له و سبحه لیلا طویلا (الدہر ۲۶)

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ نماز صبح کے مشہود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ وقت فضیلت پر ادا کی جائے تو اس وقت رات اور دان والے فرشتے (کراماً کاتبین) حاضر ہوتے ہیں اور دونوں لکھ لیتے ہیں۔ (مجمع البیان وتفسیر صافی)

-۷۸ عسی ان یبعثك ۔ الآیة

مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے

عسیٰ کی لفظ جب مخلوق کے کلام میں آئے تو رجاء و امید کے معنی دیتی ہے۔ لیکن جب اس کی نسبت خدا

کی طرف ہوتو اس وقت وہ حتم ویقین کا مفہوم ادا کرتی ہے۔(مجمع، کاشف وغیرہ)

فریقین کی کتب تفسیر و حدیث میں متعدد احادیث صحیحہ صریحہ میں وارد ہے کہ مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے کہ جب آپ اس مقام پر فائز ہوکر کسی کی شفاعت کریں گے تو خدا ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ یہ مقام محمود خلائق کا مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے اس سے بڑھ کر انسانی بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خود آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا: **هو المقام الذی اشفع لامتی** یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (صافی) امامین علیہما السلام میں سے ایک سے مروی ہے فرمایا: **هی الشفاعة** یعنی مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔(تفسیر عیاشی)

ذریت رسول کو اذیت پہنچانے والے کی شفاعت نہیں ہوگی

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا:

اذا قمت المقام المحمود تشفعت فی اصحاب الکبائر من امتی فیشفعنی الله فیهم والله لا تشفعت فیمن اذی ذریتی

جب میں مقام محمود پر کھڑا ہوں گا تو اپنی امت کے گناہان کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا اور خدا میری شفاعت قبول بھی کرے گا مگر بخدا میں اس شخص کی شفاعت ہرگز نہیں کروں گا جو میری ذریت کو اذیت پہنچائے گا (تفسیر صافی بحوالہ روضۃ الواعظین فتال نیشاپوری)

۷۹- رب ادخلنی مدخل۔ الآیة

تفسیر قمی میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔رب ادخلنی۔ الآیة۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جب کسی خوفناک مقام میں داخل ہونے لگو تو یہ آیت پڑھو اور جب وہ خوفناک چیز سامنے آئے تو آیت الکرسی پڑھو(محاسن برقی)۔

ایضاح

کسی معصوم کی کوئی روایت نہیں مل سکی کہ سلطاناً نصیراً سے کیا مراد ہے؟ البتہ تفسیر برہان میں دو روایتیں

ایک زید بن علی سے مروی ہے: اس میں وارد ہے کہ اس سے تلوار مراد ہے اور دوسری ابن عباس سے مروی ہے کہ استجاب الله لنبيه صلى الله عليه و آله و سلم فاعطاه علی ابن ابی طالب سلطانا ینصره علی اعدائه (تفسیر البرہان ج ص ۴۴۱ طبع ایران) کہ خدا نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور انہیں جناب علی بن ابی طالب عطا فرمائے جو آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی نصرت کرتے تھے۔ اس روایت سے بھی جنگ وجدال اور میدان جہاد وقتال میں نصرف کرنا مراد ہے جو کہ عادی امور میں سے ہے۔ اس سے امور تکوینیہ یعنی خلق ورزق اور موت وحیات میں نصرت کرنا ہرگز مراد نہیں ہے جیسا کہ اس سے مفوضہ اور شیخیہ مراد لیا کرتے ہیں۔ فتدبر وتشکر۔

۸۰- و قل جاء الحق و زهق الباطل۔ الآية

یہ آیت بھی فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے روایت کرتے ہیں فرمایا: جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ والے دن مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ ان پر چھری مارتے بھی جاتے تھے اور یہ آیت بھی پڑھتے جاتے تھے کہ جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا اور بت منہ کے بل اوندھے گرتے جاتے تھے۔ حق یعنی اسلام آ گیا اور شرک مٹ گیا۔ کیونکہ باطل ایک مٹ جانے والی چیز ہے (تفسیر صافی بحوالہ الکافی) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جب قائم آل محمد ظہور فرمائیں گے تو باطل کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا (الکافی والصافی)

۸۱- و ننزل من القرآن، الآية

قرآن تمام روحانی وجسمانی بیماریوں کے لیے نسخہ شفا ہے

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کفر وشرک گناہ وعصیاں اور تمام اخلاق رذیلہ وغیرہ سے باعث شفا ہے۔ اور اگر قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ان تمام روحانی بیماریوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور آدمی ابدی نجات کا حقدار بن جاتا ہے۔ اور قرآن ایسے صاحبان ایمان کے لیے نسخہ شفا اور سراپا رحمت بن جاتا ہے اور جو ظالم اس کی بہترین تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو ان کے نقصان وزیاں میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں ہوتی۔

البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہ قرآن بدنی وجسمانی بیماریوں کے لیے اور دوسری حاجت برآریوں

کے لیے بھی نسخہ شفا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ نہ کوئی طب کی کتاب ہے اور نہ ہی تعویزات کی۔ لہٰذا اس سے اس قسم کا استفادہ کرنا جائز نہیں ہے مگر ان کے بالمقابل بہت سے علما و فضلاء کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن روحانی اور باطنی بیماریوں کی طرح، بدنی و جسمانی بیماریوں سے بھی باعث شفاء ہے۔ حدیث میں وارد ہے خذ منه ما شئت كما شئت، قرآن کی جس آیت کو چاہو اور جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو۔ بزرگان دین اور آئمہ طاہرین سے بعض بیماریوں کے لیے بعض قرآنی اوراد و وظائف منقول ہیں۔ اسی طرح خود پیغمبر اسلام کا معوذتین کو بعض بیماریوں پر پڑھنا روایات میں موجود ہے اور بعض بیماریوں کے ازالہ کے لیے بعض آیات کا لکھ کر گلے میں ڈالنا بھی مروی ہے اور بیمار پر پڑھنا بھی۔ چنانچہ طب الائمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جسے کوئی تکلیف ہو وہ خلوص نیت کے ساتھ مقام درد پر ہاتھ بھی پھیرتا جائے اور آیت و ننزل من القرآن۔ الآیۃ بھی پڑھتا جائے خدا اسے صحت عطا فرمائے گا۔ نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا: من لم يشفه القرآن فلا شفاه الله جسے قرآن شفا نہ دے اسے خدا کبھی شفا نہ دے گا (صافی) اسی طرح سورہ فاتحہ کے بارے میں پیغمبر اسلام سے مروی ہے فرمایا: ہی شفاء من کل داء الا الموت کہ یہ سورہ موت کے سوا ہر بیماری کا تریاق ہے۔ (مجمع البیان)

بہر حال یہ خیال رہے کہ قرآن کو بعض پیروں فقیروں کی طرح صرف تعویزات کی کتاب سمجھ لینا اور اس سے یہی کام لینا بہر حال صحیح نہیں ہے بلکہ اس کتاب ہدایت سے وہی فوائد حاصل کرنے چاہئیں جن کی خاطر خدا نے اسے نازل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فاضل کاشانی کا اپنی تفسیر صافی میں یہ فرمانا بڑا وزن رکھتا ہے: في معانيه شفاء الارواح و في الفاظه شفاء الابدان (قرآن کے معانی و مطالب میں روحوں کی شفاء ہے اور اس کے الفاظ و عبارات میں بدنوں کی شفاء ہے (تفسیر صافی)

۸۲۔ و اذا انعمنا۔ الآیۃ

یہاں جس انسان کا شکوہ کیا جا رہا ہے ظاہر ہے کہ اس سے کافر اور ناشکرا انسان مراد ہے کہ جب خدا اسے صحت و سلامتی، مال و منال اور اولاد و جائیداد وغیرہ دنیاوی نعمات و انعامات سے نوازتا ہے تو وہ خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹا اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور جب خدا اس سے کفران نعمت کی پاداش میں یہ نعمتیں سلب کر لیتا ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے۔ الغرض یہ سب کچھ خدا پر ایمان نہ لانے اور اس سے ربط و تعلق قائم نہ کرنے کا فطرتی اور قدرتی نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کا کردار یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں دنیوی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ اس کا شکر کرتے ہیں اور جب کوئی مصیبت آ جائے تو صبر کرتے ہیں اور خدا کی رحمت

سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ اس سے کشائش و آسائش کی امید رکھتے ہیں۔

۸۳۔قل کل یعمل۔ الآیۃ

شاکلہ کی تفسیر میں خاصا اختلاف ہے۔بعض نے اس سے طبیعت و جبلت،بعض نے عادت،بعض نے طور طریقہ اور بعض نے نیت مراد لی ہے کہ ہر شخص کا عمل و کردار،ان کی نیت،طبیعت،عادت اور ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور اپنی افتادِ طبع کے مطابق وہ اچھا یا برا کام انجام دیتا ہے مگر ہماری زیادہ روایات سے اس بات کی تائید مزید ہوتی ہے کہ شاکلہ سے مراد نیت ہے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: النیة افضل من العمل الا و ان النیة هی العمل۔ نیت عمل سے افضل ہے آگاہ ہو جاؤ کہ دراصل نیت ہی عمل ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی قل کل یعمل علی شاکلته یعنی علی نیته (الکافی) انہی جناب سے منقول ہے فرمایا: جنتی جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے تو اپنی نیت کی وجہ سے اور جہنمی اگر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے تو اپنی نیت کی وجہ سے کیونکہ پہلے گروہ کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہے تو بھی خدا کی اطاعت کرتے رہیں گے اور دوسرے گروہ کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہے تو وہ خدا کی عصیاں کاری کرتے رہیں گے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی: قل کل یعمل علی شاکلته (تفسیر عیاشی)۔ بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور کون گم کردہ راہ ہے۔ لہٰذا اس باہمی نزاع کرنے اور قیل و قال اور جدل و جدال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ فربکم اعلم بمن هو اهدیٰ سبیلا۔

آیات القرآن

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول!) لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے(۸۵) اور اگر ہم چاہیں تو وہ سب کچھ سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی وکیل (حمایتی) بھی نہ پائیں (۸۶) (جو اسے واپس دلا سکے) مگر یہ آپ کے پروردگار کی خاص رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) بے شک آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے(۸۷) کہہ دیجیے کہ اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو جائیں (اور چاہیں) اس جیسا قرآن لے آئیں تو جب بھی اس جیسا نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں(۸۸) اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں (بار بار) ادل بدل کر بیان کی ہیں لوگوں کے لیے (تاکہ وہ سمجھیں) مگر اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہ رہے(۸۹) اور انہوں نے کہا ہم اس وقت تک آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک آپ یہ کام کر کے نہ دکھا دیں (مثلاً) ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کریں(۹۰) یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور آپ اس کے درمیان بہت سی نہریں جاری کریں (۹۱) یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں یا پھر خدا اور فرشتوں کو

کھلم کھلا ہمارے سامنے لے آئیں (۹۲) یا آپ کا خالص سونے کا ایک گھر ہو یا پھر آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ایک (لکھی لکھائی ہوئی) کتاب اتار کے نہ لے آئیں جسے ہم خود پڑھیں۔ کہہ دیجیے پاک ہے میرا پروردگار میں پیغام پہنچانے والا انسان کے سوا کیا ہوں (۹۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ ینبوعا کے معنی چشمہ کے ہیں۔

۲۔ کسف جمع ہے اس کا واحد کسفہ ہے جس کے معنی ٹکڑا کے ہیں۔

۳۔ قبیلا کے معنی کھلم کھلا دیکھنے کے ہیں۔

۴۔ بشرا بشر کے معنی انسان کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۸۴۔ و یسئلونك عن الروح۔ الآیة

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول کے متعلق دو روایتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کچھ یہودیوں نے کفار قریش کو یہ پٹی پڑھائی کہ پیغمبر اسلام سے روح کے بارے میں سوال کرو۔ اگر وہ اس کا مفصل جواب دے تو سمجھ لو کہ وہ نبی نہیں ہے اگر مجمل جواب دے تو وہ نبی ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے سوال کیا تو آپ نے اس کا مختصر مگر جامع جواب دیا کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے (مجمع البیان)۔

یہ سوال کس روح سے متعلق ہے؟

چونکہ روح کا اطلاق کئی معنوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک روح وہ ہے جس کا انسانی جسم و بدن سے تدبیر والا تعلق ہے۔ دوسرے روح کا اطلاق وحی پر بھی کیا جاتا ہے جو نزول قرآن کا ذریعہ ہے۔ ارشاد قدرت ہے یلقی الروح من امرہ۔ علی من یشآء من عبادہ (سورہ مومن ۱۵) وہ اپنے حکم سے اپنے جس بندہ پر چاہتا ہے

روح نازل کرتا ہے۔ و کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا (شورہ ۵۲) ہم نے اپنے حکم سے اپ کی طرف ایک روح بھیجی۔ تیسرے اس کا اطلاق ایک خاص فرشتہ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم. لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے اترتے ہیں۔ بہرحال اکثر مفسرین نے احادیث صحیحہ وصریحہ کی بنا پر اس روح سے وہی حیوانی روح مراد لی ہے جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ وہ لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ بدن میں کس طرح آتی ہے اور کس طرح اس سے انسان زندہ ہوتا ہے؟ مگر بعض مفسرین نے سابقہ دو روایتوں کے قرینہ سے اس سے قرآن اور اس کا ماخذ مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے روح بمعنی فرشتہ مراد لی ہے مگر راجح وہی قول ہے جسے اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے کہ اس سے وہ حیوانی روح مراد ہے جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔

روح کی اصل حقیقت کیا ہے؟

یہ سوال ہر دور میں ارباب فکر ونظر کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ ہر شخص نے اپنی اپنی وسعت وطاقت کے مطابق اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے مگر روح کی حقیقت ایک معمہ رہا ہے، نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ اس سلسلہ میں فلاسفہ وحکماء کے اقوال وآراء کئی سو تک پہنچ چکے ہیں۔ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب بحارالانوار کی چودھویں جلد کتاب السماء والعالم میں ان اقوال میں سے اکثر وبیشتر قول ذکر کیے ہیں اور ہم نے بھی بقدر ضرورت اپنی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کے پندرہویں باب میں بحث کی ہے اور مسلم حکماء وعلماء محققین کی تحقیقات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ روح ایک جوہر دراک ہے لیکن وہ ایک لطیف ونوری جسم رکھتا ہے جو بدن میں اس طرح جاری وساری ہوتا ہے جیسے گل گلاب کے اندر پانی، یا تلوں میں تیل اور انگارہ میں آگ اور اس کے جسم سے خارج ہوجانے سے موت واقع ہوجاتی ہے۔

الروح من امر ربی

خدائے علیم وحکیم نے اپنے حکیمانہ بیان میں جس قدر بتانا ضروری تھا اور عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسکتا تھا وہ بتادیا کہ کہہ دیجیے روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے یعنی اس کا تعلق عالم خلق سے نہیں ہے کہ اس میں چیزیں اپنی مادی وطبیعی علل واسباب کے تحت تدریجا وجود میں آتی ہیں بلکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے یعنی اللہ کے امر ''کن'' سے ہے۔ قل الروح من امر ربی ارشاد قدرت ہے انما امرہ اذا اراد شئیا قال لہ کن فیکون اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔

اس تحقیق سے ان شکوک وشبہات کے بادل چھٹ جاتے ہیں جو روح کو مادیات سے تسلیم کرنے سے پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

۸۵۔ وما اوتیتم من العلم ... آلایۃ

مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ خطاب سوال کرنے والے لوگوں سے ہے کہ جس قدر ضروری اور مناسب تھا تمہیں روح کے متعلق بتا دیا گیا اور اگر اس کی اصل ماہیت کو سمجھنا چاہتے ہو تو یہ چیز تمہاری علمی استطاعت سے ماورا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے خاصان خدا جو وارثان علم قرآن ہیں ان کو بھی روح کی حقیقت کا علم نہیں ہے جیسا کہ بعض کوتاہ اندیش لوگوں کا خیال ہے۔ ہم سورۂ آل عمران کی آیت **وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم** کی تفسیر میں واضح کر آئے ہیں کہ اگر کوئی ایسی متشابہ آیت قرآن میں موجود ہے جس کا راسخون فی العلم کو بھی علم نہیں ہے تو پھر اس آیت کے نازل کرنے کا مقصد ہی کیا ہے؟

۸۶۔ لئن شئنا لنذھبن ... آلایۃ

جب سابقہ آیت میں روح کے متعلق بقدر ضرورت اجمالی جواب دے دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ لوگوں کا علم حقائق اشیاء معلوم کرنے کے متعلق بہت ہی قلیل ہے تو گو یہاں خطاب پیغمبر اسلام کو ہے مگر مراد امت ہے کہ اگر اس سے زیادہ باریکی میں جانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو تمہیں تھوڑا سا علم دیا ہے وہ بھی سلب کر لے ایسا ہوا تو پھر کیا کرو گے۔ (تفسیر کبیر رازی) اور اگر اس خطاب کے حقیقی مخاطب حضرت پیغمبر اسلام ہی سمجھے جائیں (جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے) تو اس میں بھی آنحضرتؐ کی کسر شان کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ پہلے خدائے قدیر نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے اپنے فضل وکرم سے بذریعہ وحی آپ کو جو یہ نعمت قرآن عطا کی ہے اگر ہم چاہیں تو اسے اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ آپ کے اور آپ کی امت کے سینوں سے اور کتابوں سے محو کر دیں۔ پھر کون ہے جو اسے ہم سے واپس لے سکے؟ بجز ہماری رحمت کے اس طرح اپنی قدرت کا اظہار کرنے کے فوراً بعد اپنی عنایات اور رحمات کاملہ کا یوں تذکرہ کیا کہ یہ سب کچھ جس سے میں نے آپ کو نوازا ہے، یہ علم وفضل، یہ عصمت وطہارت، یہ قرآن وفرقان اور یہ نبوت ورسالت یہ سب میری رحمت واسعہ اور فضل وکرم بے پایاں کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ میرا فضل آپ پر اتنا بڑا ہے کہ جس کے حدود اربعہ کا مقرر کرنا انسانی عقل وخرد کی حد سے خارج ہے۔ بھلا جس فضل کو خدا کبیر کہے اس کی کبریائی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

۸۷۔ قل لئن اجتمعت الانس۔ الآیۃ

تمام انسان اور جن مل کر بھی قرآن کی مانند کتاب نہیں لا سکتے

منکرین اسلام وقرآن کو کتنا بڑا چیلنج ہے؟ اور کس طرح لوگوں کی غیرت وحمیت پر کوڑے برسائے گئے ہیں کہ سب جن وانس مل کر بھی ایسی کتاب نہیں لا سکتے۔ مگر اس کے باوجود آج تک کوئی منکر قرآن اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی قبول کر سکے گا۔ اسی لیے تو قرآن بانی اسلام کا معجزہ خالدہ ہے اور اس موضوع پر ہم تفسیر کی پہلی جلد کے مقدمات میں سے دوسرے مقدمہ میں اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳ و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ الآیۃ کی تفسیر میں بڑی تفصیل جمیل سے قرآن کا معجزہ خالدہ ہونا ثابت کر آئے ہیں۔ نیز اس کے وجوہ اعجاز کہ کن وجوہ اور اسباب کی وجہ سے وہ معجزہ ہے؟ اس پر بھی مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۸۸۔ ولقد صرفنا فی ھذا القرآن۔ الآیۃ

یہ آیت بالکل اسی سورہ کی آیت ۴۱ جیسی ہے۔ ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا وما یزیدھم الا نفورا جو مکمل تفسیر کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ اسی مقام کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

۸۹۔ و قالوا لن نومن لك۔ الآیۃ

کفار کے احمقانہ مطالبات کا خدائی جواب

کفار مکہ جو قرآن جیسے معقول معجزہ خالدہ کو چھوڑ کر چند مادی اور خارق عادات معجزات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ زمین کی طرف اشارہ کرو تو چشمہ جاری ہو جائے یا اشارہ کرو، کھجور اور انگور کا فوراً باغ نمودار ہو جائے، یا کوئی فسوں پڑھو تو سونے کا محل تیار ہو جائے، یا آسمان پر پھونک مارو کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر گر جائے یا پھر خدا اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ جو گواہی دیں کہ تم اس کے رسول ہو۔

ان تمام احمقانہ مطالبات کے جواب میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ میرا حبیب! ان لوگوں سے کہو پاک ہے میرا پروردگار! میں پیغام پہنچانے والے انسان کے سوا اور کیا ہوں؟ کیا بلیغانہ اور حکیمانہ جواب ہے کہ ان عقل کے اندھوں سے کہو کہ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں خدا ہوں یا میں نے کب یہ ادعا کیا ہے کہ میں علیٰ کل شئی قدیر ہوں؟ کہ تم مجھ سے یہ مطالبے کر رہے ہو؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ میں اللہ کا پیغام پہنچانے والا ایک

انسان ہوں وما کان لرسول ان یاتی بآیت الا باذن اللہ (الرعد ۳۸) کسی پیغمبر کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ لا دکھائے۔ میرا کام خدا کا پیغام اور شریعت کے احکام پہنچانا ہے اور بس۔

ایضاح:

اسی جواب سے واضح ہو گیا کہ بشریت اور رسالت میں کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ کفار و مشرکین خیال کرتے تھے۔ یا آج کل کے جاہل مسلمان گمان کرتے ہیں بلکہ نبوت ہو یا رسالت یہ بشریت کی معراج کمال ہے۔ اس مطلب کی مزید وضاحت درج ذیل آیات کی تفسیر میں کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے معجزات کے مطالبہ کرنے کا ایک جواب قبل ازیں اسی سورہ کی آیت ۵۹ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون۔ الآیۃ میں دیا جا چکا ہے کہ خدا ان غلط مطالبات کرنے والوں پر رحم و کرم کرتے ہوئے انہیں نیست و نابود نہیں کرنا چاہتا بلکہ انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت دینا چاہتا ہے کیونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ جو قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتی بلکہ اس کی تکذیب کرتی ہے اس پر عذاب الٰہی کا نزول لازم ہو جاتا ہے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ کئی اقوام عالم کی تاریخ شاہد ہے۔

آیات القرآن

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾ قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ‌ ؕ وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا‌ ؕ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ ؕ كُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِيۡرًا ﴿۹۷﴾ ذٰ لِكَ جَزَآؤُهُمۡ

بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

جب کبھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟(۹۴) کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں (انسان کی بجائے) فرشتے ہوتے جو اطمینان و آرام سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے (۹۵) (اے رسول!) کہہ دیجئے! کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے (اور) خوب دیکھتا ہے(۹۶) اور جس کو اللہ ہدایت دے دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے (وہ اپنی توفیق سلب کر کے) گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں پاؤ گے اور قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو منہ کے بل اس حال میں اٹھائیں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے (۹۷) یہ ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ جب ہم (گل سڑ کر) ہڈیاں اور چورہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے(۹۸) کیا انہوں نے (اس بات پر) غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس پر بھی ضرور قادر ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے اور اس نے ان کے (حشر کے) لیے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے مگر اس امر میں ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے(۹۹)

کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے مالک بھی ہوتے تو تم ان کو خرچ ہو جانے کے خوف سے (ہاتھ) روک لیتے اور انسان بڑا بخیل ہے (۱۰۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ یخا یخبو کے معنی ہیں آگ یا حرارت کا ٹھنڈا ہونا۔

۲۔ رفا تا کے معنی ہیں ریزہ ریزہ اور چورہ ہونا۔

۳۔ قتور اقتور کے معنی ہیں بخیل جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تنگی کرے۔

تفسیر الآیات

۹۰۔ وما منع الناس۔ الآیۃ

بشریت انبیا کا فلسفہ

انبیاء کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی خدا نے کوئی نبی بھیجا اور آیات بینات اور قطعی دلائل ومعجزات سے اس کی نبوت ثابت بھی ہوگئی اور منکرین کو اس کی چادر عصمت پر کسی قسم کے صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا کوئی دھبہ بھی نظر نہ آیا اور ان کے اخلاق واطوار کے دامن میں کسی اخلاقی کمزوری کا داغ بھی نظر نہ آیا تو انہوں نے اپنے انکار کی ایک غیر معقول وجہ یہی قرار دی کہ یہ تو بشر وانسان ہیں جبکہ نبی ورسول کو تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے۔ تو ہمیشہ انبیاء نے بتعلیم الٰھی یہی جواب دیا کہ جب زمین میں رہتے انسان ہیں تو عقل وخرد کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی طرف بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا جانا چاہیے تا کہ وہ اپنے قول وفعل سے تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکے اور اس کا قول وفعل ان پر حجت بھی قرار پا سکے اور لوگ اس سے مانوس بھی ہو سکیں کیونکہ الجنس الی الجنس یمیل ہاں البتہ اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے اور ان کی طرف کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو پھر ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو ہی نبی بنا کر بھیجتے۔ یہ وہ واضح حقیقت ہے کہ جس کا کوئی معقول انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہم قبل ازیں اسی جلد میں سورۂ ابراہیم کی آیت قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ بشریت انبیاء کا فلسفہ، اس کی اہمیت وافادیت اور منکرین کے جملہ شبہات کے جوابات پر تبصرہ کر چکے ہیں مزید تسلی کی خاطر اسی مقام کی

طرف رجوع کیا جائے اور مزید اطمینان قلب حاصل کرنے کے لیے ہماری کتاب احسن الفوائد یا اصول الشریعہ کے دوسرے باب کا مطالعہ کیا جائے۔

۹۱- قل کفی باللہ شھیدا۔ الآیۃ

اللہ کی گواہی یہی ہے کہ اس نے قرآن مجید معجزہ خالدہ اور دیگر بہت سے خارق عادت معجزات عطا فرما کر ان کی رسالت کی حقانیت پر مہر ثبت کر دی اور آنحضرتؐ نے اپنی سیرت و کردار اور روش و رفتار سے ثابت کر دیا کہ ان کا وجود نہ صرف عربوں کے لیے بلکہ پورے عالم انسانیت کے لیے بلکہ پوری کائنات کے لیے سراپا رحمت ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

۹۲- و من یھد اللہ۔ الآیۃ

اس سے ملتی جلتی ایک آیت سورہ اعراف میں نمبر ۸۷ پر گزر چکی ہے۔ **من یھد اللہ فھو المھتدی و من یضلل**، آلآیۃ۔ اور وہیں اس کی تفصیل سے تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ قارئین کرام تھوڑی سی زحمت کر کے اس مقام کی طرف رجوع کر کے خدا کے قانون اہداء و اضلال کا مطالعہ کر لیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خداوند عالم عقل و خرد دے کر پھر انبیاء و مرسلین اور ان کے اوصیاء کو دنیا میں بھیج کر سب کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے اندر ہدایت حاصل کرنے کی تڑپ ہوتی ہے اور ان خدائی قوی سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بدقسمت لوگوں کے اندر ہدایت حاصل کرنے کی چونکہ تڑپ ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی خدائی عطا کردہ قوتوں سے کوئی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لیے وہ اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

ہر چہ ہست از کوتاہی اندام ما است
ورنہ تشریف تو بالائے کس کوتاہ نیست

۹۳- و نحشرھم یوم القیامۃ۔ الآیۃ

چونکہ ان لوگوں نے خدا کے عطا کردہ ان اعضاء و جوارح سے دنیا میں کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا اب قیامت کے دن اپنی اندھی بہری اور گونگی روش و رفتار کی پاداش میں منہ کے بل اوندھے، گونگے اور بہرے محشور ہوں گے۔ پیغمبر اسلام سے پوچھا گیا کہ منہ کے بل کس طرح چلیں گے؟ فرمایا: جو قادر مطلق انہیں ٹانگوں کے ذریعہ چلا سکتا ہے وہی منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے (تفسیر صافی) اور امامین علیہم السلام سے ایک امام سے مروی ہے کہ وہ اپنی پیشانیوں کی بل پر محشور ہوں گے (ایضا) اور ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۔۹۴ **كلما خبت۔ الآية**

جب ان کے جسم گل سڑ جائیں گے اور آگ بجھنے لگے گی تو پھر ان پر نئی کھالیں چڑھا دی جائیں گی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے **كلما نضجت جلودهم بدلناها جلودا غيرها** اور اس کی وجہ سے آگ کے شعلے اور بھڑ کنے لگ جائیں گے۔ **اللهم احفظنا من الجحيم و من هولها لجسيم بحق النبي و آله الطاهرين۔**

۔۹۵ **وقالوا ءاذا كنا۔ الآية**

یہی آیت اسی سورہ میں نمبر ۵۹ پر گزر چکی ہے **و قالوا ء اذا كنا عظاما و رفاتا انا لمبعوثون خلقا جديدا** اور وہیں اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۔۹۶ **قل لو انتم تملكون۔ الآية**

اس آیت میں عام انسانوں کی اکثریت کے طبعی بخل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ اتنا تنگ دل ہوتے ہیں کہ اگر خدائی خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں تو پھر بھی اس خوف سے کہ وہ خزانے خرچ کرنے سے ختم نہ ہو جائیں بخل سے کام لیتے ہیں۔ بعید نہیں ہے کہ یہ مذکورہ آیات ۹۰ تا ۹۳ میں کفار نے جو مطالبے آنحضرتؐ سے کیے تھے کہ چشمے بہائیں اور کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ مالدار بن جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کیا اس طرح تمہارا کاسہ حرص پر ہو جائے گا۔ تمہارے بخل کا تو یہ عالم ہے کہ اگر بالفرض تم خدائی خزانوں کے بھی مالک بن جاؤ تب بھی تم بخل سے کام لو گے۔ یہ خداوند عالم ہی ہے جس کے خزانہ غیبی سے ساری کائنات رزق حاصل کر رہی ہے اور پھر بھی اس کے خزانے ختم نہیں ہوتے۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبر و تر سا وظیفہ خود خواری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمنان نظر واری

آیات القرآن

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب کہ وہ (موسیٰ) ان کے پاس آئے تھے تو فرعون نے اس سے کہا اے موسیٰ! میں تو تمہیں سحر زدہ (یا ساحر) خیال کرتا ہوں (۱۰۱) موسیٰ نے کہا (اے فرعون) تو (دل میں تو) یقینا جانتا ہے کہ یہ نشانیاں آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت کا سامان بنا کر نازل کی ہیں اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو ایک ہلاکت زدہ آدمی ہے (۱۰۲)۔ اس (فرعون) نے ارادہ کیا

کہ وہ (موسیٰ اور بنی اسرائیل) کو اس سرزمین سے نکال باہر کرے لیکن ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا (۱۰۳)۔ اور اس (واقعہ) کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں سکونت اختیار کرو۔ پس جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم (سب) کو (اپنے حضور) سمیٹ لائیں گے (۱۰۴)۔ اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (۱۰۵)۔ اور ہم نے قرآن کو متفرق طور پر (جدا جدا کر کے) نازل کیا ہے تا کہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے (موقع بموقع) بتدریج نازل کیا ہے (۱۰۶)۔ کہہ دیجیے کہ تم (لوگ) اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ لیکن جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب اسے ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں (۱۰۷)۔ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار! بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے (۱۰۸)۔ اور وہ روتے ہوئے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع وخضوع میں اضافہ کر دیتا ہے (۱۰۹)۔ کہہ دیجیے! کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی اسے پکارو اس کے سارے نام اچھے ہیں اور نہ ہی اپنی نماز زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ ہی بالکل آہستہ سے بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرو (۱۱۰)۔ اور کہہ دیجیے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی کسی کو شریک بنایا ہے اور نہ ہی درماندگی اور عاجزی کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی کبریائی اور بڑائی کا بیان کرو جس طرح بڑائی بیان کرنی چاہیے۔ (۱۱۱)

تشریح الالفاظ

۱۔ مثبورا ثبر ثبور کے معنی ہلاکت کے ہیں۔

۲۔ مکث مکث کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔

۳۔ یخرون خروخرور کے معنی بلندی سے پستی میں گرنے کے ہیں۔

۴۔ من الذل۔ ذل کے معنی عاجزی اور درماندگی کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۹۷-ولقد اتینا موسیٰ۔ الآیۃ

یہ وہی نو نشانیاں ہیں جن کا تذکرہ قبل ازیں سورۂ اعراف کی آیت ۱۳۳ اور سورۂ یونس آیت ۸۸ وغیرہ میں کیا جا چکا ہے۔ یعنی عصا، ید بیضا، جادوگروں کو شکست دینا، ملک میں قحط پڑنا، طوفان، ٹڈی دل، سرسریوں، مینڈکوں اور خون کی مصیبتوں کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا اور ایک روایت میں جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے اس میں مذکورہ بالا پانچ بلاؤں اور عصاء و ید بیضاء کے علاوہ دو اور جن نشانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں من وسلویٰ کا نازل کرنا اور دریا کا شگافتہ کرنا (قرب الاسناد) اور ایک روایت کے مطابق جو کتب فریقین میں پائی جاتی ہیں ان نو آیات سے وہ نو احکام مراد ہیں جو ہر رسول کی شریعت کی بنیاد رہے ہیں۔ چنانچہ جب ایک یہودی نے حضرت رسول خدا سے ان نو آیتوں کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا وہ یہ ہیں:

۱۔کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔

۲۔چوری نہ کرو۔

۳۔زنا نہ کرو۔

۴۔بلاجواز کسی کو قتل نہ کرو۔

۵۔کسی بے قصور آدمی کو حاکم وقت کے پاس اس غرض کے تحت نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کرے۔

۶۔جادو نہ کرو۔

۷۔سود کا پیسہ نہ کھاؤ۔

۸۔کسی نیک خاتون پر تہمت زنا نہ لگاؤ۔

۹۔اور میدان جہاد سے راہ فرار اختیار نہ کرو (اے یہود! تمہارے لیے یہ خصوصی حکم ہے کہ تم یوم السبت میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ بعد ازاں اس یہودی نے یہ جواب سن کر آنحضرتؐ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا)۔ (تفسیر مجمع البیان، صافی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ وغیرہ بحوالہ ضیاء القرآن)

۹۸-فقال لہ فرعون۔ الآیۃ

جب جناب موسیٰ فرعون کے دربار میں گئے تو اس نے ان کے معجزات دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ! میرا خیال ہے کہ تو سحر زدہ یا ساحر ہے؟ جیسا کہ بعض مفسرین نے مسحور کے معنی ساحر کے کیے ہیں کہ یہاں مفعول بمعنی فاعل ہے تو جناب موسیٰ نے فرمایا کہ مالک آسمان و زمین نے تو یہ نشانیاں محض بصیرت افروزی کے لیے نازل کی ہیں مگر تیرے ان آیات الٰہیہ کو دیکھ کر بھی اپنے آبا انکار پر ڈٹے رہنے سے میرا خیال ہے کہ تو شامت زدہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے چاہا تھا کہ جناب موسیٰ اور بنی اسرائیل کو سرزمین مصر سے نکال دے مگر اس کی شامت اعمال آ گئی اور خدا نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اب تم آرام و سکون سے اس زمین پر رہو۔ فرعون اور کفار مکہ کے قصہ میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے۔ فرعون نے جناب موسیٰ کو مسحور (سحر زدہ یا ساحر) کہا تھا اور کفار مکہ نے پیغمبر اسلام کو مسحور (سحر زدہ یا ساحر) کہا۔ ان تتبعون الا رجلا مسحورا (بنی اسرائیل ۴۷)۔ اسی طرح کفار مکہ بھی چاہتے تھے کہ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو سرزمین عرب سے نکال دیں۔ تو اس پیرایہ میں ان لوگوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ ایسا ہی فرعون نے چاہا تھا مگر اس کا عبرت انگیز انجام سب کے سامنے ہے۔ لہٰذا اگر تم لوگ بھی اپنے مذموم عزائم سے باز نہیں آ ؤ گے تو تمہارا انجام بھی فرعونیوں جیسا ہوگا۔

۹۹- و بالحق انزلناہ۔ الآیۃ

ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس میں تغیر و تبدل اور ترمیم الغرض کہ اس میں کسی قسم کے باطل کی کوئی آمیزش نہیں ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا ہے تا کہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں اور اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح مرسل نے بھیجا تھا۔ بالکل اسی طرح بے کم و کاست مرسل الیہ تک پہنچ گیا ہے۔ نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین اور آپ کا کام بشارت و نذارت ہے یعنی نیکوکاروں کو جنت اور بے پایاں ثوابوں کی خوشخبری دینا ہے اور گنہگاروں کو جہنم اور اس کے ہولناک عذابوں سے ڈرانا ہے۔ اس کے بعد من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔ جس کا جی چاہے وہ ایمان لائے اور جس کا جی چاہے وہ کفر اختیار کرے۔ الغرض حق کا منوانا آپ کا کام نہیں۔ ان ربك اعلم بمن ضل عن سبیله و هو اعلم بالمهتدین۔

۱۰۰- و قرآنا فرقناہ۔ بآلایہ

قرآن کو یکبارگی نازل نہ کرنے کے اسباب؟

چونکہ انبیاء ماسلف پر آسمانی کتابوں کا نزول یکبارگی ہوا کرتا تھا اور قرآن مجید کے نزول کے وقت یہ طریقہ کار بدل گیا۔ بلکہ جس کے نزول کا آغاز لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔ وہ پورے تیئیس سال کی طویل مدت میں حالات اور واقعات کے مطابق تدریجاً نازل ہوا۔ تو سوال پیدا ہوتا تھا کہ اب کی بار ایسا کیوں کیا گیا؟ اس سوال کے جواب میں اسے سورتوں وغیرہ کے ذریعے سے الگ الگ نازل کر کے یا وقفہ وقفہ سے تکمیل کی منزل کو پہنچایا ۔ و قال الذین کفرو لولا نزل علیه القرآن جملة وا حدة(الفرقان ۔۳۱)اس کے علل واسباب گنوائے جا رہے ہیں ۔(۱) تا کہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۔ تا کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکیں ۔ (۲) تا کہ واقعات وحالات کی روشنی میں اس کے مطالب ومقاصد لوگوں پر واضح وعیاں ہوں ۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ ہم تفسیر کی پہلی جلد کے پانچویں مقدمہ میں واضح کر آئے ہیں کہ پہلے قرآن لوح محفوظ میں محفوظ تھا۔ لیلۃ القدر میں وہاں سے یکبارگی بیت المعمور پر اترا۔ اور پھر وہاں سے موقع ومحل کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق جبرائیلؑ امین کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں اور کبھی پورا سورہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں لاتے رہے۔ اور پھر یہ مبارک سلسلہ پورے تیئیس سال تک جاری وساری رہا۔ اور دوسرے قول کے مطابق اس ظاہری نزول کا آغاز لیلۃ القدر میں ہوا۔ اور اختتام آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات پر ہوا۔ (تفسیر کاشف)

۱۰۱- قل آمنو ولا تؤمنوا ۔ الآیه

یہ ان کفار ومشرکین عرب کو خطاب ہے کہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کیلئے پیشگی شرائط مقرر کرتے تھے کہ ہمارے یہ یہ مطالبے تسلیم کرو۔ تو تب ہم ایمان لائینگے جو اسی سورہ کی آیت ۹۰ سے لے کر ۹۳ تک مذکور ہیں کہ تم لوگوں کے ایمان لانے یا نہ لانے سے ہمارے قرآن اور پیغمبر اسلام کی صداقت میں کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم نے جن اہل کتاب کے منصف مزاجوں کو پہلے سے علم دیا ہے جب ان کے سامنے یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اسے سابقہ آسمانی کتابوں کی پیشنگوئیوں کے مطابق پاکر فرط مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں ۔ 'سبحان ربنا ان كان وعد ربنا لمفعولا"۔ مزید برآں وہ قرآن کی حقانیت سے متاثر ہو کر اور اعتراف حق کی شدت سے مجبور ہو کر رونے لگتے ہیں اور ان کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہو جاتا ہے ظاہر ہے جن اہل کتاب کے یہ تاثرات اور احساسات تھے وہ یقیناً صدق نیت کے ساتھ اسلام بھی لائے ہوں گے۔ اور یہ انہی نومسلم حضرات کی تعریف وتوصیف کی جا رہی ہے۔ زہے نصیب۔

ایضاح:۔

یہاں دولفظ یخرون اور للاذقان استعمال ہورہے ہیں جن کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ حالانکہ سجدہ پیشانی کے بل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جس کا مطلب سجدہ کرنا ہے۔ چنانچہ جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو سب اعضاء سے زمین سے زیادہ قریب ٹھوڑی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منہ کے بل سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر قمی میں اس کے معنی یخرون اور للاذقان کے معنی علی الوجہ کیے ہیں (اور یہی معنی ابن عباس سے منقول ہیں علی اللوجوہ کہ وہ مونہوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں (احکام القران جصاص)۔

۱۰۲- قل ادعو الله او ادعوا الرحمن۔ الآیۃ

اللہ کو اسماء حسنہ کے ساتھ پکارنے کا حکم

اس سے ملتی جلتی ایک آیت قبل از ایں سورہ اعراف میں نمبر ۱۸۰ پر گزر چکی ہے۔ ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها ۔ الآیۃ۔ وہیں ہم اس کی مفصل تفسیر قلمبند کر چکے ہیں۔ اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرب اللہ کے لفظ سے تو کسی حد تک فی الجملہ آشنا تھے اور اسی طرح اس کے بعض دوسرے اسما سے بھی واقف تھے مگر وہ لفظ رحمن سے آشنا نہیں تھے۔ لہٰذا وہ بسم اللہ وغیرہ میں یہ نام سن کر بدکتے تھے۔ ارشاد قدرت ہے و اذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالو وما الرحمن انسجد لما تامرنا و زادهم نفوزا (الفرقان ٦٠) جب ان سے کہا جائے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں کہیں؟ اور ان کی نفرت بڑھ جاتی ہے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہورہا ہے کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہا کرو اس کے نام بڑے پیارے اور اچھے ہیں جو اس کی مختلف صفات جلال و جمال پر دلالت کرتے ہیں۔ ع

عبارا تنا شئی وحسنك واحد

۱۰۳- ولا تجهر بصلوتك ۔ الآیۃ

نماز میں جہر و اخفاف کی کیفیت کا بیان

اس جملہ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں مگر وارثان علم قرآن کے ارشادات کی روشنی میں اس کی دو تفسیریں اقرب الی الذہن ہیں:

ا۔ایک یہ کہ نہ تو اس قدر زور سے پڑھو کہ دوسروں کے کلام وکام میں خلل پڑنے لگ جائے اور نہ ہی اتنا آہستہ پڑھو کہ خود بھی نہ سن سکو۔ بلکہ درمیانہ روی اختیار کرو۔یعنی جہرا تنا کرو کہ لفظ کا جو ہر نکلے اور پاس بیٹھا ہوا آدمی سن سکے اور اخفات اتنا کرو کہ اپنے الفاظ آپ سن سکو۔(امامین علیہما السلام قمی وصافی)۔

۲۔دوسرا یہ کہ نہ تو تمام نمازوں میں جہر کرو اور نہ ہی تمام نمازوں میں اخفات کرو۔ بلکہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔یعنی بعض نمازوں میں جہر کرو جو رات والی نمازیں ہیں اور بعض میں اخفات کرو جو کہ دن والی نمازیں ہیں(مجمع البیان)۔

اور اسی مفہوم کو صاحب فصل الخطاب نے اختیار کیا ہے اور اس کے درمیان کا راستہ اختیار کرو کہ بعض نمازیں جہر سے پڑھو اور بعض اخفات سے۔جہر واخفات کے تفصیلی احکام معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات عام فقہی کتب یا ہماری قوانین الشریعہ کی طرف رجوع کریں۔

ایک عامتہ البلوٰی مسئلہ کا تذکرہ

آج پندرہویں صدی ہے جو کہ بدنام زمانہ چودیں صدی سے بھی بدتر ہے۔امام زمانہ پردہ غیبت میں روپوش ہیں اور علماء اسلام کی گرفت کمزور پڑ چکی ہے۔عوام بے لگام ہورہے ہیں اور جاہل ذاکرین اور بے دین مقررین کی شاہ زوریاں عروج پر ہیں جو کہ برملا قوم کے عقائد کو خراب کررہے ہیں۔شریعت میں کہیں اضافے کررہے ہیں اور کہیں کمیاں کررہے ہیں اور انہیں اضافوں میں سے ایک نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ بھی ہے جس کے پڑھنے پر آج کل بڑا زور بیان صرف کیا جارہا ہے۔گویا کہ آج نئی شریعت بنائی جارہی ہے یہاں بعض مقررین ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بعض تفاسیر سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں جہر واخفات سے تشہد میں حضرت امیر علیہ السلام کی ولادیت کی شہادت مراہے حالانکہ اس کا اس موضوع سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہاں لاتجہر بصلوتک میں صلوۃ سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں کہ نبی کو حکم ہورہا ہے کہ جب تک میں ان کی ولایت کے اعلان کا حکم نہ دوں تب تک اس کا اعلان نہ کرو اور اسے اس طرح پوشیدہ بھی نہ رکھو کہ خود علی کو بھی نہ بتلاؤ۔ چنانچہ خدا نے یہ حکم میدان خم غدیر میں دیا(تفسیر عیاشی،نورالثقلین،لبرہان)۔ گویا یہ آیت کی باطنی تفسیر ہے کہ نماز سے مراد حضرت علی مراد ہیں یعنی ان کے عقیدہ ولایت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی لیکن اس کا نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ کے جواز سے کیا تعلق ہے؟

دعا ہے کہ خداوند عالم ان لوگوں کو ہدایت دے کہ وہ مداخلت فی الدین سے باز رہیں اور عوام کو ان بازی گروں کے فتنہ وشر سے محفوظ رکھے۔بحق محمدؐ وآلہ محمدؐ

۱۰۴- و قل الحمد للہ۔ الآیۃ

مشرکین کے بعض عقائد پر طنز

کچھ مشرک خدا کی اولاد کے قائل ہیں جیسے یہود ونصاری اور کچھ مشرک حکومت میں دیوی دیوتاؤں کو اس کا شریک مانتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ساری حمد وثنا اسی اللہ کے لیے ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے نہ کوئی اس کی بادشاہی میں اس کا شریک ہے کہ اس کا ہاتھ بٹائے اور نہ ہی کسی عاجزی وکمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے کیونکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اسے کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۰۵- و کبرہ تکبیرا۔ الآیۃ

اس کی کبریائی اور بڑائی اس طرح بیان کرو جیسی کہ بڑائی بیان کرنی چاہیے۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اللہ اکبر کہا۔ امام نے اس سے پوچھا وہ کس سے بڑا ہے؟ اس شخص نے کہا ہر شئی سے بڑا ہے۔ امام نے فرمایا: اس طرح تو تو نے اسے محدود کر دیا؟ (اور اس کا عام چیزوں سے تقابل کیا) اس نے عرض کیا تو پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا: کہہ! ہوا کبر من ان یوصف۔ اللہ اس سے بہت بڑا ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف بیان کی جاسکے (کافی وصافی)۔ تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جو شخص یہ آیت پڑھے وہ تین بار تکبیر کہے (تہذیب الاحکام)۔ حضرت رسول خدا سے مروی ہے فرمایا: یا علی! قل ادعوا اللہ او دعوا الرحمن ایا ما تدعوا تا آخر سورہ کا پڑھنا میری امت کے لیے چوری وغیرہ سے بچنے کا باعث ہے۔ (من لایحضرہ الفقیہ)۔

مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ایک شکستہ حال آدمی کے پاس سے گزرے اور اس سے دریافت کیا۔ یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال بنایا ہے۔ فرمایا: یہ کلمات پڑھا کر:

تو کلت علی الحی الذی لا یموت۔ الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا و لم یکن له شریك فی الملك و لم یکن له ولی من الذل و کبرہ تکبیرا۔

چنانچہ ان کلمات کے پڑھنے سے اس شخص کی بیماری وتنگدستی جاتی رہی اور وہ خوشحال ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

اللھم غیر سوء حالنا الی احسن الحال بحق النبی و الآل۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ بوقت سوا سات بجے دن بفضلہٖ وحسن توفیقہ سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی۔ والحمد للہ اولا و اخرا و ظاھراً و باطناً۔

سورۂ الکہف کا مختصر تعارف

نام

چونکہ اس سورہ میں الکہف یعنی پہاڑ کے غار اور اس غار میں پناہ لینے والے کچھ مخصوص اصحاف الکہف کا قصہ مذکورہ ہے جو کہ اس سورہ کی آیت نمبر ۸ ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم سے لے کر آیت ۲۶ تک مذکور ہے۔اس لئے اس کا نام سورہ کہف مقرر ہوا۔

عہد نزول

اگر پیغمبر اسلام کے تیرہ ۱۳ سال مکی دور نبوت کو حالات وکوائف کے لحاظ سے چار دوروں پر تقسیم کیا جائے تو یہ سورۂ بظاہر تیسرے دور میں نازل ہوئی ہے جبکہ گوابھی ہجرت حبشہ واقع نہیں ہوئی تھی۔مگر کفار کی طرف سے ظلم وجورو اور معاشی طور پر ایسے حالات پیدا کردیے گئے تھے کہ پہلے ہجرت حبشہ واقع ہوئی اور جب یہ دور قریبا ۱۰ ھ کو ختم ہوا تو اس کے بعد چوتھا دور شروع ہوا جس میں ہجرت مدینہ واقع ہوئی۔بہرحال چونکہ اس دور میں مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جارہی تھیں تو انہیں اصحاب کہف کا قصہ سنایا گیا تا کہ ان کا حوصلہ بڑھے کہ پہلے بھی اہل ایمان کو اس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور انہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے کیا کیا مصائب برداشت کیے ہیں۔

اس سورۃ کے موضوعات ومضامین کی اجمالی فہرست

۱۔اصحاب کہف،جناب خضر اور ذوالقرنین کے قصص وحکایات بیان کیے گئے ہیں کیونکہ کفار مکہ نے اہل کتاب کے ایماء سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے آپ سے یہ دریافت کیے تھے۔

۲۔اس سورہ کا آغاز خدا کی حمد وثناء سے کیا گیا ہے جس نے قران کی صورت میں ایک صحیفہ رشد و ہدایت نازل کیا ہے جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں ہے۔

۳۔کفار قریش کو اپنی وقتی اور دنیوی کامرانیوں پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ اگر دعوت اسلام وقرآن کی حقیقت کو جھٹلانے سے باز نہ آئے تو وہ خدا کے عذاب سے محفوظ نہیں رہیں گے۔

۴۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر وضبط کی تلقین کی گئی ہے کہ یہ سرکش لوگ ایمان لائیں یا نہ

لائیں آپ نے اپنا فریضہ بشارت ونذارت ادا کر دیا ہے۔

۵۔ آنحضرت کو دولت دنیا سے مالا مال لوگوں کی بجائے دولت اسلام وایمان سے مالا مال لوگوں کی طرف زیادہ توجہ دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

۶۔ جب آئندہ کوئی کام کرنے کا وعدہ کرنا ہو تو اس وقت ان شاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔

۷۔ بے شک مال ہو یا اولاد وہ دنیوی زندگی کی زینت ضرور ہیں لیکن انجام بخیر ہونے کا دارومدار ایمان وعمل پر ہے۔

۸۔ شیطان کے قوم جن سے ہونے اور اس کی نسل کے موجود ہونے کا تذکرہ۔

۹۔ یاجوج ماجوج کا قصہ۔

۱۰۔ انفس وآفاق میں کلمات الٰہیہ کی بے پایاں وسعت کا بیان۔

۱۱۔ پیغمبر اسلام کے مقام بشریت کا بیان۔

۱۲۔ معجزے اور نشانیاں ظاہر کرنا اور دکھانا اللہ کا کام ہے۔

۱۳۔ وہ حسب مصلحت ظاہر کرتا ہے۔ ایک پیغمبر کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بندوں تک اللہ کا پیغام بے کم وکاست پہنچا دے۔

۱۴۔ جنت وجہنم کی کیفیت۔

۱۵۔ نامہ اعمال کا تذکرہ۔

۱۶۔ زندگانی دنیا کی مثال۔

۱۷۔ سد سکندری کا تذکرہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس سورہ کے پڑھنے کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کرنے کا بڑا ثواب وارد ہوا ہے۔

۱۔ چنانچہ حضرت پیغمبر اسلام سے مروی ہے کہ جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس اثنا میں دجال بھی آ گیا تو خدا اسے اس کے فتنہ وشر سے بھی محفوظ رکھے گا (مجمع البیان) دوسری روایت میں ایک سال تک ہر فتنہ سے محفوظ رہنے کا تذکرہ ہے۔ (ایضاً)

۲۔ نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا: جو سورہ کہف کی دس آیتیں پڑھے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور جو پوری سورہ پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ایضا)

۳۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: جوشخص ہر شب جمعہ میں سورۂ کہف کی تلاوت کرے وہ شہادت کی موت مرے گا اور اسے خدا شہداء کے ہمراہ محشور فرمائے گا اور قیامت کے دن بھی شہداء کے ساتھ کھڑا ہوگا (تفسیر عیاشی وثواب الاعمال)۔

۴۔ نیز آپ سے مروی ہے فرمایا: جوشخص اس سورہ کی آخری آیت قل انما انا بشر مثلکم۔ الآیۃ۔ پڑھ کر سوئے وہ جس وقت چاہے گا اسی وقت بیدار ہوجائے گا۔ (تفسیر البرہان)

۵۔ نیز آپؑ سے مروی ہے فرمایا: جوشخص اس سورہ کو لکھ کر اور تنگ منہ والی شیشی میں بند کر کے گھر میں رکھے تو وہ اور اس کے گھر والے فقر و فاقہ اور قرضہ سے اور لوگوں کی اذیت سے محفوظ رہیں گے اور اگر اسے لکھ کر غلہ کے گودام میں رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ دانہ خراب کرنے والے ہر کیڑے وغیرہ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ (ایضا)

آیات القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ② مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ③ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۤ ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۭ ⑧ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندہ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں رکھی (۱)۔ بالکل سیدھی اور ہموار تا کہ وہ (مکذبین کو) اللہ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان اہل ایمان کو خوشخبری دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے (۲) جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۳) اور تا کہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے (۴)۔ اس بارے میں نہ انہیں کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کو کوئی علم تھا۔ یہ بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں (۵)۔ (اے پیغمبر!) شاید آپ ان کے پیچھے اس رنج و افسوس میں اپنی جان دے دیں گے کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لائے (۶) بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں کہ عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے (۷) اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اسے (ایک دن) یہ چٹیل میدان بنانے والے ہیں (۸)۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ کہف و رقیم (غار اور کتبے) والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے (۹)۔ جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا اے ہمارے پروردگار! اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے اس کام میں ہدایت کا سامان مہیا فرما (۱۰)۔ تو ہم نے غار میں کئی برسوں تک ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈال دیا (۱۱) پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون اپنے ٹھہرنے کی مدت کا زیادہ ٹھیک شمار کر سکتا ہے (۱۲)۔

تشریح الالفاظ

۱۔قیما قیم کے معنی ہیں سیدھا معاملہ اورالقیم علی الامر کے معنی بااختیار متولی کے ہیں۔
۲۔باخع کے معنی غم وغصہ سے اپنے آپ کو ہلاکت تک پہنچانے کے ہیں۔
۳۔صیعداً جرزا وہ زمین جونباتات نہ اگائے یعنی چٹیل میدان۔
۴۔الکہف کے معنی ہیں وسیع غار۔
۵۔الرقیم۔رقیم کے معنی کتاب اور لکھے ہوئے کے ہیں۔
۶۔اوی الفتیۃ اوی یاوی کے معنی پناہ لینے کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۱۔الحمد للہ الذی۔الآیہ

سابقہ سورہ کا اختتام خدا کی حمد وثناء پر ہوا تھا اوراس سورہ کا آغاز اس کی حمد وثناء سے ہورہا ہے۔یہاں بالخصوص جس وجہ سے اس کی حمد کی جاری ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بندہ خاص پردہ کتاب نازل کی ہے جو قیم و مستقیم ہے جس میں نہ کوئی افراط ہے نہ تفریط نہ اختلاف نہ تناقض اور نہ کوئی کمی نہ فصاحت میں نہ بلاغت میں نہ الفاظ میں اور نہ معانی میں اوراس کتاب کی یہ بھی صفت ہے کہ مبشر بھی ہے اور منذر بھی۔بشارت ان کے لیے جو اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں اور نذارت ان کے لیے ہے جو بے ایمان اور بدکار ہیں بالخصوص ان کے لیے جو خدا کے لیے اولاد قرار دیتے ہیں۔جیسے عرب کے بعض قبائل جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے بعض یہود جو عزیر کو بیٹا ٹھہراتے تھے اور نصاریٰ جو عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔یہ جاہل بن جاہل ہیں اس بات کا نہ ان کو علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادے کو کوئی علم ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اکثر مفسرین نے ینذر اور یبشر کا فاعل قران مجید کو قرار دیا ہے اوراسی کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے۔مگر علامہ طبرسی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا فاعل اللہ کے بندہ خاص یعنی حضرت رسول کو قرار دیا ہے اور صاحب فصل الخطاب نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔فتدبر۔

۲۔فلعلك باخع نفسك۔الآیۃ

یہ خدا کا اپنے حبیب کے ساتھ انداز تخاطب ہے جس میں محبت اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے کہ آپ شاید غم میں کڑھ کڑھ کر اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے کہ لوگ اس حدیث یعنی قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کی اسی ہمدردی خلائق کا تذکرہ ایک اور آیت میں بھی کیا گیا ہے۔ عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم۔ تمہیں جو زحمت ہوتی ہو اس پر شاق گزرتی ہے اور وہ تم پر بہت حریص ہیں (کہ تم ہدایت پا جاؤ)۔ اس کلام حق ترجمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جو فرض ہے آپ وہ ادا کر رہے ہیں یعنی تبلیغ دین کر رہے ہیں۔ اب اگر لوگ آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہتے اور راہ راست پر نہیں آتے تو پھر آپ کو اس غم میں گھلنے کی کیا ضرورت ہے لا تحزن علیھم ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم آپ حزن وملال نہ کریں ان سب کی بازگشت بھی ہماری طرف ہے اور پھر سب کا حساب وکتاب بھی ہم پر ہے۔

۱۳- انا جعلنا ما علی الارض۔ الآیة

جو کچھ زمین پر ہے یہ مکین، یہ سامان، یہ ساز اور یہ کان، یہ باغ یہ پہاڑ، یہ مرغزار اور یہ کوہسار۔ الغرض جو کچھ روئے زمین پر ہے یہ زمین کی زینت اور سجاوٹ ہے اور لوگوں کے لیے آزمائش ہے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ دنیا کی اس زیب وزینت اور دلفریبیوں میں کھو کر اپنے مقصد خلقت سے دور کون کوتاہ اندیش ہوتا ہے؟ اور کون بلند نگاہ حالات میں گھر کر بھی اپنے مقصد حیات پر قائم رہتا ہے اور اپنے خالق و مالک کی بندگی کا فریضہ ادا کرتا ہے؟ یاد رکھو۔ دنیا کی یہ بہار اور یہ عیش وعشرت اور یہ سب ساز وسامان چندروزہ اور فانی ہے اور دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے۔ ہم ایک نہ ایک دن روئے زمین کی ان سب چیزوں کا نام ونشان بھی مٹا دیں گے اور اس کی یہ سب رونقیں ختم کر دیں گے اور ساری زمین کو چٹیل میدان بنا دیں گے۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ یعنی ع

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

۱۴- ام حسبت ان اصحاب الکھف۔ الآیة

اصحاب کہف کی داستان کا خلاصہ

جن لوگوں کی قرآن پر گہری نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ قرآن عبرت وبصیرت اور اخلاقی اسباق اور ان عواقب پر زیادہ نگاہ رکھتا ہے وہ اشخاص وافراد اور دیار وامصار پر اپنی زیادہ توجہ مرکوز نہیں کرتا۔ اسی لیے ہماری بھی عادت ہے کہ جس بات کی نہ قرآن میں وضاحت ہو اور نہ احادیث صحیحہ میں صراحت ہم ان تفصیلات کو نظر

انداز کر دیتے ہیں اور یہاں کچھ صورت حال یہی ہے کہ اس قصہ کی تفصیلات کے سلسلہ میں قرآن و حدیث خاموش ہیں۔ ہاں البتہ اکثر قدیم و جدید مفسرین نے اسے مسیحی دور کا قصہ قرار دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈی سی ایس (دقیانوس رومی) متوفی ۲۸۱ء کے دور کا ہے۔ جو بڑا بت پرست تھا اور رعایا کو بھی بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور نہ کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا۔ یہ چند نوجوان جنہوں نے مروجہ دین شرک کو چھوڑ کر وقت کے نئے دین توحید یعنی حقیقی مسیحیت کو اختیار کیا تھا اور طرح طرح کے ظلم برداشت کیے تھے جن کی تعداد تین، پانچ اور سات بیان کی جاتی ہے مگر قرآن نے تین اور پانچ والے قول کو رجما بالغیب کہہ کر اور سات والے قول پر خاموشی اختیار کر کے گویا اس کی صحت پر مہر لگائی ہے۔ بہرحال ان کے ساتھ ان کا کتا بھی تھا۔ یہ جواں وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لی اور قدیر و خبیر خدا نے ان پر نیند غالب کر دی جو کچھ اوپر تین سو سال تک وہیں سوتے رہے۔ اور چونکہ وہ افراد جب بھاگ کر غار میں پناہ گزین ہوئے تھے تو دقیانوس نے ان کا تعاقب کیا تھا اور اپنے وزیر سے جو اندر سے موحد تھا کہا تھا کہ اندر جا کر ان کا حال دیکھو۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ وہ مر گئے ہیں تو بادشاہ خاموش ہو گیا اور ان کے نام کی تختی وہاں پر آویزاں کر دی۔ اسی مناسبت سے ان لوگوں کو اصحاب الکہف والرقیم کہا جاتا ہے۔ یعنی غار اور کتبہ والے لوگ اور بعض مفسرین کے بقول اس جگہ کا نام رقیم ہے جہاں وہ غار واقع ہے (تفسیر تبیان) اور جب وہ جاگے اور شہر میں گئے تو حالات یکسر بدل چکے تھے حکومت بدل چکی تھی اور اس کا مذہب شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔

بہرحال انہوں نے خدا سے دعا کی اور اس رحیم و کریم خدا نے ان پر پھر نیند غالب کر دی اور جس شہر کے کھنڈروں میں شہر سے باہر انہوں نے پناہ لی تھی اس کا نام افسوس بہ کسرہ اول ہے۔ موجودہ شہر ایاسلاک یہیں قائم ہے۔ ایشیائے کوچک میں سمرنا سے ۴۶ میل اور ساحل سمندر سے ۶ میل کے فاصلہ پر ہے (از رسالہ اعلام القرآن یا قرآنی شخصیتیں مع اضافہ)۔

بہرحال جس قصہ کو خود خدا نے مجمل رکھا اور رسول نے بھی اس کی تفصیل بیان نہ فرمائی۔ ہمارے لیے اس کی تفصیلات کا جاننا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بغیر دین و مذہب کا کوئی کام رکا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے تاکہ اس میں مختلف واقعات کی تفصیلات تلاش کی جائیں اور نہ ہی جغرافیہ کی کوئی کتاب ہے تاکہ نقشوں کی مدد سے ان واقعات کا محل وقوع ڈھونڈا جائے جیسا کہ بعض جدید مفسرین نے یہ بے کار کاوش کی ہے۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے کوئی بڑی عجیب

نشانی تھے؟ یعنی قدرت کی کارگزاریوں اور اس کی نیرنگیوں سے تو کائنات بھری پڑی ہے۔ ان کے مقابلہ میں اصحاب کہف کے قصہ میں کوئی خاص ندرت اور عجیب بات نہیں ہے۔ ولنعم ما قیل۔

کاخ جہاں پر است زد کر گذشتگان
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

اس قصہ کی باقی تفصیلات ذیل میں آرہی ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ اس غار میں سخت اختلاف ہے جس میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی کہ وہ کہاں واقعہ ہے؟ کیونکہ اس نام کی کئی غاریں پائی جاتی ہیں۔ علامہ طباطبائی نے المیزان میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد وہ غار ہے جو اردن کے دارالحکومت عمان سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ واللہ العالم۔

آیات القرآن

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۖ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ!) ہم آپ کو ان کا اصل قصہ سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔(۱۳) اور ہم نے ان کے دل اس وقت اور مضبوط کر دیے جب وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا اور کسی کو معبود ہرگز نہیں پکاریں گے۔ ورنہ ہم بالکل ناحق بات کے مرتکب ہوں گے۔(۱۴) یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر اور خدا اپنا لیے ہیں، یہ لوگ ان کی خدائی پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔(۱۵) اور (پھر آپس میں کہنے لگے) اب جب کہ تم نے ان لوگوں سے اور ان کے ان معبودوں سے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں علیحدگی اختیار کر لی ہے تو غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت (کا سایہ) تم پر پھیلائے گا۔ اور تمہارے اس کام کے لئے سروسامان مہیا کر دے گا۔(۱۶) اور (وہ غار اس طرح واقع ہوئی ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف مڑ جاتا ہے۔ اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے غار سے بائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے۔ اور وہ ایک کشادہ جگہ پر (سوئے ہوئے) ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک (نشانی) ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے تو تم اس کے لئے کوئی یار و مددگار اور راہنما نہیں پاؤ گے۔(۱۷)

تشریح الالفاظ

۱۔شططاً۔شططا کے معنی حق سے دوری اور ظلم و زیادتی کرنے کے ہیں۔

۲۔تزاور کے معنی ہیں ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا اور تزاور عنہ کے معنی منحرف ہونے اور مڑنے کے ہیں۔

۳۔فجوۃ کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان کشادگی اور کشادہ جگہ اور آرام کی جگہ۔

۴۔مرفقا کے معنی ہیں وہ چیز جس سے سہارا لیں۔

تفسیر الآیات

۵۔نحن نقص علیك۔ الآیة

چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی تشریف آوری سے پہلے اصحاب کہف کا قصہ مختلف اندازوں میں بیان کیا جاتا تھا تو جب کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو خدا نے سورۂ کہف نازل کر کے اصلی اور حقیقی صورت واقعہ سے لوگوں کو اس طرح آگاہ کر دیا کہ اب اس میں نہ کوئی افراط ہے اور نہ کوئی تفریط اور نہ کوئی مبالغہ آرائی ہے اور نہ کوئی داستان سرائی تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے اور ہر قسم کی غلط باتوں کا خاتمہ ہو جائے۔

۱۶۔انھم فتیة۔ الآیة

فتیۃ فتی کی جمع ہے جس کے معنی جوان کے ہیں۔اس سے ان لوگوں کی نوجوانی کا اظہار تو ہوتا ہی ہے مگر چونکہ فتوہ کے معنی سخاوت، جوانمردی، مروت اور کرم کے بھی ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوصاف جمیلہ کے بھی مالک تھے۔نیز فتوۃ کے معنی بذل الندی، مال خرچ کرنا، تبرك الاذی (کسی کو اذیت نہ پہنچانا) اور ترک الشکوی (کسی سے اپنی حالت کا شکوہ نہ کرنا) بھی ہیں۔نیز یہ لفظ اجتناب از محارم اور اشتمال بر مکارم کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔لہٰذا ان لوگوں کو ان صفات سے بھی متصف تسلیم کرنا پڑے گا۔(مجمع البیان)

۷۔ھولاء قومنا۔ الآیة

یہ ان کی ہمت مردانہ تھی اور حق کی طاقت اور خدا کی خاص توفیق کہ وہ حاکم وقت یا حالات حاضرہ کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ گئے اور صاف کہہ دیا کہ ہر چہ بادا باد ہم مالک زمین و آسمان اور خالق دو جہاں کے سوا کسی اور کی پرستش نہیں کریں گے۔یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ان کا شہر (افسوس) ایشیائے کوچک میں بت پرستی اور جادوگری کا سب سے بڑا مرکز تھا اور وہاں ڈائنا دیوی کا ایک بہت بڑا مندر تھا جس کی پوجا پاٹ کرنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ان حالات میں خدا پرستوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ اصحاب کہف کے اس جملہ سے ہو جاتا ہے جو آیت نمبر ۲۰ میں مذکور ہے۔انھم ان یظھروا علیکم۔ الآیة کہ اگر ان لوگوں کو اطلاع ہوگئی تو وہ تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا پھر زبردستی ہمیں اپنی ملت

میں واپس لے جائیں گے۔

۸۔و اذا اعتزلتموھم ۔ الآیۃ

پھران نوجوانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تم قوم اوران کے باطل معبودوں کو چھوڑ چکے ہوتو پھر ان شریرلوگوں کے فتنہ وشر سے بچنے اور فراغت قلبی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کا یہی راستہ ہے کہ پہاڑ کی کسی غار میں پناہ لو۔ چنانچہ بےخطراس میں داخل ہو گئے اوراپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا کہ اب اس کی جو مرضی ہے وہ کرے۔ ہم راضی برضاء خدا ہیں۔ ایک بندہ مومن ومتوکل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ایسے حالات میں اپنے سب معاملات خدا کے سپرد کر دیتا ہے اور بڑے اطمینان سے کہتا ہے وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔ اور جب بندہ کا ایمان وتوکل اس حد تک پہنچ جائے تو پھر خدا اس کا کفیل ہو جاتا ہے اور اگر تمام اہل زمین وآسمان مل کر بھی اسے ضرر وزیاں پہنچانا چاہیں تو وہ اس کے لیے کشائش کار کی راہ نکال لیتا ہے اور اسے نجات عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس بےسروسامانی کی حالت میں خداوند عالم نے اصحاب کہف سے یہی کیا کہ اپنے فضل وکرم سے ان کو صبر وثبات اور ہمت واستقلال کی دولت سے مالا مال کہ کے ان پر نیند غالب کر دی اور وہ آرام وسکون سے سو گئے اور کئی سو سال تک اطمینان سے سوتے رہے نہ سورج کی تمازت نے انہیں ستایا اور نہ موسم کے تغیر وتبدل نے انہیں کوئی رنج پہنچایا۔

۹۔و تری الشمس اذا طلعت۔ الآیۃ

اب اس کی وجہ خواہ طبیعی اسباب قرار دی جائے کہ اس غار کا دہانہ شمال کی طرف ہے اور خواہ اسے خدا کی قدرت کا خاص کرشمہ سمجھا جائے۔ بہرحال وہ غار کی کشادہ جگہ پر آرام کی نیند سوئے ہوئے تھے اور سورج کی دھوپ ان پر نہیں پڑتی تھی، بلکہ جب وہ طلوع ہوتا تو غار کو چھوڑ کر دائیں طرف مڑ جاتا اور جب غروب ہوتا تو ان سے بائیں طرف کترا کر نکل جاتا۔ بہرحال انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچاتا تھا۔ ذلک من آیات اللہ۔

۱۰۔من یھد اللہ۔ الآیۃ

اس آیت کی قبل ازیں کئی مقامات پر تفسیر وتشریح گزر چکی ہے۔ بالخصوص سورہ اعراف کی آیت ۱۷۸ میں من یھدی اللہ فھوا المھتدی ومن یضلل۔ الآیۃ۔ اورسورۂ اسراء کی آیت ۹۷ و من یھد اللہ فھو المھتد۔ الآیۃ۔ کی تفسیر میں ملاحظہ کی جائے۔

آیاتُ القرآن

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ
الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ
لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝۱۸ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ
لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا
اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا
فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ
يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا
اَبَدًا ۝۲۰ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ
السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا
عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ
لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا
قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ
مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝۲۲

ترجمۃ الآیات

اورتم انہیں دیکھوتو خیال کرو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا غار کے دھانے پر اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے اگرتم انہیں جھانک کر دکھوتو تم الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو۔ اور تمہارے دل میں دہشت سما جائے (۱۸)۔ اور (جس طرح انہیں اپنی قدرت سے سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا بٹھایا تا کہ آپس میں سوال و جواب کریں۔ چنانچہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہوگے؟ دوسرے نے کہا ہم ایک دن ٹھہرے ہوں گے یا دن کا کچھ حصہ (پھر) بولے تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنا ٹھہرے؟ اچھا اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ شہر دے کر بھیجو۔ وہ (جا کر) دیکھے کہ کونسا کھانا زیادہ پاک و پاکیزہ ہے۔ تو وہ اس میں سے کچھ کھانا تمہارے لیے لائے اور اسے چاہیے کہ ہوش و تدبر سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے (۱۹)۔ یقیناً اگر ان لوگوں کو تمہاری اطلاع ہوگئی تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر (زبردستی) تمہیں اپنے دین کی طرف واپس لے جائیں گے اور اس طرح تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے (۲۰)۔ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کیا تا کہ وہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ (بستی والے) لوگ ان (اصحاب کہف) کے معاملہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے (کہ کیا کیا جائے؟) تو (کچھ) لوگوں نے کہا کہ ان پر (یعنی غار پر) ایک (یادگاری) عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ہی ان کو بہتر جانتا ہے (آخرکار) جو لوگ ان کے معاملات پر غالب آئے تھے وہ بولے کہ ہم ان پر ایک مسجد (عبادت گاہ) بنائیں گے (۲۱)۔ عنقریب کچھ لوگ کہہ دیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ کہہ دیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ (اے رسول!) کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے اور بہت کم لوگوں کو ان کا علم ہے۔ سو ان کے بارے میں سوائے سرسری گفتگو کے لوگوں سے زیادہ بحث نہ کریں اور نہ ہی ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ پوچھیں (۲۲)۔

تشریح الالفاظ

۱۔بالوصید۔وصید کے معنی ہیں چوکھٹ اور غار کے ہیں۔

۲۔یرجموکم رجم کے معنی سنگسار کرنے کے ہیں۔

۳۔فلا تمار مراء کے معنی ہیں بحث وتمحیص کرنا۔

تفسیر الآیات

۱۱۔و تحسبھم ایقاظاً۔الآیۃ

تم انہیں دیکھو تو خیال کرو کہ وہ جاگ رہے ہیں کیونکہ ان کی آنکھیں اس طرح کھلی ہوئی ہیں کہ گویا آگے کی طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کے جسم بالکل تروتازہ ہیں اور ان کے رگ وریشہ میں خون گردش کررہا ہے اور پھر وقتاً فوقتاً کروٹیں بھی بدلتے رہتے ہیں۔لہٰذا انہیں جھانک کر دیکھنے والا یہی خیال کرتا ہے کہ وہ جاگ رہے ہیں۔حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

۱۲۔و کلبھم باسط۔الآیۃ

کتا اگرچہ فقہی نقطہ نگاہ سے حرام ہے اور نجس بھی، مگر اس کی وفاداری، پہرہ داری اور آقا پرستی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔یقیناً کسی شرعی ضرورت کے تحت ہی ان کے پاس ہوگا۔علاوہ بریں کتا رکھنے اور پالنے کی مخالفت اسلام میں ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ مسیح کے دین میں ممنوع نہ ہو۔یا پھر جائیداد اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے رکھا ہو۔الغرض جب ان صالح نوجوانوں نے شہر سے ہجرت کی تو ان کا وفادار کتا بھی ساتھ ہولیا اور جب وہ غار میں داخل ہوئے تو وہ غار کے دھانے پر اپنے دونوں بازو پھیلا کر بیٹھ گیا۔جناب شیخ سعدی نے اچھی اور بری صحبت کے اثر کے بارے میں قدرے مبالغہ آمیز لہجے میں کیا خوب کہا ہے ؎

پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت آدم شد

ولنعم ما قیل

احب الصالحین و لست منھم

لعل الله یرزقنی الصلاحا

۱۳- لو اطلعت علیهم۔ الآیة

یہ خطاب ہر مخاطب کو ہے۔ خاص پیغمبر اسلام کو نہیں ہے کہ اگر چہ خدا اور رسول نے اصحاب کہف کے نظارہ سے اس دہشت و ہیبت کے طاری ہونے کی وجہ بیان نہیں فرمائی اس لیے جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن نظر بظاہر حالات جب ایک اندھیری غار میں چند آدمی اس طرح بے سدھ سوئے ہوئے ہوں اور دھانے پر کتا بیٹھا ہوا ور پھر ان لوگوں کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہوں تو یقیناً اس دہشت ناک منظر کو کوئی جھانکنے والا دیکھے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا ور عین ممکن ہے کہ اس میں یہ حکمت کارفرما ہو کہ اس طرح کسی کے ان کے قریب نہ جا سکنے سے ان کے جسم محفوظ رہیں اور مدت دراز تک ان کے حالات پر پردہ پڑا رہے۔

۱۴- و کذلك بعثناهم۔ الآیة

یہ لفظ تشبیہ (کذلک) بتاتا ہے کہ جس طرح اصحاب کہف کا مدت دراز تک سلانا عجیب تھا اور خدا کی قدرت کاملہ کا کرشمہ تھا اسی طرح مدتِ دراز کے بعد ان کو بیدار کر کے صحیح و سالم اٹھانا بھی خدائے قدیر کی قدرت کا دوسرا کرشمہ ہے۔

فائدہ:

قرآن مجید میں جہاں بھی موت کے بعد اٹھانے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں یہی لفظ (''بعث'') استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ مرنے والے کو کوئی علم نہیں ہوتا وہ کتنا عرصہ اس حالت میں پڑا رہا ہے اور یہاں بھی جس لمبی نیند کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کی بھی یہی کیفیت ہے کہ سونے والوں کو کوئی پتہ نہیں ہے کہ وہ کتنے عرصہ تک اس حالت میں رہے ہیں؟ لہٰذا مردہ اور سوتا برابر ہے اور سچ ہے کہ النوم اخت الموت کہ نیند موت کی بہن ہے۔

۱۵- لیتسائلوا بینهم۔ الآیة

ایک سوال کا جواب

یہاں اس آیت میں اٹھائے جانے یعنی بیدار کیے جانے کی وجہ یہ بیان کی گی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں کہ وہ یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہیں؟ جبکہ اسی سورہ کی آیت ۱۲ میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ہم دیکھیں کہ دو گروہوں سے کس کو غار میں ٹھہرنے کی مدت خوب یاد ہے؟ تو ہم عرض کریں گے کہ ان دونوں

باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ تو ایک ظاہری صورت حال کا اظہار ہے کہ ان کے بیدار ہونے پر یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ نیند کی مدت کے بارے میں کسی نے ایک دن کہا اور کسی نے ایک دن کا کچھ حصہ۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے اٹھانے کا مقصد یہی تھا بلکہ اصل مقصد یہ تھا جو آیت ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صورت دیکھ کر ان کے ایمان وایقان اور معرفت میں اضافہ ہو اور جن کو بعثت بعد الموت میں شک ہے ان کو یہ منظر دیکھ کر اس کا علم الیقین ہو جائے کہ وہ برحق ہے۔ لیعلموا ان وعد اللہ حق و ان الساعة لا ریب فیها۔

-۱۶ فابعثوا احدکم۔ الآیة

الغرض جب وہ طویل نیند کے بعد بیدار ہوئے تو جسم کے طبعی تقاضوں کے مطابق ان کو بھوک محسوس ہوئی جس کا انہیں اس سے پہلے احساس نہیں ہوا تھا اور چونکہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو ان کے پاس اس زمانہ کا چاندی کا سکہ موجود تھا۔ لہٰذا اپنے میں سے ایک شخص کو منتخب کیا کہ وہ شہر میں جائے اور وہاں سے پاک وصاف یعنی حلال کھانا لائے تا کہ بھوک کا مداوا کیا جائے اور اسے یہ تاکید بھی کی کہ ہوشیاری سے کام لے کسی کو کانوں کان اپنے حالات کی خبر نہ ہونے دے۔ درمیان میں قصہ کی تمام کڑیاں محذوف ہیں۔ رابطہ کلام کیلئے عرض ہے کہ جب وہ شخص وہ سکہ لے کر شہر میں گیا تو وہاں حالات کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ بت پرست بادشاہ (دقیانوس) مدت ہوئی واصل جہنم ہو چکا تھا۔ اب اس کی جگہ دین مسیح کا پابند نیک بادشاہ متمکن تھا۔ بہر حال وہ جب دکاندار کے پاس گیا تو اس کا سکہ، لباس، وضع قطع اور زبان وکلام غرضیکہ جب لوگوں نے اس کی ہر چیز نرالی دیکھی تو جنگل کی چنگاری کی طرح یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ جمع ہو گئے اور وہ تماشا بن گیا۔ خلاصہ یہ کہ لوگ اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے اور اس نے تمام ماجرا بیان کیا۔ ان لوگوں نے پہلے سنا ہوا تو تھا کہ قریباً تین سو سال پہلے کچھ لوگ اپنا دین وایمان بچانے کیلئے بت پرست حاکم کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ تو لوگوں کا جم غفیر اس کے ساتھ غار پر پہنچا۔ مگر وہ شخص سب سے پہلے غار میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ تو ان سب نے گڑگڑا کر بارگاہ رب العزت میں دعا والتجا کی کہ ان پر نظر عنایت فرمائے اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرے جس میں اس کی رضا اور ان کی صلاح ہے۔ چنانچہ اس کے بعد فوراً ان کا انتقال ہو گیا اور ان کے ارواح ملاء اعلیٰ کی طرف انتقال کر گئے۔ اور ان لوگوں نے جو وہاں آئے تھے وہاں غار کے پاس ایک مسجد یعنی عبادت گاہ تعمیر کی۔ (مجمع البیان تفسیر کاشف) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خدا نے اس پر حسب سابق نیند غالب کر دی۔ (تفسیر نور الثقلین)

۱۷- و كذلك اعثرنا ـ الآيه

اگرچہ اب وہاں کے لوگ عموماً عیسائیت قبول کر چکے تھے جس میں عقیدہ آخرت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مگر ہنوز سابقہ رومی مشرک حکومت کے کچھ آثار شرک وبت پرستی باقی تھے۔ لہٰذا ایک سریانی روایت کے مطابق اس دور میں قیامت کے بارے مین بڑے زور وشور سے بحث ہو رہی تھی۔ عین اسی وقت اصحاب کہف کا یہ واقعہ پیش آیا۔ جس نے بعث بعد الموت کی صداقت اور قیامت کی حقانیت پر نا قابل رد ثبوت پیش کر دیا۔ جس کے بعد اس کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

۱۸- سیقولون ثلاثه ـ الآیه

باقی اختلافات کی طرح اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی تھی؟ ایک قول ہے تین، چوتھا کتا، دوسرا قول ہے پانچ اور چھٹا کتا۔ مگر خدائے علیم نے یہ دونوں قول نقل کر کے اسے رجماً بالغیب اندھیرے میں تیر مارنا قرار دیا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ اس قول پر خدا نے کوئی تنقید نہیں فرمائی جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ قول صحیح ہے۔ اور یہی قول ابن عباس سے مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ بات پیغمبر اسلامؐ ہی سے سنی ہوگی۔ (مجمع البیان)۔ ان کی تعداد اور دیگر حقائق کا علم قلیل لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ وارثان قرآن ہی ہو سکتے ہیں۔ ہاں البتہ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ وہ ان قلیل لوگوں میں سے ہیں جو اصحاب کہف کی تعداد جانتے ہیں کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (تفسیر تبیان) اور ظاہر ہے کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کی شاگردی کا ہی فیض ہوسکتا ہے۔

۱۹- فلا تمار فیهم ـ الآیه

ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ جب قلیل لوگوں کے سوا ان کی تعداد کوئی نہیں جانتا اور آپ کو خدا نے حقیقت بتا دی ہے۔ تو سرسری اور صاف بحث کے سوا اس معاملہ میں کسی سے کوئی بحث نہ کریں اور نہ ہی کسی سے پوچھ گچھ کریں۔ ظاہر ہے کہ جب کسی کی غلط بات کو غلط ثابت کرنے کا کوئی قطعی ذریعہ موجود نہ ہو تو پھر اس سے الجھنے کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اور وہ ساری بحث لا حاصل ہو کر رہ جاتی ہے۔

آیاتُ القرآن

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ
رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا
رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾
قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ
وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ
تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ
زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ
وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ
بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ
عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى
الْاَرَآىِٕكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ کسی چیز کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں کل اسے ضرور کروں گا۔ (۲۳) مگر یہ کہ خدا چاہے (یعنی اس کے ساتھ انشاء اللہ کہا کرو) اور جب بھی بھول جائیں تو اپنے پروردگار کو یاد کریں۔ اور آپ کہہ دیجئے! کہ امید ہے کہ میرا پروردگار ایسی بات کی مجھے راہنمائی کرے جو رشد و ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔ (۲۴) اور وہ لوگ غار میں رہے نو برس اوپر تین سو سال۔ (۲۵) کہہ دیجئے! کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے؟ تمام آسمانوں اور زمین کا (علم) غیب اسی کیلئے ہے وہ کتنا بڑا دیکھنے والا اور کتنا بڑا سننے والا ہے۔ اللہ کے سوا ان لوگوں کا کوئی سرپرست نہیں ہے اور نہ وہ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔ (۲۶) (اے رسولؐ!) آپ کے پروردگار کی طرف کتاب (قرآن) کے ذریعے سے جو وحی کی گئی ہے۔ اسے پڑھ سنائیں۔، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ (۲۷) اے رسولؐ! جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں آپ ان کی معیت پر صبر کریں۔ اور دنیا کی زینت کے طلبگار ہوتے ہوئے ان کی طرف سے آپکی آنکھیں نہ پھر جائیں۔ اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل چھوڑ رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے اس کی اطاعت نہ کریں۔ (۲۸) اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کیلئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں انہیں گھیر لینگی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائیگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا۔ جو چہروں کو بھون ڈالے گا کیا بری چیز ہے پینے کی۔ اور کیا بری آرام گاہ ہے۔ (۲۹) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ یقیناً ہم نیکو کار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (۳۰) یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے ہمیشگی کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی انہیں ان میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سبز ریشم کے باریک اور دبیز کپڑے پہنیگے اور وہ ان میں مسندوں پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا

ہی اچھا ہے ان کا ثواب اور کیا ہی اچھی ہے ان کی آرام گاہ۔(۳۱)

تشریح الالفاظ

ا۔ملتحداً اس لفظ کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ ۲۔فرط اس کے معنی ہیں حد سے گزرا ہوا۔اسراف اور ظلم و زیادتی۔ ۳۔سرادق اسکے معنی شامیانہ خیمہ اور اوپر جو چھایا ہوا غبار۔ ۴۔کالمھل مبل کے معنی ہیں پگھلی ہوئی دھات ۵۔اساور یہ سوار کی جمع ہے جس کے معنی کنگن کے ہیں۔ ۶۔ارائک یہ اریکہ کی جمع ہے جس کے معنی مزین اور آراستہ تخت کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۰۔ولا تقولن لشئٍ ۔ الآیہ

چونکہ خداوند عالم ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا معلم و مربی ہے اس لئے آپ کی اور آپ کی امت کی تعلیم و تادیب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ جب کل کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے ساتھ انشاء اللہ ضرور کہہ دیا کریں ۔ کیونکہ جس قدر بھی کسی کام کے وسائل مہیا ہوں مگر کامیابی کا دارومدار خدا کی مشیت پر ہے۔اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔وما شاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن علاوہ ازیں کیا پتہ کل تک آدمی زندہ بھی رہتا ہے یا نہیں؟ کیا پتہ کب پیک اجل آ جائے؟ مزید برآن ایک بندہ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات خدا کے سپرد کرے اور کہے و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

بے شک ع

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصہ کے بارے میں سوال کیا اور آپؐ نے فرمایا کہ میں کل جواب دوں گا۔اور اسکے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔جس کی وجہ سے پندرہ دن تک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔جس کی وجہ سے آپؐ ایفائے عہد نہ کر سکے۔اور

پریشان ہوئے۔مگر قرآن کے سیاق وسباق سے اس روایت کی تصدیق نہیں ہوتی۔اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ آیت اس قصہ کے آغاز میں آتی یا اس واقعہ کے اختتام پر آتی۔مگر اس کا یہاں آنا تو بالکل بے جوڑ نظر آتا ہے۔اصحاب کہف کا یہ قصہ بتاتا ہے کہ خداوند عالم ازخود یہ واقعہ بیان کررہا ہے تاکہ اس کی اصل حقیقت لوگوں کے سامنے آجائے۔اور اہل کتاب میں اس کے بارے میں جو اختلاف پایا جاتا تھا۔اس کی اصلاح ہوجائے۔واللہ العالم۔

۲۱-واذکر ربك۔الایہ

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر کبھی آدمی اتفاقاً انشاءاللہ کہنا بھول جائے تو پھر جب یاد آجائے خواہ ایک دن کے بعد یاد آئے یا ایک ماہ کے بعد یا ایک سال کے بعد تو اسی وقت یاد الٰہی کا سلسلہ شروع کردینا چاہیے۔یعنی فوراً انشاءاللہ کہنا چاہیے۔اس سے تلافی ہوجائے گی۔(مجمع البیان ونورالثقلین)

مخفی نہ رہے کہ فقہانے اس سے یہ حکم استنباط کیا ہے کہ اگر یہ انشاءاللہ محض اظہار بندگی اور تبرک کی نیت سے کہا جائے تو اس سے کسی معاملہ کی صحت وپختگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اگر اس سے استثناء اور تعلیق کا ارادہ کیا جائے تو پھر معاملہ مشکوک ومشروط ہوجائے گا۔اور قسم توڑنے پر کفارہ لازم نہیں آئے گا۔بہرحال ان مسائل کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔

ایضاح:

مخفی نہ رہے کہ یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا رسولؐ نے انشاءاللہ کہنا ترک کیا تھا۔اس لئے خدا کو تنبیہ کرنا پڑی؟اور آیا آپ کیلئے سہوونسیان کا امکان ہے کہ ایسا کہا گیا ہے کہ جب بھول جاؤ تو یاد آنے پر اس کی تلافی کرو؟اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں خطاب چونکہ رسول خداؐ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے(تفسیر سید شبر مطبوعہ مصروایران)اور دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی بات سے زیادہ سے زیادہ ترک اولی لازم آتا ہے جو عصمت کے منافی نہیں ہے۔اور نسیان والے ایراد کا مکمل جواب ہم سورہ انعام کی آیت ۶۸ کی تفسیر میں جلد ۳ کے اندر واضح کرآئے ہیں۔وہاں رجوع کیا جائے۔

۲۲-ولبثوا فی کھفھم۔الآیہ

کہا جاتا ہے کہ تین سونو سال کیوں نہیں کہا گیا۔بلکہ یوں کیوں کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک اصحاب کہف غار میں رہے اور اوپر نو سال؟اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ایک یہودی سائل

کے جواب میں فرمایا تھا کہ شمسی حساب سے تین سو سال تھے اور قمری حساب سے تین سو نو۔ کیونکہ ہر شمسی سو سال کے ساتھ تین سال قمری کا اضافہ ہوتا ہے۔ (مجمع البیان) معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو اس مدت کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ تامل تھا۔ اسی لئے کہا گیا کہ پروردگار بہتر جانتا ہے جس نے ان لوگوں کو سلایا تھا اور جگایا بھی تھا۔ اور وہی آسمانوں و زمین کے سب علم غیب کا عالم ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام کے بتائے ہوئے سن و سال خدا کے عطا کردہ علم کا نتیجہ ہیں۔ جس کی صحت لا کلام ہے۔

اس قصہ سے حاصل شدہ درس ہائے عبرت

یہاں پر اصحاب کہف کا قصہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور لوگوں کیلئے کئی درس ہائے عبرت چھوڑ جاتا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) اسلاف اور اکابر کی اندھی تقلید جائز نہیں بلکہ حق و حقیقت کی جستجو کرنا اور پھر اس کی اتباع کرنا لازم ہے۔ (۲) اگر ماحول غلط ہو اور سعی و کوشش سے بھی اصلاح نہ ہو سکے تو پھر ایسے معاشرے سے ہجرت کر جانا ضروری ہے۔ (۳) جو کٹھن حالات میں خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ ان کی غیبی مدد کرتا ہے اور اپنے اوپر اعتماد کرنے والوں کو اعتماد کے ٹھیس نہیں پہچاتا۔ (۴) اگر مخالفین سے گفتگو کرنی پڑے تو مدلل انداز میں کرنی چاہئے۔ (۵) ایک بندہ مومن کو نرم و گرم حالات میں اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وبس

۲۳- واتل ما اوحی الیك۔ الآیه

اے رسولؐ! قرآن کے ذریعے سے آپ کو جو وحی کی گئی ہے وہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیں کیونکہ اللہ کے کلمات یعنی اس کے بیان کردہ واقعات اور اس کے احکام کو کائنات کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا کیونکہ ان الحکم الا اللہ۔ حقیقی حاکم صرف خدا ہی ہے۔ اور انبیاء اسی کے حکم سے مبلغ اور نافذ کرنے والے ہوتے ہیں۔ من لم یحکم بما انزل الیه فاولئك هم الکافرون۔

۲۴- واصبر نفسك مع الذین۔ الآیه

اس آیت کی شان نزول

مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک بار عینیہ بن حصس فزاری جو کہ قبیلہ مضر کا سردار اور رئیس مکہ تھا۔ حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ جناب سلمانؓ، ابوذرؓ، عمارؓ اور صہیبؓ اور چند اور مساکین صحابہ کرام آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ لباس بوسیدہ تھا اور ہیئت فقیرانہ تھی

۔گرمی کا موسم تھا اوران کے کپڑوں سے بو آ رہی تھی ۔ وہ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا کہ یہی لوگ ہمیں آپؐ کے پاس آنے جانے اور ایمان لانے سے مانع ہیں ۔ لہٰذا اگر آپ ان لوگوں کو اپنے سے الگ کر دیں یا ان کیلئے نشست کا علیحدہ انتظام کر دیں تو پھر ہم آ سکتے ہیں ۔ ابھی پیغمبر اسلامؐ نے اس کے مطالبہ کا ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ جبرائیل امین رب جلیل کا یہ پیغام لے کر آ گئے ۔ **واصبر نفسك مع الذين** ۔ اے میرے حبیب! اپنے آپ کو انہی غریب مگر مخلص و جان نثار صحابہ کرام کے ساتھ رکھو کیونکہ وہ میرے ساتھ ہیں ۔ اور ان دولتمندوں کی ناراضی اور اپنے پاس آنے جانے اور اسلام لانے یا نہ لانے کی کوئی پرواہ نہ کریں ۔ **ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون** ۔ کیونکہ اللہ متقیوں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے ۔ نہ کہ زمینداروں اور سرمایہ کاروں کیساتھ ۔ (مجمع البیان، قرطبی وغیرہ)

مخفی نہ رہے کہ **من اغفلنا** میں غفلت کی نسبت خدا کی طرف مجازی ہے ۔ کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے ورنہ ہر شخص اپنے اختیار سے غفلت اختیار کرتا ہے ۔ **وما ربك يريد ظلما للعباد** ۔ اور اس بات کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے ۔ واضح رہے کہ قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ۵۲ **ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي** ۔ الآیہ ۔ کی تفسیر میں اس موضوع کی وضاحت کی جا چکی ہے ۔

۲۵- وقل الحق من ربكم ۔ الآية

حق پوری آب و تاب اور رعنائی و زیبائی کے ساتھ آ گیا ۔ اب لوگوں کا کام ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں، لیکن جبر کر کے منوانا خدا کی حکمت بالغہ کے منافی ہے ۔ اسی لیے اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے ۔ لہٰذا جس کا جی چاہے وہ ایمان لائے اور جس کا جی چاہے وہ کفر اختیار کرے ۔ بعد ازاں ہر دو فریق کے انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو کفر اختیار کریں گے ان کا انجام جہنم ہے جو عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے ۔ اور جو ایمان لائیں گے ان کا انجام بہشت عنبر سرشت ہے جہاں منہ مانگی مرادیں پوری ہوں گی اور جو کچھ ایک بہشتی چاہے گا وہی وہاں پائے گا ۔

۲۶- يحلون فيها من اساور ۔ الآية

ایک ایراد کا جواب ۔

کہا جاتا ہے کہ سونے کے کنگن پہننا مردوں کی کس طرح زینت ہے؟ یہ تو عورتوں کا زیور ہے اور یہی کیفیت ریشم کے کپڑوں کی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس زیب و زینت کا تعلق مختلف دیار و امصار اور مختلف

علاقوں کے رسم و رواج سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک چیز ایک وقت میں زینت شمار ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں عیب۔ اسی طرح ایک چیز ایک شہر میں زینت سمجھی جاتی ہے اور دوسرے شہر میں باعث نفرت جیسا کہ دنیا میں روزہ مرہ کا مشاہدہ اس کا شاہد ہے تو اگر نشأۃ کے بدل جانے سے وہاں مردوں کے لیے سونے کے کنگن اور ریشم کے کپڑے زینت شمار ہوں تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ علاوہ بریں اسی دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں جو سونے کے کپڑے پہنتے تھے جن میں جواہرات جڑے ہوئے ہوتے تھے۔ اور اسی دنیا میں کئی مردوں کا دل چاہتا ہے کہ وہ سونے کے کڑے اور ریشم کے کپڑے زیب تن کریں۔ مگر شریعت مانع ہوتی ہے اور اگر رب رحیم ان لوگون کی یہ دیرینہ خواہش وہاں پوری کر دے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ آخر دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزاء ہے۔ فیها ما تشتهییه الانفس و تلذ الاعین۔

آیات القرآن

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ

مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ
كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ
اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ
مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول!) ان لوگوں کے سامنے ان دو شخصوں کی مثال پیش کریں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور انہیں کھجور کے درختوں سے گھیر رکھا تھا اور ان کے درمیان کھیتی اگا دی تھی (۳۲)۔ یہ دونوں باغ خوب پھل دیتے تھے اور اس میں کچھ بھی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان (آبپاشی کے لیے) ایک نہر بھی جاری کر دی تھی (۳۳)۔ اور اس کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا (ایک دن گھمنڈ میں آ کر) اس نے اپنے (غریب) ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میں مال کے اعتبار سے تجھ سے زیادہ (مالدار) ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تجھ سے زیادہ طاقتور ہوں (۳۴) اور وہ (ایک دن) اپنے باغ میں داخل ہوا جبکہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا (اور) کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کرتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہو جائے گا (۳۵) اور میں خیال نہیں کرتا کہ کبھی قیامت برپا ہوگی اور اگر (بالفرض) میں کبھی اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو اس (باغ) سے بہتر ٹھکانہ پاؤں گا (۳۶) اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس ہستی کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے اچھا خاصا مرد بنایا (۳۷) لیکن میرا پروردگار تو وہی اللہ ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (۳۸) اور تو جب اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا؟ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) اور خدا کی قوت کے بغیر کوئی قوت نہیں ہے۔ اور اگر تو مجھے مال و اولاد میں (اپنے سے) کمتر دیکھتا ہے (۳۹) تو قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر (باغ) عطا فرمائے اور تیرے باغ پر

آسمان سے بجلیاں بھیج دے جس سے وہ چٹیل چکنا میدان بن کر رہ جائے (۴۰)۔ یا اس کا پانی اس طرح نیچے اتر جائے کہ تو کسی طرح بھی اسے حاصل نہ کر سکے (۴۱)۔ (چنانچہ) اس کے پھلوں کو گھیرے میں لے لیا گیا (ان پر آفت آ گئی) تو اس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر کف افسوس ملتا تھا اور وہ (باغ) اپنے چھپروں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اے کاش کہ میں نے کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہ بنایا ہوتا (۴۲) اب اس کے پاس کوئی ایسا گروہ بھی نہیں تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ غالب اور بدلہ لینے کے قابل تھا (۴۳)۔ (ثابت ہوا) کہ ہر قسم کا اختیار خدائے برحق کے لیے ہے۔ وہی بہترین ثواب دینے والا اور وہی بہترین انجام والا ہے (۴۴)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ اُکُلُ اس کے معنی ہیں پھل اور خوراک ہیں۔

۲۔ حسبانا۔ یہ حسبانہ کی جمع ہے جس کے معنی میں کرک، بدلی اور اولہ۔

۳۔ زلقا، زلق کے معنی پھسلنی جگہ کے ہیں۔

۴۔ خاویۃ یہ خوی خواء سے مشتق ہے جس کے معنی گرنے کے ہیں۔

۵۔ منتصر الانتصار کے معنی ہیں غالب آنا، کامیاب ہونا اور دشمن سے بدلہ لینا۔

۶۔ عقبا۔ اس کے معنی نتیجہ اور انجام کے بھی ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۷۔ واضرب لھم مثلاً۔ الآیۃ

چونکہ کسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کا بہترین ذریعہ تمثیلی انداز بیان ہے جو انجیل وغیرہ قدیم آسمانی کتابوں میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کبھی کبھار قرآن میں بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا اور اس کے مال و منال اور جاہ و جلال کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت اور اس کی نعمتوں کے ثبات و دوام کو یہاں اس تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ دو شخص تھے۔ ایک بے دین تھا اور دوسرا دیندار۔ ایک ملحد تھا دوسرا

موحد۔مگر اتفاق اس طرح ہوتا ہے کہ جو موحد و دیندار ہے وہ غریب و نادار تھے اور جو ملحد و بے دین ہے وہ بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔اس کے پاس انگور کے دو باغ ہیں اور ان کے چوگرد کھجوروں کے درخت ہیں اور اس کے درمیان ایک نہر جاری ہے جس کے ذریعہ سے آبپاشی کا انتظام ہے اور نیز درمیانی جگہ جو خالی تھی وہ بھی بے کار نہیں پڑی بلکہ وہاں کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور مختلف فصلیں اگائی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ بھی اس کے پاس جو مالداری کے مختلف سامان ہیں۔جن سے دولت کی ریل پیل ہے۔مخفی نہ رہے کہ کان لہ ثمر،اور ثمر کی جمع ثمار ہے اور واحد ثمرہ اور آگے اس کی جمع اثمار و ثمر ہے اور ثمرہ کے معنی جس طرح پھل کے ہیں اسی طرح اس کے ایک معنی انواع المال بھی ہیں۔یعنی مال و دولت کی مختلف قسمیں اور یہاں یہی معنی موزوں ہیں کہ اس کے پاس مذکورہ بالا باغات کے علاوہ مالداری کے کئی ساز و سامان موجود تھے۔چنانچہ وہ کم ظرف دولت کے نشہ میں بدمست ہو کر اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور نفری کے اعتبار سے زیادہ طاقتور۔اور جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو گھمنڈ میں آکر کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ میرے اس باغ پر کبھی خزاں نہیں آئے گی اور یہ کبھی برباد نہیں ہوگا۔بلکہ یونہی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے گا اور میرے خزانے یونہی بھرے رہیں گے اور جہاں تک قیامت کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے کہ پہلے تو اس کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔یہ محض مذہب پرست لوگوں کا ڈھکوسلا ہے اور اگر بفرض محال وہ قائم ہو گئی تو مجھے کیا فکر ہے میں وہاں یہاں سے بہتر جگہ پاؤں گا۔اس کی یہ مغرورانہ اور متکبرانہ باتیں سن کر اس کے دیندار ساتھی نے اس سے کہا کہ تو اپنے خالق و مالک کا شکر بجالانے کی بجائے اور اس کا اطاعت گزار بندہ بننے کی بجائے اس کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کر کے بنا سنوار کر اور مرد بنا کر کھڑا کیا ہے۔

پھر اس بندہ مومن نے اپنا عقیدۂ حقہ بیان کرتے ہوئے کہا تو ایمان لایا نہ لا اور تو شکر کر یا نہ کر **لکنا هو الله ربی**۔ الآیۃ۔لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا پروردگار تو میرا اللہ ہی ہے اور میں کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناتا۔

مخفی نہ رہے کہ لکنا اصل میں لکن انا تھا جو صرفی حذف و اسقاط سے لکنا ہو گیا ہے اور پھر اپنے بے دین ساتھی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے کیوں نہ کہا **ما شاء الله لا قوة الا بالله**،جس کا پڑھنا پسندیدہ چیز کو نظر بد سے بچاتا ہے اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔(جیسا کہ بعض اخبار و آثار میں وارد ہے تاکہ جس خدا نے اپنی قدرت و قوت سے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اسے حوادث روزگار سے محفوظ بھی رکھتا۔باقی رہا میرا مال و اولاد میں تجھ سے کمزور ہونا تو مجھے اپنے رحیم و کریم خدا سے امید

ہے کہ وہ مجھے عنقریب تیرے اس باغ سے بہتر باغ عطا فرمائے گا اور تیرا اس لہلاتے اور الیلیے باغ پر آسمان کی کوئی بجلی گرا کر یا کوئی اور آسمانی عذاب نازل کر کے اسے بالکل چکنا چٹیل میدان بنا دے گا اور اس سبزہ و باغ کا نام ونشان ہی مٹا دے گا۔

اور نہر کے اس رواں دواں پانی کو زمین کے نیچے اس طرح اتار دے کہ تو باوجود تلاش کے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ الغرض جیسا کہ اس بندہ مومن نے کہا تھا ایسا ہی ہوا اور جب قانون قدرت کے مطابق مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں تو آسمانی آفت آئی اور چشم زدن میں سب باغ و بہار کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ اب اس بدبخت مغرور آدمی کی آنکھیں کھلیں۔ مگر اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ عذاب خداوندی اپنا کام کر چکا تھا۔ لہٰذا اس کے پاس سوائے کف افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت کہا کہ کاش میں اپنے دوست کی بات مانتا اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہراتا۔ مگر اب کیا کرے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ جب اللہ نے پکڑا تو نہ مال اسے بچا سکا اور نہ اس کا کوئی گروہ اسے اللہ کی گرفت سے چھڑا سکا۔ جس پر اسے ناز تھا اور نہ اپنے اندر وہ طاقت تھی کہ انتقام لینے کے لیے اٹھ سکتا۔ سچ ہے کہ یوم یاتی بعض آیات ربك بھا لا ینفع لفسا ایمانھا التی ما امنت قبل۔

-۲۸ ھنالك الو۔ الآیة

وَلایت اور وِلایت کے مفہوم میں فرق

اس وقت یعنی نزول عذاب کے وقت یا قیام قیامت کے وقت ثابت ہو گیا کہ بلا شرکت غیرے ہر قسم کا اختیار اور نصرت اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی بہتر ثواب دینے والا اور وہی بہترین انجام والا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ولایہ کی واؤ پر زبر و زیر کے بدلنے سے اس کے معنی میں قدرے فرق ہے اور بعض اہل لغت کے نزدیک دونوں کا مفہوم ایک ہے۔ یعنی اگر واؤ پر زبر ہو تو اس کے معنی حجت اور نصرت کے ہوتے ہیں اور اگر اس پر زیر ہو تو اس کے معنی حکومت اور غلبہ کے ہوتے ہیں۔ (قاموس اور المنجد وغیرہ)

ایضاح:

یہ دو شخص کون تھے؟ ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے دو بھائی اور شاہزادے تھے۔ جن میں سے ایک مومن تھا جس نے اپنے حصہ کا مال راہ خدا میں صرف کر دیا تھا اور دوسرا کافر تھا جس نے جائیداد اور بھی بڑھائی تھی۔ یہ ان کی سرگزشت ہے (مجمع البیان)۔ اور مفسر قمی کی روایت یہ ہے کہ یہ ایک سرمایہ دار اور اس

کے غریب و نادار پڑوسی کی حکایت ہے (تفسیر القمی)۔

بہر حال اس اختلاف سے اصل مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو اس تمثیل کے بیان کرنے سے مطلوب ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کے باغ کی تمثیل قبل ازیں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۶ میں بھی مع تفسیر گزر چکی ہے۔ ایود احدکم ان تکون له جنةٍ من نخیل و اعناب و تجری من تحتها الانهار۔ الآیة۔ فراجع۔

درس عبرت

اس تمثیلی واقعہ سے چند پند و نصائح یا درس ہائے عبرت حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ دنیا کے مال و منال اور اسکے چندروزہ جاہ و جلال پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے۔ اگر منعم حقیقی ناراض ہو جائے تو چند لمحوں میں سب کچھ تباہ و برباد کر دیتا ہے اور انسان کو کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ عذاب الٰہی کے بعد توبہ و انابہ اور گریہ و زاری کچھ سود مند نہیں ہوتی۔ لہٰذا عذاب الٰہی کو دعوت دینے سے پہلے آدمی کو خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیے۔

۳۔ مفاد پرست احباب اس وقت تک کا شانہ کا طواف کرتے ہیں جب تک آدمی سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور بُرا وقت آنے پر ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

۴۔ دنیا کا مال اور اسکا جاہ و جلال محبوب خدا ہونے کی اور فقر و فاقہ دشمن خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو امتحان کے مختلف مرحلے ہیں جن کے ذریعہ خدا نے امتحان لیا کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر کون کرسکتا ہے اور اس کی نازل مصیبتوں پر صبر کون کرتا ہے۔

آیات القرآن

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝۴۶ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ

الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ ان لوگوں کے سامنے زندگانی دنیا کی (ایک اور) مثال پیش کریں کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو اس سے زمین کی نباتات مل گئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر وہ ریزہ ریزہ ہوگئی جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۴۵)۔ مال اور اولاد زندگانی دنیا کی (ہنگامی) زیب و زینت ہیں اور (دراصل) باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بھی اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہیں (۴۶)۔ اور وہ دن (یاد کرو) جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلا ہوا میدان ہے اور ہم اس طرح سب لوگوں کو جمع کریں گے کہ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے (۴۷)۔ اور وہ تمہارے پروردگار کے حضور صفیں باندھے پیش کیے جایں گے (تب ان سے کہا جائے گا) آخر تم اسی طرح ہمارے پاس آ گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ ہاں البتہ تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے (دوبارہ پیدا کرنے کا) کوئی وعدہ گاہ مقرر نہیں کیا ہے (۴۸)۔ اور نامہ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا اور تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہتے ہوں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا نامہ عمل ہے؟ جس نے (ہمارا) کوئی چھوٹا بڑا (گناہ) نہیں چھوڑا مگر سب کو درج کر لیا ہے اور جو کچھ ان لوگوں نے کیا تھا وہ سب اپنے اپنے سامنے پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (۴۹)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ھشیما کے معنی ہیں خشک گھاس۔

۲۔بارزۃ کے معنی ہیں کھلا ہوا میدان۔

۳۔فلم نغادر، غادر کے معنی ہیں کسی چیز کو پیچھے چھوڑ دینا۔

۴۔مشفقین اشفاق کے معنی خوف کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۲۹۔واضرب لھم مثل۔ الآیۃ

دنیا کی خوشحالی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی ایک مثال ابھی اوپر گزر چکی ہے اور ایک مثال اس سے پہلے سورۃ یونس آیت ۲۴ انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض۔ الآیۃ۔ میں بھی گزر چکی ہے۔سب کا مقصد ایک ہے کہ دنیا کی خوشحالی اور اس کی عیش وعشرت کو ثبات نہیں ہے۔اس کی مدت محض چار گھڑی ہے۔اس سے زیادہ اسے قرار نہیں ہے۔کیونکہ الدنیا ظل زائل۔دنیا ایک ڈھلتے سایہ کی مانند ہے۔جیسے آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین کا اپنی گونا گون نباتات،سبزیوں کی کثرت،پھل وپھول کی بہتات ان کی خوشبو اور ان کے جمال سے گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے مگر پھر کیا ہوتا ہے؟ کچھ دنوں کی بہار کے بعد یہ سب کچھ بھوسے کی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے جسے ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہیں۔وہ ذرے نہ کسی کام کے ہوتے ہیں اور نہ کوئی انہیں اس حالت سے بچا سکتا ہے۔بالکل یہی کیفیت انسانی زندگی، اس کے مال ومتاع اور اس کے اسباب عیش وعشرت کی ہے کہ ع

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

انسان کی چندروزہ دنیاوی زندگی اور اس کی سعی وکوشش کے انجام کی اس سے بہتر اور جامع مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔دنیا کی خوشحالیاں جب بکھرتی ہیں تو ان کا بالکل یہی حال ہوتا ہے۔لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی توجہ کا مرکز اس فانی دنیا کی بجائے جاودانی آخرت کو بنانا چاہیے۔اسے سنوارنے کی بجائے اسے سدھارنے پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

مخفی نہ رہے کہ جو بات یہاں قدرے تفصیل سے بیان کی گئی ہے وہی بات قدرے اجمال کے ساتھ اسی سورہ کی آیت نمبر ۸ میں بیان کی گئی ہے۔ وانا لجاعلون ما علیھا صعیدا جرزا۔

۱۳۰۔ المال والبنون۔ الآیة

قبل ازیں تفسیر کی پہلی جلد سورہ آل عمران کی آیت ۱۴ زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر۔ الآیۃ۔ کی تفسیر میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ مال واولاد دنیوی زندگی کی زینت و آرائش ہیں اور ان سے محبت کرنا انسان کا فطری تقاضا ہے اور یہ محبت فی نفسہ کوئی بری چیز بھی نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس محبت میں افراط جائز نہیں ہے کہ آدمی آخرت کو نظر انداز کرکے اپنی توجہ کا مرکز مال واولاد کو ہی قرار دے دے۔ چونکہ دنیا کا مال ہو یا اولاد سب فانی اور عارضی ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں۔ دین ودانش کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کبھی دنیوی اور اخروی مفادات میں تصادم واقع ہو جائے تو اُخروی مفاد کو دنیوی مفاد پر ترجیح دی جائے۔ چونکہ تمام قومیں عموما اور عرب خصوصاً جائیداد و اولاد کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے اور اپنی مفاخرت کی محافل میں انہیں چیزوں کی کثرت پر فخر و ناز کرتے تھے۔ لہٰذا قرآن اس افراط کی ممانعت کر رہا ہے اور واضح کر رہا ہے کہ بے شک مال واولاد زندگانی دنیا کی رونق و آرائش ہیں مگر چونکہ دنیا ہو یا اس کی آرائشیں ان کو بقاء و دوام نہیں ہے بلکہ یہ سب چندروزہ ہیں۔ لہٰذا انہیں توجہ کا مرکز بنانے کی بجائے ان اعمال صالحہ کی بجا آوری پر زیادہ توجہ دینی چاہیے جو باقی رہنے والی ہیں۔

باقیات صالحات سے کیا مراد ہے؟

ان باقیات صالحات کا مفہوم متعین کرنے میں مفسرین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے اس سے تسبیحات اربعہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے نماز مراد لی ہے اور بعض نے نماز تہجد مراد لی ہے اور بعض نے نیکوکار بیٹیاں مراد لی ہیں اور بعض نے اس سے محبت اہل بیت مراد لی ہے اور بعض نے اس سے تمام اعمال صالحہ مراد لیے ہیں (مجمع البیان)۔ اگرچہ ان سب اقوال کی صحت کے شواہد موجود ہیں اور اگرچہ ہر عمل آنی فانی ہوتا ہے، جلدی ختم ہو جاتا ہے مگر وہ عمل خیر ہو یا شر تو ثواب وعذاب کے اعتبار سے اس پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ باقی اور دائمی ہوتا ہے۔ اس لیے بے شک تمام اعمال صالحہ کو باقیات صالحات کہا جا سکتا ہے اور انہیں مراد بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر بعید نہیں ہے کہ اس سے خصوصی طور پر وہ اعمال صالحہ مراد ہوں جو خود تو ختم ہو جاتے ہیں مگر ان کے آثار باقی رہتے ہیں جن کا تذکرہ

سورہ یس میں کیا گیا ہے۔ ونکتب ما قدموا وآثارہم۔

ظاہر ہے کہ ما قدموا سے وہ عمل مراد ہیں جو آدمی کی ذات کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں جیسے نماز وروزہ وغیرہ اور آثارہم سے مراد وہ عمل ہیں جو عمل کرنے والے کی زندگی کے بعد بھی لوگوں کی بھلائی یا برائی کا سبب بنتے ہیں جیسے مساجد ومعابد، دینی مدارس اور خیراتی ادارے قائم کرنا اور بنانا۔ کیونکہ جب تک یہ فیض کے چشمے جاری رہیں گے اور لوگ ان سے فیض اٹھاتے رہیں گے اس وقت تک برابران کارہائے خیر کے بانیوں کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ولنعم ما قیل

نام مطلوب ہے تو خیر کے اسباب بنا
مسجد بنا مدرسہ بنا اور چاہ بنا

۳۱۔ ویوم نسیر الجبال۔ الآیۃ

اس دن کو یاد کرو جس دن ہم پہاڑوں کو حرکت دیں گے اور چلائیں گے قرآن میں جہاں بھی قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے وہاں ضرور یہ مذکور ہے کہ اذا الجبال نسفت کہ پہاڑ اکھڑ جائیں گے (المرسلات ۱۰) بست الجبال بسا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے (الواقعہ ۵۔۶) تکون الجبال کالعہن المنفوش کہ اس دن پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ الغرض زمین روز اول کی طرح بالکل چٹیل میدان بن جائے گی جس پر نہ کوئی پہاڑ ہو گا نہ کوئی عمارت اور نہ کوئی درخت وغیرہ۔ ارشاد قدرت ہے قاعا صفصفا لا تری فیہا عوجا ولا امتا۔ اس دن زمین اس طرح چٹیل میدان بن جائے گی کہ نہ اس میں کجی ہو گی اور نہ ابھار نظر آئے گا (طہ ۱۰۶۔۱۰۷) اسی عظیم انقلاب کا نام قیامت ہے۔

۳۲۔ لقد جئتمونا۔ الآیۃ

تم اسی طرح ہمارے پاس آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ یہی آیت قدرے تفصیل کے ساتھ سورۃ انعام میں نمبر ۹۴ پر گزر چکی ہے۔ **ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنا کم اول مرۃ۔ الآیۃ**۔ اور اسی مقام پر تفسیر کی تیسری جلد میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے اور اسی سے اس تشبیہ کا مفہوم بھی سمجھ میں آ جائے گا کہ تم اسی طرح ہمارے پاس آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ یعنی مال ومتاع اور اسباب زیست سے اسی طرح تہی دست ہو کر آئے ہو جس طرح تمہیں ہم نے پہلی بار پیدا کر کے خالی ہاتھ دنیا میں بھیجا تھا۔

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

-۳۳ ووضع الکتاب۔ الآیة

جب انسان کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھا جائے گا تو وہ اسے دیکھ کر کہے گا ہائے میری کم بختی! نامہ اعمال کا تذکرہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں اور آیتوں میں مختلف عناوین کے ساتھ موجود ہے جیسے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۳ میں کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔ الآیة۔ یا جیسے سورۂ جاثیہ آیت ۲۷، ۲۸ میں کل امۃ تدعی الی کتابہا۔ غرضیکہ ہر مکلف انسان دار دنیا میں خفیہ یا علانیہ طور پر جو بھی کوئی نیکی یا بدی کا کام کرتا ہے قادر مطلق کراما کاتبین کے ذریعہ سے لکھوا رہا ہے۔ انا کنا نستنسخ ما کنتم تعلمون (جو کچھ تم کرتے تھے ہم برابر لکھواتے جاتے تھے) (جاثیہ ۲۹) اور یہی نامہ اعمال قیامت کے دن مختلف لوگوں کے دائیں بائیں ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا۔ اقراء کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا اپنا نامہ اعمال پڑھتا جا اور اپنا حساب لیتا جا اور اپنے اعمال کی روشنی میں اپنے بہشتی یا دوزخی ہونے کا فیصلہ کرتا جا۔

-۳۴ و وجدوا ما عملوا۔ الآیة

الغرض لوگ جو کچھ دنیا میں نیکی یا بدی کر کے گئے ہوں گے وہاں ان کی جزاء و سزا کو حاضر پائیں گے یا خود اپنے اعمال کو اچھی یا بری شکل میں حاضر پائیں گے۔ ولا یظلم ربک احدا۔ آپ کا پروردگار کسی شخص پر ظلم و زیادتی نہیں کرے گا۔ بلکہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ جو حضرات اس موضوع کی جملہ جزئیات اور تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری علم الکلام والی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کے باب ۲۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

آیات القرآن

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِىۡ وَهُمۡ لَـكُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَاۤ اَشۡهَدْتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی سرتابی کی۔ کیا تم (اے منکرین حق) مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا سرپرست و کارساز بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے کیا ہی برا بدل ہے (۵۰)۔ اور میں نے انہیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت حاضر نہیں کیا اور نہ ہی ان کی اپنی خلقت کے وقت اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناؤں (۵۱)۔ اور وہ دن (یاد رکھو) جب وہ (اللہ مشرکین سے) فرمائے گا کہ بلاؤ میرے ان شریکوں کو جن کو تم میرا شریک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ مقرر کر دیں گے کہ وہ ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے (۵۲)۔ اور جب مجرم لوگ (دوزخ کی) آگ دیکھیں گے تو وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔ (۵۳)۔

تشریح الالفاظ

۱۔ ما اشھدتھم۔ یہ شہود و شہادت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں حاضر کرنے اور گواہ بنانے کے ہیں۔

۲۔ عضداً، کے معنی ہیں قوت بازو کے۔

۳۔موبقا کے معنی ہیں آڑ کے۔

۴۔مصرفا اس کے معنی ہیں بچنے کی راہ ہیں۔

تفسیر الآیات

۱-و اذ قلنا للملائکۃ ۔ الآیۃ

ابلیس جنات میں سے تھا

آدم و ابلیس اور ملائکہ کا واقعہ مختلف مقاصد کے تحت قرآن مجید کے متعدد مقامات پر مذکور ہے۔سورہ بقرہ کی آیت ۳۴،سورہ اعراف کی آیت ۱۱ اور سورۂ اسراء کی آیت ۶۱ وغیرہ وغیرہ۔مگر یہاں اس قصہ میں ایک اہم اضافہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ کان من الجن ففسق عن امر ربہ کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اور اسی وجہ سے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔ یہود و نصاریٰ تو ابلیس کو فرشتوں سے سمجھتے ہی ہیں۔تعجب تو ان نام نہاد مسلمانوں پر ہے جو اس قرآنی صراحت کے باوجود ابلیس کو فرشتہ سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر وہ فرشتہ ہوتا تو پھر خدا کے حکم کی سرتابی کس طرح کرتا؟ فرشتوں کی صفت تو یہ ہے کہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون (انبیاء ۲۶۔۲۷) یہ اللہ کے وہ مکرم بندے ہیں جو کسی بات میں خدا سے سبقت نہیں کرتے بلکہ وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ نیز اگر وہ فرشتہ ہوتا تو اس کی اولاد کس طرح ہوتی جس کا تذکرہ اسی آیت میں ہے۔ **افتتخذونہ وذریتہ اولیاء**۔کیونکہ فرشتوں میں نہ توالد ہوتا ہے اور نہ تناسل۔

بہر حال چونکہ ابلیس جنات میں سے ہے اور اگرچہ جن بھی انسان کی طرح فاعل مختار ہیں اور وہ اگر چاہتا تو صحیح کام کرسکتا تھا اور برے کام سے بچ سکتا تھا مگر چونکہ وہ ناری تھا اور اس میں سرکشی والا عنصر غالب تھا مگر وہ برائی کرنے پر مجبور نہ تھا اور اس کی وجہ سے معذور نہ تھا۔ بہر حال اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اس طرح وہ راندہ بارگاہ خدا قرار پایا۔ بنا بریں ففسق عن امر ربہ میں فاء سببیہ ہے یعنی اس نے جن اور ناری مخلوق ہونے کی وجہ سے سرکشی کی۔ بنا بریں بعید نہیں ہے کہ آیت ابی واستکبر وکان من الکافرین کے یہ معنی ہوں کہ شیطان نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔یعنی جنات کی اس جماعت کا فرد تھا جو پہلے سے زمین میں کفر کرچکی تھی۔ جبکہ عام طور پر آخری جملہ کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اباء و انکار اور تکبر کرکے کافروں میں سے ہوگیا۔ واللہ العالم۔ بہر حال خدا نے جنات کو آگ سے پیدا کیا تھا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے **و خلق الجان**

من مارج من نار (رحمن ۱۵) شیطان نے اپنے انکار وتکبر کی وجہ بھی پیش کی تھی کہ خلقتنی من نار و خلقته من طین فتدبر۔

۳۶۔ افتتخذونه وذرتیه اولیاء۔ الآیة

شیطان کے مریدوں کو شرمسار کرنے کا عجیب انداز کلام

اولادِ آدم میں وہ مشرکین اور منکرین جو خدا کو چھوڑ کر شیطان اور اس کی اولاد اور اس کے انصار واعوان کو اپنا کارساز وسرپرست سمجھتے ہیں۔ ان آیات میں بڑے بلیغ اور موثر انداز میں ان کی زجروتوبیخ کی گئی ہے کہ شیطان تمہارے باپ آدم کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوا تھا تو میں نے اسے رائندہ بارگاہ بنا دیا۔ مگر تم مجھ جیسے رحیم وکریم خدا کو چھوڑ کر اور میری بندگی کا رشتہ توڑ کر اپنے اور اپنے باپ کے کھلے دشمن سے مریدی واطاعت کا رشتہ جوڑ رہے ہو؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

یا ایھا الانسان ما غرك بربك الكريم؟ بہرکیف ظالموں کا بدل بہت برا ہے کہ وہ خدا کو اپنا کارساز اور معبود سمجھنے کی بجائے دشمن خدا ابلیس کو اپنا کارساز اور معبود سمجھ رہے ہیں۔

۳۷۔ ما اشھدتھم خلق السموات۔ الآیة

خلقت آسمان وزمین کے وقت خدا نے کسی کو حاضر نہیں کیا گواہ نہیں بنایا

ہم کی ضمیر کا مرجع ابلیس اور اس کی ذریت ہے چونکہ کفار ومشرکین کا یہ خیال تھا کہ ان کے خودساختہ شرکاء کا خدا کی خدائی میں کچھ دخل رہل ہے تو خداوند عالم اس کی تردید کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ میں نے تو ان کو آسمان وزمین کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور نہ ہی ان کی اپنی تخلیق کے وقت ان کو حاضر کیا کہ ان سے مشورہ لوں یا ان سے مدد طلب کروں کیونکہ میں قادر مطلق ہوں کسی کا محتاج نہیں ہوں بلکہ یہ تو آفرینش کائنات کے وقت موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ بہت بعد میں پیدا کیے گئے ہیں تو پھر ان کو بلایا کیونکر جاتا؟ ان سے مشورہ کس طرح کیا جاتا؟ اور ان سے مدد کیسے مانگی جاتی؟

۳۸۔ وما کنت فتخذا المضلین۔ الآیة

خدا گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو نہیں بناتا

اس ارشادِ رب العزت کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس بات سے قطع نظر بھی کر لی جائے کہ میں قادرِ مطلق ہوں اور کسی کا محتاج نہیں ہوں، بلکہ اگر بفرضِ محال میں نے کسی سے مدد لینی بھی ہوتی تو کیا میں ہادیوں مہدیوں کو چھوڑ کر ضالون اور مضلون کو اپنا قوت بازو بناتا؟ حاشا وکلا۔ میں ایسا نہیں ہوں۔

ایک درس

اس ارشاد سے ہمیں ایک سبق ملتا ہے کہ گو خدا تو غنی مطلق اور کائنات سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی مددگار کا محتاج نہیں ہے مگر ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے تمام اجتماعی معاملات میں عموماً اور دینی امور میں خصوصاً دینداروں اور نیکوکاروں سے تعاون حاصل کریں اور کافروں اور بے دینوں سے مدد طلب نہ کریں اور اس طرح تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، پر عمل درآمد کیا جائے۔

ایک ضروری وضاحت

کچھ لوگ شیطان اور اس کی ذریت کی خلقت آسمان و زمین کے وقت حاضر نہ ہونے سے اس بات پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخصوص ہستیاں کائنات میں موجود ہیں کہ جن کو خدا نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور ان کے سامنے سبھی کی تخلیق فرمائی۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ اس مقام پر تو مفسرین اسلام نے کیا سنی اور کیا شیعہ اس موضوع کو چھیڑا ہی نہیں ہے۔ ہاں البتہ مجالس و محافل میں اس قسم کے موضوعات پر عموماً گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ اس قسم کی بعض غیر مستند اور ناقابل اعتماد روایات بھی بعض کتب فضائل میں مل جاتی ہیں مگر ظاہر ہے کہ مقامِ اعتقاد میں یا آیاتِ محکمات پر اعتماد کیا جاتا ہے یا روایات متواترات پر اور یہ دونوں چیزیں یہاں مفقود ہیں ع

یہی تھے وہ حساب سو یوں پاک ہو گئے

بلکہ بعض مستند اخبار و آثار سے اس کی نفی واضح و آشکار ہوتی ہے۔ چنانچہ سید الساجدین علیہ السلام کے صحیفہ سجادیہ کی دعائے دوشنبہ میں صراحت موجود ہے۔ فرماتے ہیں: الحمد لله الذی لم یشهد احدا حین فطر السموات والارض والا اتخذا معینا حین برا السمات لم یشارك فی الآلهیة۔ یعنی سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں کہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کرتے وقت کسی کو بھی حاضر نہیں کیا اور روحوں کو پیدا کرتے وقت کوئی مددگار نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک ہے۔ تا آخر (صحیفہ سجادیہ)

ارباب علم جانتے ہیں کہ جب نکرہ نفی کے تحت واقع ہو جیسے یہاں ہے لم یشھد احدا تو وہ عموم کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

-۳۹ و یوم یقول نادوا شرکائی۔ الآیۃ

خداوند عالم قیامت کے دن مشرکین کو مزید خجل اور شرمسار کرنے کے لیے فرمائے گا کہ آج اس مشکل گھڑی میں میرے مزعومہ شریکوں کو پکارو۔ چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیں بھی کیسے؟ ان کو تو اپنی پڑی ہوگی اور اپنے غم میں گھل رہے ہوں گے۔ ارشاد قدرت ہے اس وقت ان کے درمیان ایک مہلک آڑ مقرر کر دی جائے گی۔ اس طرح نہ وہ ان کی بات سن سکیں گے اور نہ یہ ان کی بات سن سکیں گے۔ مخفی نہ رہے کہ موبق کے مختلف معنوں میں سے ایک معنی ہلاکت کے بھی ہیں اور ایسی دو چیزوں کے درمیان حائل چیز کو بھی موبق کہا جاتا ہے اور ہم نے ترجمہ میں ان دونوں معنوں کو سمو دیا ہے۔ الغرض جب وہ دوزخ کی آگ کو بھڑکتا دیکھے گے تو ان کو یقین ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ یہاں ظنوا یہاں بمعنی ایقنوا ہے کہ وہ ضرور اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًاؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَی الْهُدٰی فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰۤی اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں الٹ پلٹ کر بیان کر دی ہیں (مگر) انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے (۵۴)۔ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی ہے تو ان کو ایمان لانے اور مغفرت طلب کرنے سے منع نہیں کیا۔ مگر اس چیز نے کہ اگلی قوموں کا معاملہ انہیں بھی پیش آئے یا عذاب ان کے سامنے آئے (۵۵)۔ اور ہم رسولوں کو نہیں

بھیجتے مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور جو کافر ہیں وہ باطل کے (ہتھیار سے) جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو باطل کر دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز (عذاب) سے انہیں ڈرایا گیا تھا مذاق بنا رکھا ہے (۵۶)۔ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے پروردگار کی نشانیوں کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے مگر وہ ان سے روگردانی کرے اور اپنے ان (گناہوں) کو بھول جائے۔ جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکا ہے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈالدیے ہیں کہ اس کے سمجھنے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈالدی ہے (اس کے سننے سے) (یہ حق سے اعراض کرنے کی سزا ہے) اور اگر انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ اس حالت میں کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے (۵۷)۔ اور آپ کا پروردگار بڑا بخشنے والا، رحمت والا ہے۔ اگر وہ لوگوں سے ان کے کیے (گناہوں) کا مواخذہ کرتا تو جلدی ہی ان پر عذاب نازل کر دیتا مگر ان کے لیے اک میعاد ٹھہرا دی گئی ہے اس سے ادھر (پہلے) کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے (۵۸)۔ اور یہ بستیاں ہیں جب ان کے باشندوں نے ظلم و زیادتی کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی تھی (۵۹)۔

تفسیر الآیات

۴۰- ولقد صرفنا فی ھذا القرآن۔ الآیۃ

قرآن میں تکرار یا ایک ہی مطلب کو ادل بدل کر بار بار دہرانے کا فلسفہ

قرآن کی روش ہماری علمی کتابوں کی مانند نہیں ہے کہ ان کے مطالب خاص ترتیب، تبویب کے ساتھ مدون کر دیے جاتے ہیں بلکہ وہ ایک ہی حقیقت کو مختلف شکلوں میں، مختلف اسلوبوں سے اور مختلف عنوانوں سے بار بار پیش کرتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگ اس سے پند و موعظہ اور تذکیر حاصل کریں۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۱ میں اس تصریف اور اس طریقہ کار کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔

ولقد صرفنا فی ہذا القرآن لیذکروا، یعنی ہم اس قرآن میں اس لیے مطالب کو الٹ پلٹ کر اور ادل بدل کر بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ تذکیر و نصیحت حاصل کریں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد یعنی تذکیر اسی طریقہ کار اور اسی واعظانہ و خطیبانہ انداز بیان سے ہی حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ فلسفیانہ اسلوب بیان سے۔ مگر انسان یعنی اکثر

انسان بڑے جھگڑالو ہیں کہ یہ سب موثر طریقہ ہائے بیان اختیار کرنے کے باوجود اکثر لوگ نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ایمان لاتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: اکثر الناس لایعقلون، اکثر الناس لا یومنون۔ سچ ہے۔

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

مخفی نہ رہے کہ اسی تصریف وتذکیر کی ابھی اوپر مثالیں پیش کی گئی ہیں جیسے دو شخصوں کی مثال اور دنیوی زندگی اور آسمانی پانی کی مثال وغیرہ وغیرہ۔

۴۱- وما منع الناس ان یؤمنوا۔ الآیة

اکثر لوگوں کے ایمان نہ لانے کا سبب

اس قدر موثر اور دل نشین انداز میں حقائق کو اجاگر کرنے کے باوجود اگر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اپنے گناہوں کی اپنے مالک سے مغفرت طلب نہیں کرتے تو پھر اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں:

۱۔ ان پر اسی طرح استیصال کرنے والا عذاب نازل ہوگا۔ جو بعض سابقہ قوموں جیسے نوح، لوط، عاد وثمود کی قوموں پر نازل ہو چکا ہے۔

۲۔ یا پھر وہ خدا کے عذاب کو اپنے روبرو دیکھیں۔ تب ایمان لائیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس وقت ایمان لانے کا فائدہ کیا ہوگا؟ سچ ہے **وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون**

۴۲- وما نرسل المرسلین۔ الآیة

بعثت انبیاء ومرسلین کا فلسفہ

اس آیت میں بعثت انبیاء ومرسلین کا فلسفہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے کہ وہ بشارت ونذارت ہے کہ وہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت اور اس کے حساب کی خوشخبری سنائیں اور کفر وشرک اختیار کرنے والوں اور برے کام کرنے والوں کو جہنم اور اس کے گوناگوں عذاب سے ڈرائیں تاکہ خدا کی طرف سے لوگوں پر حجت تمام ہو جائے۔ اس موضوع پر قبل ازیں سورۂ نساء کی آیت ۱۵۶ رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس حجۃ علی اللہ بعد الرسل، کی تفسیر میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۳- ویجادل الذین کفروا۔ الآیة

کفار واشرار کا طریقہ کار

یہاں کفار و اشرار کی اس پرانی روش کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ حق وحقیقت کے واضح و آشکار ہو جانے کے باوجود اس پر ایمان لانے کی بجائے الٹا باطل اور مکر وفریب کے ہتھیار سے حق کا مقابلہ کر کے اور جدال ونزاع کو شیوہ بنا کے حق کو باطل اور متزلزل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور تذکر وعبرت پذیری کی جگہ تمسخر و مذاق کو شعار بنا کر اپنی حواس باختگی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں مگر واضح رہے کہ آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ زبانی کلامی ان کا تمسخر اڑایا جائے جیسا کہ کفار کرتے ہیں، بلکہ جو شخص قران مجید پڑھے اور معصومین کا کلام پڑھے اور پھر اللہ کے احکام حلال وحرام کو بھی سمجھے مگر اس کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ بھی آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے والا متصور ہوگا جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: من قرا القرآن فمات فدخل النار، لانہ لم یعمل بالقرآن فھو ممن اتخذ آیات اللہ ھذوا (تفسیر کاشف) یعنی جو شخص قرآن پڑھے پھر مر جائے اور بعد ازاں جہنم میں داخل ہو جائے کیونکہ اس نے قرآن پر عمل نہیں کیا تو وہ شخص بھی آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانے والا ہے۔

۱۴۴- انا جعلنا علی قلوبھم۔ الآیۃ

انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے کے شبہہ کا ازالہ

جبری فرقہ اس قسم کی آیتوں اور روایتوں کو پڑھ کر سوچے سمجھے بغیر ان سے اپنے باطل نظریہ جبر پر استدلال کرنا شروع کر دیتا ہے کہ جب اللہ نے ان لوگوں کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے ہیں اور کانوں میں گرانی ڈال دی ہے پھر وہ بیچارے کس طرح ایمان لا سکتے ہیں؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہم قبل ازیں کئی مقامات پر بالخصوص سورۂ انعام کی آیت ۲۵ جو بالکل اسی قسم کی ہے وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ و فی اذانھم وقرا۔ الآیۃ۔ کی تفسیر میں بڑی تفصیل سے یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ اگر اللہ نے ان لوگوں کو یہ سزا دی ہے تو یہ ان لوگوں کے اختیاری کرتوتوں اور برے اعمال کا نتیجہ ہے اور بالفاظ دیگر ان لوگوں کے برے اعمال ہی ان کے دلوں کے غلاف اور کانوں کی گرانی بن گئے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: بل طبع اللہ علیھا بکفرھم کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (نساء ۱۵۵) خلاصہ یہ کہ اس مہر لگنے کی وجہ سے ان لوگوں سے برے اعمال سرزد نہیں ہوئے بلکہ ان کے برے اعمال کی وجہ سے خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے۔ اسی مطلب کی مزید وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت ختم اللہ علی قلوبھم کی تفسیر میں بھی کر دی گئی ہے۔ اس لیے اب اگر ان کو حق کی طرف بلاؤ تو وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

-۴۵ وربك الغفور ذوالرحمة۔ الآیة

بدکاروں پر جلدی عذاب نازل نہ ہونے کی وجہ

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سرکش لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بدکار لوگ بدعملی سے نہیں رکتے تو خدا کیوں ان کا مواخذہ نہیں کرتا اور کیوں انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا نہیں دیتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں خدائے رحیم کا قانون رحمت وامہال کام کر رہا ہے۔ اس کی شان رحیمی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ مجرموں کو سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا، بلکہ انہیں ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے کہ شاید وہ باز آجائیں یا پھر دل کھول کر گناہ کرلیں اور جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر نتائج کے ظہور میں نہ دیر و درنگ ہوتی ہے اور نہ وہ ٹالے سے ٹل سکتے ہیں۔ فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون۔ اس موضوع کی مزید وضاحت سورۂ نحل کی آیت ۶۱ ولو یواخذ اللہ الناس بظلمهم ما ترك علیها من دابة ۔ الآیة۔ کی تفسیر میں کی جاچکی ہے۔ شائقین تفصیل اس مقام کی طرف رجوع کریں۔

آیات القرآن

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ

عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ میں برابر سفر جاری رکھوں گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچوں جہاں دو دریا اکٹھے ہوتے ہیں یا پھر (یونہی چلتے چلتے) سالہا سال گزار دوں گا (۶۰)۔ تو جب وہ دونوں ان دونوں دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے اور اس نے دریا میں داخل ہونے کے لیے سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنا لیا (۶۱)۔ جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا ہمارے صبح کا کھانا (ناشتہ) لاؤ۔ یقیناً ہمیں اس سفر میں بڑی مشقت اٹھانا پڑی ہے (ہم بہت تھک گئے ہیں) (۶۲)۔ اس (جوان) نے کہا کیا آپ نے دیکھا تھا؟ کہ جب ہم اس چٹان کے پاس • ستانے کے لیے) ٹھہرے ہوئے تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا اور شیطان نے مجھے ایسا غافل کیا کہ میں (آپ سے) اس کا ذکر کرنا بھی بھول گیا اور اس نے عجیب طریقہ سے دریا میں اپنا راستہ بنا لیا (۶۳)۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ (مقام) تھا جس کی ہمیں تلاش تھی (اور جسے ہم چاہتے تھے (چنانچہ وہ دونوں اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوئے واپس ہوئے (۶۴)۔ سو انہوں نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندہ کو پایا۔ جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا اور اسے اپنی طرف سے (خاص) علم عطا کیا تھا (۶۵)۔ موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں (۶۶)۔ اس نے (جواب میں) کہا کہ آپ میرے ساتھ (رہ کر) صبر نہیں کر سکتے (۶۷)۔ اور بھلا اس بات پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جو تمہارے علمی دائرہ سے باہر ہے؟ (۶۸) موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ

کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا(۶۹)۔اس نے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو آپ کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں، جب تک میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کروں(۷۰)۔

تشریح الالفاظ

۱۔حقبا، کے معنی ہیں ایک سال یا بہت سے سال،اسی سال یا اس سے زائد کا زمانہ۔۲۔نصباً، نصب کے معنی رنج و مشقت کے ہیں۔ ۳۔قصص، کے معنی ہیں بتدریج اتباع کرنے کے ہیں۔ ۴۔خبرا کے معنی علم و آ گہی کے اور تجربہ کے ہیں۔

تفسیر الآیات

۶۰۔و اذقال موسی لفتہ۔الآیۃ

ان آیات کی شان نزول

مفسر قمی نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا تو انہوں نے خواہش کی کہ آپ اس عالم کا قصہ بھی ہمیں سنائیں جس سے علم حاصل کرنے کا خدا نے جناب موسیٰ کو حکم دیا تھا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(تفسیر قمی)

قصہ موسیٰ و خضر کا خلاصہ اور اس کا پس منظر

اس اختلاف سے قطع نظر کرتے ہوئے جو جناب موسیٰ کے اس قصہ کے بارے میں ہے مفسرین اسلام کے درمیان پایا جاتا ہے کہ موسیٰ سے کون موسیٰ مراد ہیں؟ وہ جوان کون تھا جو جناب موسیٰ کے ساتھ تھا؟ وہ خاص بندہ خدا کون تھا جس سے علم حاصل کرنے کے لیے موسیٰ گئے تھے؟ اور یہ کہ وہ نبی تھے یا صرف ولی تھے؟ اور آیا وہ اس وقت زندہ ہیں؟ اور یہ کہ اس واقعہ کا پس منظر کیا ہے؟ اور یہ کہ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اور مجمع بحرین میں سے کون سی جگہ مراد ہے کیونکہ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس موسیٰ سے وہی جناب موسیٰ بن عمران مراد

ہیں جو صاحب تورات ہیں اور مشہور نبی ہیں اور ان کے جوان سے مراد جناب یوشع ابن نون ہیں جو جناب موسیٰ کے بھانجے بھی تھے اور وصی بھی۔ اور اس بندہ خاص سے مراد جناب خضر ہیں اور وہ بنا بر مشہور نبی بھی تھے اور بنا بر مشہور اس وقت زندہ بھی ہیں۔ اگرچہ یہ اعتقاد ہمارے نہ اصول میں داخل ہے اور نہ فروع میں۔ اور یہ واقعہ فریدون بادشاہ کے دور کا ہے اور مجمع البحرین سے مراد دریائے روم و فارس کا سنگم ہے اور بعض نے اس سے خلیج عقبہ اور نہر سویز کا مقام اتصال مراد لیا ہے۔ واللہ العالم۔

اور جہاں تک اس کے پس منظر کا تعلق ہے تو وہ قرآن اور سنت صحیحہ میں تو مذکور نہیں ہے۔ البتہ ایک روایت کتب فریقین میں ملتی ہے کہ جب خدا نے جناب موسیٰ کو تورات عطا فرمائی اور کوہ طور پر ان سے کلام کیا تو ان کے دل و دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اللہ نے مجھ سے بڑا کوئی عالم پیدا نہیں کیا اور بروایتے ایک شخص نے جناب موسیٰ سے سوال کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میں۔ (مجمع البیان وغیرہ) ظاہر ہے کہ اسے ترک اولیٰ ہی قرار دیا جا سکتا ہے مگر خدا اپنے مقرب بندوں کی معمولی فروگزاشتوں پر بھی سخت مواخذہ کرتا ہے۔

بہرحال اس وقت بذریعہ وحی آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دریاؤں کے سنگم پر جائیں اور وہاں آپ کو ہمارا ایک خاص بندہ ملے گا۔ اس سے علم حاصل کریں اور ان کو اس جگہ کی علامت یہ بتائی گئی تھی کہ جہاں ناشتہ کی ایک مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی جائے وہی آپ کی مطلوبہ جگہ ہے۔ الغرض آپ نے یوشع کو ہمراہ لیا اور روانہ ہوئے اور اسی مقام پر پہنچے تو ستانے کے لیے چٹان کے پہلو میں سو گئے ادھر مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی اور یوشع دیکھتے رہ گئے ارادہ تھا کہ جناب موسیٰ اٹھیں گے تو ان کو یہ واقعہ بتاؤں گا مگر بھول گئے۔ آپ جاگے اور منزل کی تلاش میں چل پڑے ۔ جب خوب تھک گئے تو آپ نے ساتھی سے فرمایا ناشتہ لاؤ۔ تب انہیں یاد آیا کہ فلاں جگہ مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ جب قصہ سنایا تو جناب موسیٰ نے کہا وہی تو وہ مقام تھا جس کی ہمیں تلاش ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے اور جب وہاں پہنچے تو مدعا مل گیا اس بندہ خدا سے ملاقات ہو گئی۔ سلام و کلام اور احوال پرسی کے بعد جناب موسیٰ نے اپنا مدعا پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خصوصی علم لدنی عطا فرمایا ہے۔ اسی سے کچھ مجھے بھی پڑھائیں مگر کیا عجیب شان قدرت ہے کہ جناب خضر نے کہہ دیا کہ تم وہ علم حاصل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تم صبر نہیں کر سکو گے جناب موسیٰ نے کہا کہ میں ضرور کروں گا مگر جناب خضر کہتے ہیں کہ جو چیز تمہارے علمی دائرہ سے خارج ہے تم اس پر کس طرح صبر کرو گے؟ جناب خضر نے یہ بات اس وثوق سے اس لیے کہی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جناب موسیٰ ظاہری

شریعت کے پابند ہیں جب وہ کوئی کام اس کے خلاف دیکھیں گے۔ تو کس طرح خاموش رہیں گے جبکہ جناب خضر اللہ کی طرف سے خصوصی عطا کردہ باطنی علم پر عمل کرنے کے پابند بنائے گئے تھے (تفسیر تبیان) الغرض جناب موسیٰ نے ان کو یقین دلایا کہ وہ صبر وضبط سے کام لیں گے تو کافی ردوقدح کے بعد جناب خضر نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ جو کام بھی کریں۔ آپ اس کے بارے میں کوئی سوال و جواب نہیں کریں گے حتیٰ کہ خود جناب خضر حقیقت حال واضح کریں۔ معاہدہ ہو گیا اور اب باہمی تعلیم و تعلم کے سلسلہ کا سفر شروع ہوا۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ جناب خضر نے یکے بعد دیگرے تین ایسے کام کیے کہ جناب موسیٰ کو تاب نہ رہی۔ پہلے جناب خضر نے کشتی میں سوراخ کیا، پھر ایک نوخیز بچہ کو قتل کیا اور آخر میں ایک ایسے شہر کے مکان کی دیوار کھڑی کی جس شہر کے لوگوں نے آپ کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا تھا اور ہر ہر کام پر جناب موسیٰ نے اعتراض کیا کہ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں کیا؟ ایسا کیوں کیا؟ ویسا کیوں کیا؟ اور جب جناب خضر نے اپنے کاموں کی علت بیان کی تو جناب موسیٰ اسی زبان سے جس سے ایراد کیا تھا اب کہہ رہے تھے کہ یہ بھی ٹھیک کیا اور وہ بھی ٹھیک کیا۔ سچ ہے کہ **و کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه و لما یاتهم تاویله بعد از ان هذا فراق بینی** کہہ کر جناب موسیٰ کو رخصت کیا۔ باقی تفصیلات ترجمہ قرآن میں پڑھیں جس پر آخر میں فی الجملہ تبصرہ کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آیات القرآن

فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾ فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّكۡرًا ﴿۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

اس کے بعد دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے اس میں

سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے اس لیے کشتی میں سوراخ کیا ہے کہ سب کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ آپ نے بڑی عجیب حرکت کی ہے (۷۱)۔ خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے؟ (۷۲)۔ موسیٰ نے کہا جو بھول ہو گئی اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کریں اور اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ سختی نہ کریں (۷۳)۔ چنانچہ پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے تو اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے ایک پاکیزہ نفس (بے گناہ) کو قصاص کے بغیر قتل کر دیا۔ یہ تو آپ نے سخت برا کام کیا (۷۴)۔

پندرہویں پارہ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر آج بتاریخ ۱۲ جولائی ۲۰۰۲ء بروز جمعہ بوقت گیارہ بجے شب بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی۔ والحمد للہ اولا و آخرا و ظاھرا و باطنا و صلی اللہ علی سیدنا و نبینا محمد و آلہ الطاھرین